السلام علیک ایها النبی

سلسلۂ رسائل
سیرت نبوی ﷺ

بہ مناسبت: بین الاقوامی سیرت سیمینار

منعقدہ: ۱۴-۱۲، جمادی الاولی ۱۴۳۷ھ بمطابق
۲۳-۲۱ فروری ۲۰۱۶ء

بمقام: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

زیر نگرانی:

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

سلسلۂ رسائل سیرت

۱

زریں فرمودات

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

باہتمام : المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

ناشر : مدرسہ صفۃ الصحابہ، وادیٔ عمر، شاہین نگر، حیدرآباد

طبع اول ۱۴۳۷ھ — ۲۰۱۶ء

کتاب : زریں فرمودات
مؤلف : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
صفحات : ۲۸
کمپیوٹر کتابت : محمد نصیر عالم سبیلی فون نمبر : 9959897621 91+
(العالم اُردو کمپیوٹرس، کوتہ پیٹ، بارکس، حیدرآباد)
سن طباعت : ۱۲ر جمادی الاول ۱۴۳۷ھ، مطابق: ۲۱ر فروری ۲۰۱۶ء

باہتمام : المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

ناشر : مدرسہ صفۃ الصحابہ، وادئ عمر، شاہین نگر، حیدرآباد

ملنے کے پتے

- المعہد العالی الاسلامی، شاہین نگر، حیدرآباد۔
- مدرسہ صفۃ الصحابہ، وادئ عمر شاہین نگر، حیدرآباد۔
- ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرس پرانی حویلی، حیدرآباد۔
- العالم اُردو کمپیوٹرس، کوتہ پیٹ، حیدرآباد۔

پیش لفظ

قرآن مجید نے اپنے لانے والے کی جوتصویر پیش کی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں، نہ آپ کی رحمت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے، نہ عربوں کے ساتھ، نہ کسی خاص رنگ ونسل کے لوگوں کے ساتھ؛ یہاں تک کہ آپ کی رحمت وشفقت بنی نوع انسان تک بھی محدود نہیں ہے؛ بلکہ آپ ﷺ نے دوسری مخلوقات کے ساتھ بھی رحم وکرم کی تعلیم دی ہے؛ مگر افسوس کہ غیر مسلم بھائی سیرت محمدی کے اس پہلو سے واقف نہیں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ صرف مسلمانوں کے پیغمبر اور محسن ہیں، مغربی مصنفین اگر بہت مہربان ہوں تو زیادہ سے زیادہ آپ ﷺ کو عربوں کا نبی قرار دیتے ہیں۔

اسی پس منظر میں سہ روزہ بین الاقوامی سیرت نبوی سیمینار — جو ۱۲-۱۴ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق: ۲۱-۲۳ / فروری ۲۰۱۶ء کو المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں منعقد ہورہا ہے — کی مناسبت سے ۱۶ / رسائل کی ترتیب کا منصوبہ بنایا گیا، جس میں رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر رحمۃ للعالمینی کو پیش کیا جائے اور برادرانِ وطن کے درمیان آپ ﷺ کا صحیح تعارف کرایا جائے، کوشش کی گئی ہے کہ یہ رسائل مختصر ہوں، زبان آسان ہو اور ہر بات معتبر حوالہ سے کہی جائے، انشاء اللہ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ تک کوشش کی جائے گی کہ انگریزی اور ہندوستان کی تمام علاقائی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوجائے اور اسے بڑی تعداد میں برادرانِ وطن تک پہنچایا جائے۔

اسی سلسلہ کا ایک حصہ یہ رسالہ ''زریں فرمودات'' ہے، جس کو اس حقیر نے مرتب کیا ہے، اس کا مقصد غیر مسلم بھائیوں کے لئے آپ ﷺ کے ان ارشادات کو پیش کرنا ہے، جن میں اخلاق ومحبت کی تعلیم اور شائستہ زندگی کے لئے بہترین ہدایت ورہنمائی ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اس کے مقصد کے اعتبار سے مفید بنائے اور رسول اللہ ﷺ کے تعارف کی جو ذمہ داری اس اُمت پر ہے، اس کا کوئی حصہ اس کوشش کے ذریعہ ادا ہوسکے، ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم۔

خالد سیف اللہ رحمانی ۱۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ

(خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد) ۲۱؍ فروری ۲۰۱۶ء

○ ○ ○

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کسی شخصیت کا عکس اس کی باتوں میں دیکھا جاسکتا ہے، اس کی دانائی یا نادانی، شعور یا بے شعوری، نرمی یا سختی، رحم دلی یا سنگ دلی، محبت یا نفرت اور دوستی یا دشمنی کا اصل مظہر اس کے الفاظ ہوتے ہیں، پیغمبر اسلام ﷺ کے ارشادات کا اگر اس پہلو سے مطالعہ کیا جائے تو آپ ﷺ کی ہر بات گوہر وموتی نظر آتی ہے، جو خوشگوار زندگی اور محبت و بھائی چارہ سے معمور سماج کی تعمیر کے لئے بہترین رہنما ہے۔

آپ ﷺ کے یہ ارشادات حدیث کی شکل میں موجود و محفوظ ہیں، جو ہزاروں صفحات پر مشتمل ہیں، ان سب کو یہاں جمع کرنا دشوار ہے؛ لیکن ان ہی میں سے انتخاب کر کے آپ ﷺ کے چند فرمودات یہاں ذکر کئے جاتے ہیں :

ایمان کا معیار

(۱) عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ ، حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ''. (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے، جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

تشریح : یعنی دوسرا انسان، اس وقت جس صورت حال سے دو چار ہے، اگر تم خود اِس صورت حال سے دو چار ہوتے تو اپنے لئے جو پسند کرتے، وہی اس کے لئے پسند کرو، مثلاً دوسرا شخص قصور وار ہے، اگر تم خود قصور وار ہوتے تو چاہتے کہ معاف کر دیا جائے، اس دوسرے شخص کے ساتھ بھی تمہارا یہی عمل ہونا چاہئے۔

---

(۱) صحيح البخاري، كِتَابُ الإِيمَانِ، بَابٌ: مِنَ الإِيمَانِ أَنْ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ، حدیث نمبر: ۱۳۔

اسلام کا بہترین عمل

(٢) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَيُّ الإِسْلاَمِ خَيْرٌ ؟ قَالَ : ''تُطْعِمُ الطَّعَامَ ، وَتَقْرَأُ السَّلاَمَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ'' . (١)

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اسلام کا کونسا عمل سب سے بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بات کہ تم (لوگوں کو) کھانا کھلاؤ اور چاہے کوئی شخص جان پہچان کا ہو یا نہ ہو، اسے سلام کرو۔

کامل ایمان والا

(٣) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا ، وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ'' . (٢)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے کامل ایمان والا شخص وہ ہے، جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں اور تم میں سے بہتر اخلاق والے وہ ہیں، جو اپنی عورتوں کے ساتھ بہتر برتاؤ کریں۔

سب سے بڑا جہاد

(٤) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الجِهَادِ كَلِمَةَ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ'' . (٣)

---

(١) صحيح البخاري، كِتَابُ الإِيمَانِ، بَابٌ: إِطْعَامُ الطَّعَامِ مِنَ الإِسْلاَمِ، حدیث نمبر: ١٢۔

(٢) صحيح ابن حبان، باب معاشرة الزوجين، حدیث نمبر: ٤١٧٦۔

(٣) سنن الترمذی، أَبْوَابُ الْفِتَنِ، بَابُ مَا جَاءَ أَفْضَلُ الجِهادِ، حدیث نمبر: ٢١٧٤۔

آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ ظالم حکمراں کے سامنے انصاف کی بات کہی جائے۔

بے فائدہ باتوں سے پرہیز

(۵) عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''إِنَّ مِنْ حُسْنِ إِسْلاَمِ الْمَرْءِ تَرْكَهُ مَا لَا يَعْنِيهِ''. (۱)

انسان کے بہتر مسلمان ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ لایعنی اور بے فائدہ باتوں سے بچا رہے۔

سارے انسان برابر ہیں

(۶) عن جابر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَلاَ إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلاَ لاَ فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ وَلاَ لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلاَ لأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلاَ أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلاَّ بِالتَّقْوَى . (۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! یاد رکھو کہ تمہارا پروردگار ایک ہی ہے اور تم سب ایک ہی باپ کی اولاد ہو، کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، گورے کو کالے اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، فضیلت صرف تقویٰ یعنی اللہ کی بات ماننے کی وجہ سے ہے۔

تمام انسان بھائی بھائی

(۷) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ ، قَالَ : سَمِعْتُ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ

---

(۱) سنن الترمذي، أَبْوَابُ الزُّهْدِ، حدیث نمبر: ۲۳۱۸۔ (۲) شعب الایمان: ۲۸۹/۴، حدیث نمبر: ۵۱۳۷۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : أَنَّ الْعِبَادَ كُلُّهُمْ إِخْوَةٌ، الخ . (١)
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے تمام بندے بھائی بھائی ہیں۔
تشریح : یعنی تمام انسان خواہ وہ کسی علاقہ کا ہو، کسی نسل وخاندان سے تعلق ہو اور کسی مذہب کا ماننے والا ہو، ان کے درمیان بھائی بھائی کا رشتہ ہے۔

زمین والوں پر رحم

(٨) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ ، ارْحَمُوا مَنْ فِي الأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ'' . (٢)
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رحم کرنے والوں پر خدائے رحمٰن رحم کریں گے، تم زمین والوں پر رحم کرو، تو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔

(٩) عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ ، لَا يَرْحَمْهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ'' . (٣)
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو انسان پر رحم نہیں کرتا، اللہ اس پر رحم نہیں فرماتے ہیں۔

جنگ میں بھی انسانیت کا لحاظ

(١٠) عَنْ خَالِدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ : خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ مُشَيِّعًا لِأَهْلِ مُؤْتَةَ حَتّٰى بَلَغَ ثَنِيَّةَ الْوَدَاعِ فَوَقَفَ وَوَقَفُوْا حَوْلَهُ فَقَالَ : أُغْزُوْا بِسْمِ اللهِ ، فَقَاتِلُوْا عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ بِالشَّامِ ، وَسَتَجِدُوْنِ فِيْهِمْ رِجَالًا فِي الصَّوَامِعِ مُعْتَزِلِيْنَ مِنَ النَّاسِ فَلَا تَعَرَّضُوْا

---

(١) أبو داود، كتاب الوتر، باب مايقول الرجل إذا سلم، حدیث نمبر: ١٥١٠۔
(٢) الترمذي، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في رحمة المسلمين، حدیث نمبر: ١٩٢٤۔
(٣) مسلم، كتاب الْفَضَائِلِ، بَابُ رَحْمَتِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصِّبْيَانَ وَالْعِيَالَ، حدیث نمبر: ٢٣١٩۔

لَهُمْ ... وَلَا تَقْتُلُوْا امْرَأَةً وَلَا صَغِيراً ضَرَعًا وَلَا كَبِيْراً فَانِيًا ، وَلَا تَقْطَعُنَّ شَجَرَةً ، وَلَا تَعْقِرُنَّ نَخْلًا ، وَلَا تَهْدِمُوْا بَيْتًا . (١)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فوج کو روانہ کرتے ہوئے حکم دیا: اللہ کے نام سے جہاد کرو گے اور (ملک) شام میں ان ہی لوگوں سے لڑو گے، جو اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن ہیں، اور تم وہاں کچھ ایسے لوگوں کو پاؤ گے، جو لوگوں سے الگ تھلگ (عیسائی) خانقاہوں میں ہیں، تو ان کو کچھ نہ کہو گے اور عورتوں کو، شیر خوار بچوں کو اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو گے، نہ درخت کو کاٹنا، نہ کھجور کی جڑیں اُکھاڑ دینا اور نہ کسی گھر کو منہدم کر دینا۔

ایک اور حدیث میں یہ اضافہ ہے :

نہ کسی آدمی اور جانور کا مثلہ کرنا، نہ پانی کے چشمے کو بیکار کرنا، نہ دھوکہ دینا اور خیانت نہ کرنا۔

جانوروں کے ساتھ رحم دلی

(١١) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِيْ بِطَرِيْقٍ اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ ، فَوَجَدَ بِئْرا فَنزل فِيهَا ، فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ ، فَإِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَأْكُلُ الثَّرىَ مِنَ الْعَطَشِ ، فَقَالَ : لَقَدْ بَلَغَ هَذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِيْ كَانَ بَلَغَ بِيْ ، فَنَزِلَ الْبِئْرَ ، فَمَلَأَ خُفَّهُ مَاءً ، ثُمَّ أَمْسَكَهُ بِفِيهِ حَتّٰى رَقِيَ ، فَسَقَى الْكَلْبَ ، فَشَكَرَ اللهُ لَهُ ؛ فَغَفَرَ لَهُ ، قَالُوْا : يَا رَسُوْلَ اللهِ ، وَإِنْ لَنَا فِيْ الْبَهَائِمِ لَاَجْراً ؟ فَقَالَ : فِيْ كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ'' . (٢)

(١) السنن الكبري، كتاب السير، باب ترك قتل من لا قتال فيه من الرهبان والكبير وغيرهما، حدیث نمبر: ١٧٩٣٤۔

(٢) مسلم، كتاب السلام، باب فضل ساقي البهائم المحترمة وإطعامها، حدیث نمبر: ٢٢٤٤۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص راستہ پر چل رہا تھا، اس کو سخت پیاس لگی، ایک کنواں ملا، وہ اس میں اُتر گیا، اس نے پانی پیا اور وہاں سے نکل آیا، دیکھتا کیا ہے کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے اور پیاس کی وجہ سے تری کو چاٹ رہا ہے، اس نے سوچا: یہ کتا ویسے ہی پیاس سے دوچار ہے جیسی پیاس مجھ کو لگی تھی؛ چنانچہ کنویں میں اُترا، پانی سے اپنے موزے کو بھرا اور اس موزے کو اپنے منھ سے پکڑ لیا، یہاں تک کہ چڑھ کے اوپر آ گیا اور اس کتے کو پانی پلایا، اللہ تعالیٰ نے اس کی قدردانی کی اور اسے معاف کر دیا، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا جانوروں کی خدمت میں بھی ہمیں اجر حاصل ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر جاندار کی خدمت میں اجر ہے۔

(۱۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ''أَنَّ امْرَأَةً بَغِيًّا رَأَتْ كَلْبًا فِي يَوْمٍ حَارٍّ يُطِيفُ بِبِئْرٍ قَدْ أَدْلَعَ لِسَانَهُ مِنَ الْعَطَشِ فَنَزَعَتْ لَهُ بِمُوقِهَا فَغُفِرَ لَهَا''. (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک فاحشہ عورت نے ایک گرم دن میں کتے کو دیکھا کہ کنویں کا چکر لگا رہا ہے اور مارے پیاس کے اپنی زبان نکالے ہوا ہے، اس نے اس کے لئے اپنے موزے کے ذریعہ پانی نکالا؛ چنانچہ اللہ کی طرف سے اس کے گناہ بخش دیئے گئے۔

(۱۳) عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ جَدِّ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ دَارَ الْحَكَمِ بْنِ أَيُّوبَ فَإِذَا قَوْمٌ قَدْ نَصَبُوْا دَجَاجَةً يَرْمُونَهَا قَالَ: فَقَالَ اَنَسٌ: نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُصْبَرَ الْبَهَائِمُ''. (۲)

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب السلام، باب فَضْلِ سَاقِي الْبَهَائِمِ الْمُحْتَرَمَةِ وَإِطْعَامِهَا، حدیث نمبر: ۵۹۹۷۔

(۲) مسلم، کتاب الصید، باب النَّهْيِ عَنْ صَبْرِ الْبَهَائِمِ، حدیث نمبر: ۱۹۵۶۔

حضرت انسؓ حکم ابن ایوب کے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ کچھ لوگوں نے ایک مرغی کو باندھ رکھا ہے اور وہ اس پر تیر سے نشانہ لگارہے ہیں، حضرت انسؓ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ جانوروں کو باندھ کر رکھا جائے، (تاکہ اس کو نشانہ بنایا جائے)۔

(۱۴) عَنِ ابْنَ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : مَنْ مَثَّلَ بِذِى رُوحٍ ثُمَّ لَمْ يَتُبْ مَثَّلَ اللهُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ . (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی جاندار کا مثلہ کیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا مثلہ کردیں گے۔

تشریح : مثلہ سے مراد ہے کسی جاندار کے اعضاء کو کاٹ دینا۔

(۱۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : نَهَى رَسُولُ اللهِ ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، عَنِ التَّحْرِيشِ بَيْنَ البَهَائِمِ . (۲)

آپ ﷺ نے جانوروں کو باہم لڑانے سے منع فرمایا۔

مریض کی مزاج پرسی، بھوکے کو کھانا کھلانے اور پیاسے کو پانی پلانے کا اجر عظیم

(۱۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ : يَا ابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي ، قَالَ : يَارَبِّ كَيْفَ أَعُودُكَ ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ، قَالَ : أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِي فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِي عِنْدَهُ ؟ يَاابْنَ آدَمَ اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ

(۱) مسند أحمد: ۲/ ۹۲، حدیث نمبر: ٥٦٦١۔

(۲) أبو داود، کتاب الجهاد، باب في التحريش بين البهائم، حدیث نمبر: ۲۵۶۴۔

تُطْعِمْنِي ، قَالَ : يَارَبِّ وَكَيْفَ أُطْعِمُكَ ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ، قَالَ : أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِي فُلَانٌ ، فَلَمْ تُطْعِمْهُ ؟ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذَلِكَ عِنْدِي ، يَاابْنَ آدَمَ اسْتَسْقَيْتُكَ ، فَلَمْ تَسْقِنِي ، قَالَ : يَارَبِّ كَيْفَ أَسْقِيكَ ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ، قَالَ : اسْتَسْقَاكَ عَبْدِي فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهِ ، أَمَا إِنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهُ وَجَدْتَ ذَلِكَ عِنْدِي''. (۱)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن (ایک شخص) سے فرمائیں گے: اے ابن آدم! میں بیمار ہوا اور تو نے مزاج پرسی (عیادت) نہیں کی، وہ شخص عرض کرے گا: اے میرے رب! میں کیسے آپ کی عیادت کرتا؟ آپ تو سارے جہاں کے پروردگار ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے: کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے؟ اگر تم اس کی مزاج پرسی کرتے تو مجھ کو اس کے پاس پاتے۔

اے ابن آدم! میں نے تم سے کھانا مانگا اور تم نے مجھے نہیں کھلایا، (وہ عرض کرے گا) اے میرے رب میں آپ کو کیسے کھلاتا؟ آپ تو سارے جہاں کے پرورش کرنے والے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے: کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تم سے میرے فلاں بندہ نے کھانا مانگا تھا اور تم نے اس کو نہیں کھلایا؟ اگر تم اس کو کھانا کھلاتے تو تم اس کا (ثواب اور بدلہ) میرے پاس پاتے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے: اے ابن آدم! میں نے تم سے پانی مانگا تھا؛ لیکن تم نے مجھے سیراب نہیں کیا، بندہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں کیسے آپ کو سیراب کرتا؟ آپ تو رب العالمین

(۱) مسلم، کتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، بَابُ فَضْلِ عِيَادَةِ الْمَرِيض، حدیث نمبر: ۲۵۶۹۔

ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے: میرے فلاں بندہ نے تم سے پانی مانگا تھا؛ لیکن تم نے اس کو پانی نہیں پلایا، اگر تم اس کو پانی پلاتے تو اس کا (ثواب) میرے پاس پاتے۔

مصیبت زدہ کی دل داری

(۱۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''مَنْ عَزَّی مُصَابًا فَلَہُ مِثْلُ أَجْرِہٖ'' . (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی مصیبت زدہ کو پُرسہ دیا تو اس کے لئے اس مصیبت زدہ کے (صبر کرنے کے) برابر اجر ہوگا۔

خادموں سے بہتر سلوک

(۱۸) عَنْ أَبِيْ ھُرَیْرَةَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''إِذَا اَتَی اَحَدَکُمْ خَادِمُہٗ بِطَعَامِہٖ ، فَإِنْ لَمْ یُجْلِسْہُ مَعَہٗ ، فَلْیُنَاوِلْہُ اُکْلَةً اَوْ اُکْلَتَیْنِ ، أَوْ لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَیْنِ ، فَإِنَّہٗ وَلِيَ حَرَّہٗ وَعِلَاجَہٗ'' . (۲)

آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کے پاس اس کا خادم کھانا لے کر آئے تو اس کو (کم سے کم) لقمہ دو لقمہ ہی کھلا دے؛ کیوں کہ اس نے اس کی تپش برداشت کی ہے اور اس کے (پکانے کی) تدبیر کی ہے۔

احسان مندی

(۱۹) عَنْ أَبِي ھُرَیْرَةَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''لَا یَشْکُرُ اللّٰہَ مَنْ لا یَشْکُرُ النَّاسَ'' . (۳)

---

(۱) سنن الترمذي، أَبْوَابُ الْجَنَائِزِ، بَابُ مَاجَاءَ فِي أَجْرِ مَنْ عَزَّی مُصَابًا، حدیث نمبر: ۱۰۷۳۔

(۲) صحیح البخاري، کِتَابُ الاَطْعِمَةِ، بَابُ الاَکْلِ مَعَ الخَادِمِ، حدیث نمبر: ۵۴۶۰۔

(۳) سنن أبي داود، کتاب الأدب، باب في شکر المعروف، حدیث نمبر: ۴۸۱۱۔

آپ ﷺ نے فرمایا: جو انسان کا شکریہ ادا نہیں کرتا، وہ اللہ کا شکر گذار بندہ نہیں۔

تشریح : مقصد یہ ہے کہ انسان کے اندر احسان مندی کا جذبہ ہونا چاہئے اور اپنے محسن کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔

بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت

(۲۰) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيرِنَا" . (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کے مقام و مرتبہ کو نہ پہچانے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

بہترین اخلاق

(۲۱) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ : قَالَ رُسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يَا عُقْبَةَ ! أَلاَ أَدُلُّكَ بِأَفْضَلِ أَخْلَاقِ أَهْلِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ : أَنْ تَصِلَ مَنْ قَطَعَكَ ، وَتُعْطِيْ مَنْ حَرَمَكَ ، وَتعَفُوْ عَمَّنَ ظَلَمَكَ . (۲)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عقبہ بن عامرؓ سے فرمایا: اے عقبہ! کیا میں تم کو دنیا و آخرت والوں میں سے سب سے بہتر اخلاق کے بارے میں نہ بتاؤں؟ وہ یہ ہے کہ جو تمہارے ساتھ رشتہ کا لحاظ نہ کرے، تم اس کے ساتھ رشتہ کا لحاظ کرو اور جو تم کو محروم کرے، تم اس کو عطا کرو اور جو تم پر ظلم کرے، تم اس کو معاف کردو۔

(۱) سنن الترمذي، أَبْوَابُ البِرِّوَالصِّلَةِ، بَابُ مَاجَاءَفِي رَحْمَةِ الصِّبْيَانِ، حدیث نمبر: ۱۹۲۰۔

(۲) المعجم الكبير، حدیث نمبر: ۵۵۶۷۔

نرم خوئی

(۲۲) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ : ''يَا عَائِشَةَ ، إِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ ، وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَالَا يُعْطِيْ عَلَى الْعُنْفِ ، وَمَا لَا يُعْطِيْ عَلٰى مَا سِوَاهُ'' . (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ نرم خو ہیں، نرم خوئی کو پسند کرتے ہیں اور جو چیز سختی پر اور کسی اور طریقہ پر عطا نہیں فرماتے، نرمی کے بنا پر عطا فرماتے ہیں۔

(۲۳) عَنْ جَابِرٍ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم : ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ نَشَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ كَنَفَهُ ، وَأَدْخَلَهُ جَنَّتَهُ : رِفْقٌ بِالضَّعِيفِ ، وَشَفَقَةٌ عَلَى الْوَالِدَيْنِ ، وَإِحْسَانٌ إِلَى الْمَمْلُوكِ . (۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس میں تین باتیں ہوں، اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت کی باہیں پھیلا دیں گے اور اس کو جنت میں داخل کریں گے: کمزور کے ساتھ نرمی، والدین کے ساتھ شفقت، خادم کے ساتھ اچھا سلوک۔

اصل بہادر

(۲۴) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِىْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ . (۳)

---

(۱) مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الرفق، حدیث نمبر: ۲۵۹۳۔

(۲) الترمذي، كتاب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، حدیث نمبر: ۲۴۹۴۔

(۳) صحیح بخاری، كتاب الأدب، باب الحذر من الغضب، حدیث نمبر: ۵۷۶۳۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہادر وہ نہیں ہے جو کشتی میں بہادر ہو، بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔

عقلمند کون؟

(۲۵) عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ ، وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ ، وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا ، وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ''. (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عقل مند وہ ہے جو اپنے آپ کا محاسبہ کرے، اور موت کے بعد کی دنیا کے لئے عمل کرے اور کمزور وہ شخص ہے جو پیروی تو اپنی خواہشات کی کرے اور اللہ تعالیٰ سے اُمیدیں باندھتا رہے۔

صفائی ستھرائی

(۲۶) عَنْ سَعْدِ بْنِ وَقَّاصٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِنَّ اللّٰه طَيِّبٌ يُحِبُّ الطِّيبَ ، نَظِيفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ ، كَرِيمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ ، جَوَّادٌ يُحِبُّ الْجُودَ ، فَنَظِّفُوا بُيُوتَكُمْ . (۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ پاک ہیں اور پاکی کو پسند کرتے ہیں، صاف ستھرے ہیں، صفائی ستھرائی کو پسند فرماتے ہیں، مہربان ہیں، مہربانی کو پسند کرتے ہیں، سخی ہیں، سخاوت کو پسند کرتے ہیں، تو تم اپنے گھروں کو صاف ستھرا رکھو۔

---

(۱) الترمذي، كتاب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، حدیث نمبر: ۲۴۵۹۔

(۲) مسند ابی یعلی، حدیث نمبر: ۲۷۹۹۔

باتوں کو بے تحقیق نقل کرنا

(۲۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ''كَفٰى بِالْمَرْءِ إِثْمًا اَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ ''. (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انسان کے جھوٹے ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو نقل کردے۔

تشریح : بہت سی باتیں جو سنی جاتی ہیں، درست نہیں ہوتیں؛ اس لئے ہر سنی سنائی ہوئی بات کو بلا تحقیق نقل کر دینا درست نہیں ہے، اس سے آپس میں اختلاف پیدا ہوتا ہے اور بے قصور شخص کی بے آبروئی اور بدنامی ہوتی ہے۔

عیب نہ نکالا جائے

(۲۸) عَنْ جَابِرٍ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''كَفٰى بِالْمَرْءِ شَرًّا أَنْ يَتَسَخَّطَ مَا قُرِّبَ إِلَيْهِ''. (۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کے بُرے ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ کوئی چیز اس کے سامنے پیش کی جائے اور وہ اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کرے۔

تشریح : یعنی انسان کے سامنے کھانے پینے، یا پہننے اوڑھنے کی چیز پیش کی جائے تو اسے خوشی سے قبول کرنا چاہئے اور اگر پسند نہ ہوں تو خاموش رہنا چاہئے، کوئی عیب نہ نکالنا چاہئے، رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک یہی تھا کہ جب بھی آپ کے سامنے کوئی کھانا پیش کیا جاتا تو اگر آپ کو وہ کھانا پسند ہوتا تو کھا لیتے اور پسند نہ آتا تو نہ کھاتے، مگر اس کی برائی نہ کرتے۔

تکبر نہ کرو!

(۲۹) عَنْ عَيَاضِ بْنِ حِمَارٍ الْمُجَاشِعِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

(۱) سنن أبي داود، كتاب الأدب، بَابٌ فِي التَّشْدِيدِ فِي الْكَذِبِ، حدیث نمبر: ۴۹۹۲۔

(۲) مسند أبي يعلى، حدیث نمبر: ۲۲۰۱۔

قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : وَإِنَّ اللّٰهَ أَوْحَى إِلَيَّ اَنْ تَوَاضَعُوا حَتَّى لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ ، وَلَا يَبْغِي أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ''. (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم بھیجا ہے کہ تواضع اختیار کرو، ایک دوسرے پر تکبر نہ کرو اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔

کینہ سے بچنا چاہئے!

(۳۰) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''لاَ يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلاَثِ لَيَالٍ ، يَلْتَقِيَانِ : فَيُعْرِضُ هَذَا وَيُعْرِضُ هَذَا ، وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلاَمِ''. (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ تین دن سے زائد اپنے بھائی سے بے تعلقی نہ برتے کہ جب ایک دوسرے کا سامنا ہو تو ایک اِدھر منھ پھیر لے اور دوسرا اُدھر، اور دونوں میں بہتر وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

تشریح : یعنی بعض دفع رنجش پیدا ہوجانا فطری بات ہے؛ لیکن اس کا اثر تین دن سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے اور دل میں کینہ نہیں پالنا چاہئے، نیز جو ٹوٹے ہوئے تعلق کو بحال کرنے میں پہل کرے اور سلام کر کے دوبارہ بات چیت شروع کرے، وہ شخص زیادہ بہتر ہے، اس لئے اس کو انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہئے۔

نااہل کا انتخاب

(۳۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنِ اسْتَعْمَلَ رَجُلاً

---

(۱) صحیح لمسلم، کتاب الْجَنَّةِ وَصِفَةِ نَعِيمِهَا وَأَهْلِهَا، حدیث نمبر: ۲۸۶۵۔

(۲) صحيح البخاري، كِتَابُ الأَدَبِ، بَابُ الهِجْرَةِ، حدیث نمبر: ۶۰۷۷۔

مِنْ عِصَابَةٍ وَفِيْ تِلْكَ الْعِصَابَةِ مَنْ هُوَ أَرْضَى لِلّٰهِ مِنْهُ ، فَقَدْ خَانَ اللهَ وَخَانَ رَسُوْلَهٗ وَخَانَ الْمُؤْمِنِيْنَ . (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے گروہ میں سے کسی شخص کو ذمہ دار بنادیا؛ حالاں کہ اس گروہ میں پسندیدہ شخص موجود تھا تو اس نے اللہ کے ساتھ اور اللہ کے رسول کے ساتھ اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی۔

آپسی اخلاق

(۳۲) عَن أَبِي هُرَيْرَة قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لاَ تَحَاسَدُوا ، وَلاَ تَبَاغَضُوا ، وَلاَ تَجَسَّسُوا ، وَلاَ تَحَسَّسُوا ، وَلاَ تَنَاجَشُوا ، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا . (۲)

آپ ﷺ نے فرمایا: ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو، نہ ایک دوسرے کی ٹوہ میں رہو اور نہ ہی ایک دوسرے کے ظاہری و باطنی عیب تلاش کرو اور نہ ایک دوسرے کو دھوکہ دو، اور اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن کے رہو۔

(۳۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَة أَن رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذِبُ الْحَدِيْثِ . (۳)

آپ ﷺ نے فرمایا: بدگمانی سے بچو؛ کیوں کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

---

(۱) المستدرك، كتاب الأحكام، حدیث نمبر: ۷۰۲۳۔

(۲) مسلم، کتاب البر والصلة، حدیث نمبر: ۲۵۶۳۔

(۳) بخاري، كتاب الأدب، باب ماينهى عن التحاسد والتدابر، حدیث نمبر: ۵۷۱۷۔

علم وحکمت کی بات — گمشدہ مال!

(۳۴) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا . (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عقل وحکمت کی بات مومن کا گمشدہ مال ہے، جہاں بھی ایسی بات مل جائے تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اسے حاصل کرے۔

تشریح : یعنی گمشدہ چیز مل جائے تو انسان اسے بڑی چاہ کے ساتھ حاصل کرتا ہے، علم وحکمت کی بات کو بھی اسی طرح حاصل کرنا چاہئے، چاہے جس کے پاس سے حاصل ہو جائے۔

صدقۂ جاریہ

(۳۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةِ أَشْيَاءَ : مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ'' . (۲)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے، مگر تین کام ایسے ہیں جن کی وجہ سے اعمال کا سلسلہ جاری رہتا ہے: نیک اولاد جو اس کے لئے دُعا کرے، صدقہ جاریہ جس سے اس کے مرنے کے بعد بھی لوگ فائدہ اُٹھائیں، یا نافع علم کسی کو سکھا دینا۔

علم کی عبادت پر فضیلت

(۳۶) عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ ، عَنْ أَبِيهِ ،

(۱) ابن ماجة ،كتاب الزهد، باب الحكمة، حدیث نمبر: ۴۱۶۹۔

(۲) سنن أبي داود ، كِتَابُ الْوَصَايَا، بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّدَقَةِ عَنِ الْمَيِّتِ، حدیث نمبر: ۲۸۸۰۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ''فَضْلُ الْعِلْمِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ فَضْلِ الْعِبَادَةِ'' . (۱)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: علم کی فضیلت مجھے عبادت کی فضیلت سے زیادہ پسند اور محبوب ہے۔

ماں باپ کا مقام

(۳۷) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اَلْجَنَّةُ تَحْتَ أَقْدامِ الأُمَّهاتِ . (۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔

(۳۸) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ ، سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : ''الْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ ، فَأَضِعْ ذَلِكَ الْبَابَ أَوِ احْفَظْهُ'' . (۳)

آپ ﷺ نے فرمایا: باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے، اب چاہے اسے ضائع کردو یا پھر اس کی حفاظت کرو۔

ہم نشینوں کا لحاظ

(۳۹) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ ، قَالَ : ''نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَجْلِسَ الرَّجُلُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا'' . (۴)

رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ دو شخص ایک جگہ ایک ساتھ بیٹھے ہوئے ہوں، ان کے ساتھ کوئی اور شخص ان کی اجازت کے بغیر بیٹھ جائے (تاکہ اس کی تنہائی میں خلل پیدا نہ ہو)۔

---

(۱) المستدرك على الصحيحين، كِتَابُ الْعِلْمِ، حدیث نمبر: ۳۱۴۔

(۲) مسند الشهاب: ۱/ ۱۰۲، حدیث نمبر: ۱۱۹۔

(۳) سنن ابن ماجه، كِتَابُ الْأَدَبِ، بَابُ بِرِّ الْوَالِدَيْنِ، حدیث نمبر: ۳۶۶۳۔

(۴) المعجم الأوسط، حدیث نمبر: ۳۶۵۲۔

(۴۰) عَنْ عَبْدِ اللهِ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً ، فَلَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ صَاحِبِهِمَا ، فَإِنَّ ذَلِكَ يُحْزِنُهُ'' . (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم تین ساتھی رہو، تو ایک ساتھی کو چھوڑ کر کانا پھونسی نہ کرو کہ یہ بات اس کے لئے ملال کا باعث ہوگی۔

مشورہ — ایک امانت!

(۴۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ'' . (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص سے مشورہ لیا جائے ، وہ امین ہے۔

تشریح : یعنی جیسے امانت کا صحیح طریقہ پر واپس لوٹانا ضروری ہے، اسی طرح صحیح صحیح دھوکہ اور کسی کی رعایت کئے بغیر مشورہ دینا ضروری ہے، اس طرح یہ بھی ضروری ہے کہ جیسے امانت کی حفاظت کی جاتی ہے، اسی طرح اگر مشورہ کرنے والا چاہتا ہو کہ اس کی بات کسی اور کے سامنے نہ ذکر کی جائے تو اس کی بات دوسروں کے سامنے ذکر نہ کی جائے۔

دوسروں کے ساتھ رویہ

(۴۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''عَلِّمُوا ، وَيَسِّرُوا ، وَلا تُعَسِّرُوا ، وَإِذَا غَضِبْتَ فَاسْكُتْ ، وَإِذَا غَضِبْتَ فَاسْكُتْ ، وَ إِذَا غَضِبْتَ فَاسْكُتْ'' . (۳)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تعلیم دو، آسانی برتو، دشواری پیدا نہ کرو، جب

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب السَّلَامِ، بَابُ تَحْرِيمِ مُنَاجَاةِ الِاثْنَيْنِ دُونَ الثَّالِثِ بِغَيْرِ رِضَاهُ، حدیث نمبر: ۲۱۸۴۔

(۲) سنن أبي داود، کتاب الأدب، بَابٌ فِي الْمَشُورَةِ، حدیث نمبر: ۵۱۲۸۔

(۲) مسند الإمام أحمد، حدیث نمبر: ۲۵۵۶۔

تم کو غصہ آجائے تو خاموش ہوجاؤ، جب تم کو غصہ آجائے تو خاموش ہوجاؤ، جب تم کو غصہ آجائے تو خاموش ہوجاؤ۔

تشریح : غصہ کی حالت میں جب آدمی کسی کی بات کا جواب دینے لگتا ہے تو زبان تیز ہوجاتی ہے اور اس کی وجہ سے اختلاف بڑھ جاتا ہے؛ اس لئے آپ ﷺ نے تاکید کے ساتھ تین مرتبہ فرمایا کہ جب غصہ آئے تو خاموشی اختیار کرلو۔

پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک

(۴۳) عَن أَبِي شُرَيْح ، أَن النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''وَالله لَا يُؤْمِن ، وَالله لَا يُؤْمِنُ ، وَالله لَا يُؤْمِنُ ، قِيْلَ : وَمَنْ ؟ يَا رَسُوْلَ اللهِ ، قَالَ : الَّذِي لَا يَأْمَن جَارہ بوائقه''. (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم! وہ مسلمان نہیں ہوسکتا، خدا کی قسم! وہ مسلمان نہیں ہوسکتا، خدا کی قسم! وہ مسلمان نہیں ہوسکتا، دریافت کیا گیا: کون اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: جس کا پڑوسی اس کے شر سے مامون نہ ہو۔

تشریح : یعنی اس کے پڑوسی کو اس کی طرف سے تکلیف پہنچانے کا اندیشہ نہ ہوتا ہو؛ بلکہ وہ اس کی طرف سے مطمئن رہتا ہو۔

(۴۴) عَن أَبِي هُرَيْرَة قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''من كَانَ يُؤمن بِالله وَالْيَوْم الآخر فَلَا يؤذِيْ جَارَهٗ ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِن بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ ، وَمن كَانَ يُؤْمِنُ بِالله وَالْيَوْم الآخر فَلْيَقُلْ خَيْراً أَوْ لِيَسْكُتْ''. (۲)

---

(۱) بخاري، كتاب الأدب، باب إثم من لا يأمن جاره بوائقه، حدیث نمبر: ۵٦۷۰۔

(۲) مسلم، كتاب الإيمان، باب الحث على إكرام الجار والضيف الخ، حدیث نمبر: ۴۷۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور جو اللہ وآخرت پر ایمان رکھتا ہو، وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے، اور جو اللہ وآخرت پر ایمان رکھتا ہو، وہ یا تو اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔

راستہ کا حق

(۴۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ فِي الطُّرُقَاتِ'' قَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا لَنَا بُدٌّ مِنْ مَجَالِسِنَا نَتَحَدَّثُ فِيهَا ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''فَإِذَا أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ'' قَالُوا : وَمَا حَقُّهُ ؟ قَالَ : ''غَضُّ الْبَصَرِ ، وَكَفُّ الْأَذَى ، وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ'' . (۱)

آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ راستوں میں بیٹھنے سے بچو، لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہمیں بات چیت کرنے کے لئے بیٹھنا پڑتا ہے، آپ نے فرمایا: اگر تم کو بیٹھنا ہی ہے تو پھر راستے کا حق ادا کرو، لوگوں نے دریافت کیا، راستے کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نگاہوں کو پست رکھنا، یعنی غیر محرم عورتوں کی طرف نظر نہ اُٹھانا، تکلیف دہ چیزوں کو راستے سے ہٹا دینا، سلام کا جواب دینا، راستہ چلنے والوں کو اچھی بات کی ترغیب دینا اور بُری بات سے روکنا۔

(۴۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي فِي طَرِيقٍ إِذْ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ فَأَخَّرَهُ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ'' . (۲)

(۱) صحیح مسلم، کتاب اللِّبَاسِ وَالزِّينَةِ، بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْجُلُوسِ فِي الطُّرُقَاتِ، حدیث نمبر: ۲۱۲۱۔

(۲) سنن الترمذي، أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي إِمَاطَةِ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ، حدیث نمبر: ۱۹۵۸۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص راستہ میں چل رہا تھا کہ اسے ایک کانٹے دار ٹہنی ملی، اس نے کانٹے دار ٹہنی کو راستہ سے ہٹا دیا تو اللہ نے اس کے اس عمل کی بڑی قدردانی فرمائی اور اس کی بخشش فرمادی۔

عام ضرورت کی چیزوں میں فراخ دلی کی ترغیب

(۴۷) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ لَا يُمْنَعْنَ : الْمَاءُ ، وَالْكَلَأُ ، وَالنَّارُ . (۱)

آپ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں روکی نہ جائیں: پانی، گھاس اور آگ۔

تشریح : یعنی یہ چیزیں عام لین دین کی ہیں، اگر کسی کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ پانی ہو اور دوسرا شخص پانی طلب کرے، یا اپنی ضرورت سے زیادہ گھاس ہو اور دوسرا شخص گھاس مانگے، یا تمہارے پاس آگ سلگی ہوئی ہو اور دوسرے شخص کو چولہا جلانے کے لئے آگ کی ضرورت ہو تو اس شخص کی ضرورت کو پورا کرو، اس کو روکو نہیں کہ یہ عام لین دین کی چیز ہے —— حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث میں گھاس کے بجائے نمک کا ذکر ہے، یعنی اگر کسی شخص کو اتفاق سے نمک کی ضرورت پڑ جائے اور تمہارے پاس نمک موجود ہو تو نمک دے دیا کرو۔

گھر والے کا لحاظ

(۴۸) عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : ''إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ فَلْيَرْجِعْ ''. (۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص تین دفعہ اجازت چاہے، مگر اس کو اجازت نہ ملے تو اسے واپس ہو جانا چاہئے۔

---

(۱) ابن ماجة ،کتاب الرھون، باب المسلمون شرکاء في ثلاث، حدیث نمبر: ۲۴۷۲۔

(۲) المعجم الأوسط، حدیث نمبر: ۷۵۹۷۔

تشریح : یعنی اگر کسی سے ملاقات کے لئے جایا جائے، دستک دی جائے، یا آواز دی جائے اور کوئی جواب نہ ملے تو ملاقات پر اصرار نہیں کرنا چاہئے اور برا بھی نہ ماننا چاہئے؛ بلکہ واپس ہو جانا چاہئے کہ شاید اہل خانہ کسی ضرورت کی وجہ سے ملاقات کرنے کے موقف میں نہیں ہوں۔

(۴۹) عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ مُسْتَقْبِلَ الْبَابِ ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''لَا تَسْتَأْذِنْ مُسْتَقْبِلَ الْبَابِ'' . (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس طرح گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب نہ کرو کہ تم دروازے کے عین سامنے ہو۔

تشریح : یعنی گھر اسی لئے ہوتا ہے کہ انسان دوسروں کی نظر سے بچ سکے، تو اس طرح کسی کے گھر کے سامنے کھڑا نہ ہونا چاہئے کہ گھر کے لوگوں پر نظر پڑ جائے۔

بھلائی کی ترغیب

(۵۰) عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ'' . (۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کسی اچھے کام کے لئے دوسرے کو ترغیب دے، تو ترغیب دینے والے کو بھی اس نیک کام کرنے والے کے برابر ثواب حاصل ہوگا۔

شجر کاری اور کھیتی

(۵۱) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا

---

(۱) المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۵۳۹۳۔

(۲) المعجم الأوسط، حدیث نمبر: ۴۷۹۱۔

فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلاَّ كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ''. (۱)

آپ ﷺ نے فرمایا: مسلمان جو بھی درخت لگا تا ہے، یا کھیتی کرتا ہے، پھر اس میں سے کوئی پرندہ یا انسان یا جانور کھالیتا ہے تو وہ اس کے لئے صدقہ ہوتا ہے۔

ناشکری سے بچنے کا نسخہ

(۵۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''انْظُرُوا إِلَى مَنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ ، وَلَا تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ ، فَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ لَا تَزْدَرُوا نِعْمَةَ اللهِ قَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ عَلَيْكُمْ''. (۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اس شخص کو دیکھو جو تم سے کمتر حالت پر ہو، اس شخص کو نہ دیکھو جو تم سے بہتر حالت میں ہے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ تم پر اللہ کی جو نعمت ہے، تم اس کو حقیر نہیں سمجھو گے۔

تشریح : انسان اکثر اپنے سے زیادہ دولت مند یا صحت مند، یا زیادہ باعزت شخص کو دیکھتا ہے تو اس میں لالچ پیدا ہوجاتی ہے اور اس کو جو اللہ نے نعمتیں دی ہے وہ اس کو کمتر محسوس ہونے لگتی ہے؛ اس لئے انسان کو اپنے سے کمتر شخص کو دیکھنا چاہئے؛ تا کہ اس کے اندر شکر کا جذبہ پیدا ہو۔

بہترین خطا کار

(۵۳) عَنْ أَنَسٍ ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ''كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ''. (۳)

---

(۱) مسلم، کتاب المساقاۃ، باب فَضْلِ الْغَرْسِ وَالزَّرْعِ، حدیث نمبر: ۴۰۵۵۔

(۲) صحیح المسلم، کتَابُ الزُّهْدِ وَالرَّقَائِقِ، حدیث نمبر: ۲۹۶۳۔

(۳) سنن الترمذي، أَبْوَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالرَّقَائِقِ وَالْوَرَعِ، حدیث نمبر: ۲۴۹۹۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ہر انسان غلطی کرتا ہے؛ لیکن بہترین غلطی کرنے والا وہ ہے جو اپنی غلطی سے رُجوع کرلے۔

کوشش، پھر اللہ پر بھروسہ

(۵۴) عن المُغِيرَةُ بْنُ أَبِي قُرَّةَ السَّدُوسِيُّ ، قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ ، يَقُولُ : قَالَ رَجُلٌ : يَا رَسُولَ اللهِ أَعْقِلُهَا وَأَتَوَكَّلُ ، أَوْ أُطْلِقُهَا وَأَتَوَكَّلُ ؟ قَالَ : ''اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ''. (۱)

ایک شخص نے عرض کیا: میں اونٹنی کو باندھ دوں اور اللہ پر بھروسہ کروں یا اسے کھلا چھوڑ دوں اور بھروسہ کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے باندھ دو اور اللہ پر بھروسہ کرو۔

تشریح : یعنی اللہ پر بھروسہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان اسباب کو اختیار نہ کرے؛ بلکہ اللہ پر بھروسہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسباب اختیار کئے جائیں، محنت کی جائے اور اس کے بعد اللہ کی طرف سے جو نتیجہ مرتب ہو، انسان اس پر راضی رہے۔

• • •

(۱) سنن الترمذي، أَبْوَابُ الزُّهْدِ، بَابٌ فِي التَّوَكُّلِ عَلَى اللّٰهِ، حدیث نمبر: ۲۵۱۷۔

سلسلۂ رسائل سیرت
۲

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بچے

مولانا شاہد علی قاسمی

باہتمام : المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

ناشر : مدرسہ عربیہ خادم الاسلام عطاپور، حیدرآباد

پیش لفظ

قرآن مجید نے اپنے لانے والے کی جو تصویر پیش کی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں، نہ آپ کی رحمت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے، نہ عربوں کے ساتھ، نہ کسی خاص رنگ و نسل کے لوگوں کے ساتھ؛ یہاں تک کہ آپ کی رحمت وشفقت بنی نوع انسان تک بھی محدود نہیں ہے؛ بلکہ آپ ﷺ نے دوسری مخلوقات کے ساتھ بھی رحم وکرم کی تعلیم دی ہے؛ مگر افسوس کہ غیر مسلم بھائی سیرت محمدی کے اس پہلو سے واقف نہیں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ صرف مسلمانوں کے پیغمبر اور محسن ہیں، مغربی مصنفین اگر بہت مہربان ہوں تو زیادہ سے زیادہ آپ ﷺ کو عربوں کا نبی قرار دیتے ہیں۔

اسی پس منظر میں سہ روزہ بین الاقوامی سیرت نبوی سیمینار — جو ۱۲–۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق: ۲۱–۲۳ر فروری ۲۰۱۶ء کو المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں منعقد ہو رہا ہے — کی مناسبت سے ۱۶ر رسائل کی ترتیب کا منصوبہ بنایا گیا، جس میں رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر رحمۃ للعالمینی کو پیش کیا جائے اور برادرانِ وطن کے درمیان آپ ﷺ کا صحیح تعارف کرایا جائے، کوشش کی گئی ہے کہ یہ رسائل مختصر ہوں، زبان آسان ہو اور ہر بات معتبر حوالہ سے کہی جائے، انشاءاللہ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ تک کوشش کی جائے گی کہ انگریزی اور ہندوستان کی تمام علاقائی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو جائے اور اسے بڑی تعداد میں برادرانِ وطن تک پہنچایا جائے۔

اسی سلسلہ کا ایک حصہ یہ رسالہ ''پیغمبر اسلام ﷺ اور بچے'' ہے، جس کو جناب مولانا شاہد علی قاسمی (استاذ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد) نے مرتب کیا ہے— **فجزاہ اللہ خیر الجزاء** — دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اس کے مقصد کے اعتبار سے مفید بنائے اور رسول اللہ ﷺ کے تعارف کی جو ذمہ داری اس اُمت پر ہے، اس کا کوئی حصہ اس کوشش کے ذریعہ ادا ہو سکے، **ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم**۔

۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
۲۱ر فروری ۲۰۱۶ء

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بچہ ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور ہوتا ہے، بچہ کی پیدائش پر گھر میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے، بچہ گھر کی زینت ہوتا ہے، بچہ باعث برکت ہوتا ہے، بچہ کی پیدائش سے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے اور تعداد میں اضافہ سے قوت میں اضافہ ہوتا ہے، نیز مسلمانوں کی کثرت قیامت کے دن فخر کا باعث ہوگی، بچہ قوم کا مستقبل اور مستقبل کا معمار ہوتا ہے، اس لئے اس کمزور و ناتواں طبقہ کی خصوصی حفاظت و نگہداشت ہونی چاہئے —— اس لئے اسلام نے بچوں کے وہ حقوق رکھے جن سے دنیا نا آشنا تھی اور بچوں کے تحفظ کا وہ نظام بنایا جس سے دنیا بیگانہ تھی۔

نومولود کے کان میں اذان و اقامت

بچہ کی پیدائش پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کا حکم دیا، جب حسنؓ کی پیدائش ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کان میں اذان دی :

عن أبي رافع رضی الله عنه قال : رأيت النبی صلی الله عليه وسلم أذن فی أذن الحسن بن علی حين ولدته فاطمة بالصلاة ۔ (۱)

ابو رافعؓ سے مروی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب حضرت فاطمہؓ کے بطن سے حضرت حسن پیدا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کان میں اذان دی۔

نیز بیہقی کی روایت ہے :

عن النبی صلی الله عليه وسلم قال : من ولد له مولود فأذن فی أذنه اليمنی وأقام في أذنه اليسریٰ ، لم تضره أم الصبيان ۔ (۲)

---

(۱) ترمذی، حدیث نمبر: ۲۵۱۴، باب الأذن فی اذان المولود۔

(۲) الجامع الصغیر للسیوطی، حدیث نمبر: ۹۰۸۵۔

نبی ﷺ سے مروی ہے کہ جب بچہ پیدا ہوا اور اس کے دائیں کان میں
اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے تو اُم الصبیان سے بچہ کو
نقصان نہیں پہنچے گا۔

اُم الصبیان سے یا تو وہ خاص ہوا مراد ہے جس سے بچہ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے، یا بچہ کو لگنے والی خاص بیماری ہے ـــــ اذان و اقامت کہنے کا مقصد یہ ہے کہ بچہ کے کان میں اول جو آواز جائے وہ اللہ کی کبریائی و بڑائی اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی کی بات ہو، اور بچہ غیر محسوس طور پر اس کے اثر کو قبول کرے، گویا یہ ایک تلقین ہے کہ وہ جس فطرتِ اسلام پر پیدا ہوا ہے، وہ اس فطرت پر قائم رہے۔

تحنیک

یہ بات بھی پسند کی گئی کہ اول جو چیز اس کے پیٹ میں داخل ہو وہ کسی اللہ والے کا جھوٹا ہو؛ تا کہ اس کی برکت سے نومولود آئندہ کی زندگی میں صلاح و تقویٰ پر قائم رہے، یہ گویا ایک فال نیک ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے متعدد بچوں کی تحنیک فرمائی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں :

أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یؤتی بالصبیان
فیبرک علیهم و یحنکهم ۔ (۱)

رسول اللہ ﷺ کے پاس بہت سے بچے لائے جاتے تھے، تو آپ انھیں
برکت کی دُعا دیتے اور ان کی تحنیک فرماتے۔

تحنیک یہ ہے کہ کوئی نیک آدمی کھجور منھ میں نرم کرلے اور اس کا کچھ لعاب بچہ کے منھ میں چٹا دے، اگر کھجور نہ ہو تو کسی اور میٹھی چیز سے ایسا کیا جاسکتا ہے۔

بچہ کے لئے بہتر نام کا انتخاب

یہ بات بہتر ہے کہ بچہ کی کوئی شناخت ہو، جس سے وہ دوسروں سے ممتاز رہے اور یہ شناخت تا حیات رہے،، اس لئے ہدایت دی گئی کہ بچہ کا نام رکھا جائے اور نام بھی ایسا ہو جو معنی دار ہو، معنی بھی اچھا ہو، نامناسب نام نہ ہو، رسول اللہ ﷺ نامناسب ناموں کو بدل کر مناسب نام رکھا کرتے تھے؛

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۶۸۸، باب حکم بول الطفل الرضیع۔

چنانچہ جب حضرت حسنؓ کی پیدائش ہوئی، آپ ﷺ نواسہ کو دیکھنے تشریف لائے تو فرمایا کہ مجھے میرا بیٹا دکھاؤ اور اس کا نام بتاؤ، حضرت علیؓ نے عرض کیا: ان کا نام ''حرب'' (جنگ) رکھا ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: بلکہ وہ تو حسن (خوبصورت، عمدہ، اچھا) ہیں۔(۱)

جن ناموں میں شرکیہ معنی نکلتا ہو یا تکبر کی بو آتی ہو، یا نامناسب معنی ہو ایسے تمام ناموں سے احتراز ضروری ہے، اگر ایسے نام رکھ لئے گئے ہوں تو انھیں بدل دینا ضروری ہے۔

عقیقہ

بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کرنا مسنون ہے، لڑکا کی طرف سے دو بکرا اور لڑکی کی طرف سے ایک، اور بڑے جانوروں (گائے، بھینس، اونٹ) میں دو حصہ لڑکے کی طرف سے اور ایک حصہ لڑکی کی طرف سے کیا جائے تو یہ بھی درست ہے، رسول اللہ ﷺ نے عقیقہ کی بابت ارشاد فرمایا :

الغلام مرتهن بعقيقته فأريقوا عنه الدم وأميطوا عنه الأذىٰ۔ (۲)

بچہ اپنے عقیقہ کے ساتھ گروی ہوتا ہے، اس لئے اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے تکلیف دُور کرو۔

اگر لڑکا کی طرف سے بھی ایک بکرا ذبح کیا جائے تو بھی عقیقہ ہو جائے گا؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرات حسنین کی طرف سے ایک ایک مینڈھا کی قربانی فرمائی :

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم : عق عن الحسن والحسين كبشا كبشا۔ (۳)

عقیقہ کرنے کی متعدد حکمتیں ہیں :

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ عقیقہ کی وجہ سے بچے کے نسب کی اشاعت اچھی طرح ہوتی ہے۔(۴)

---

(۱) مستدرک حاکم، حدیث نمبر: ۴۷۸۳۔

(۲) ترمذی، باب من العقيقة، حدیث نمبر: ۱۵۲۲۔

(۳) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۲۸۴۱۔

(۴) حجۃ اللہ البالغۃ: ۳۶۱/۲۔

(۲) بچہ متعدد مصائب و آفات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔
(۳) عقیقہ نہ ہوا ہو تو بچہ کو قیامت کے دن والدین کی شفاعت سے روک دیا جاتا ہے۔
(۴) عقیقہ سے بچہ کو اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور وہ اللہ کے خصوصی امان میں آجاتا ہے۔(۱)

بال کا کاٹنا

عقیقہ کے موقع پر بچوں کے سر کے بال بھی صاف کئے جاتے ہیں اور بال کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرنا مسنون ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسنؓ کا ایک مینڈھا سے عقیقہ کیا، پھر حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ اس کا سر مونڈ دو اور بال کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کردو۔(۲)

سر کا بال صاف کرنے سے بچہ کو تقویت حاصل ہوتی ہے، سر کے مسامات کھلتے ہیں، دیکھنے، سننے اور سونگھنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔(۳)

ختنہ کرنا

اُمور فطرت میں سے ایک لڑکا کا ختنہ کرانا بھی ہے، رسول اللہ ﷺ نے چند اُمور فطرت کو شمار کراتے ہوئے ختنہ کا بھی ذکر فرمایا :

من الفطرة المضمضة والاستنشاق . . . والاختتان ۔ (۴)

اُمور فطرت میں سے کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا......اور ختنہ کرنا ہے۔

ختنہ صفائی وستھرائی کے نقطۂ نظر سے کافی اہمیت کا حامل ہے، اگر ختنہ نہ کیا جائے تو اس حصہ میں پیشاب وغیرہ کے کچھ قطرے باقی رہ جانے سے بیماریاں پیدا ہوسکتی ہیں اور موجودہ دور کی تحقیق کے مطابق کینسر ہوجانے کا بھی خطرہ رہتا ہے، اس لئے اسلام نے اسے مسنون قرار دیا۔

بچوں پر شفقت

بچے خصوصی شفقت ورحمت کے محتاج ہوتے ہیں، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کا خاص

---

(۱) ملخص از: تربیۃ الاولاد فی الاسلام: ۱/ ۸۱۔
(۲) ترمذی، حدیث نمبر: ۱۵۱۹۔
(۳) دیکھئے: تربیۃ الاولاد فی الاسلام: ۱/ ۶۲۔
(۴) الجامع الصغیر للسیوطی، حدیث نمبر: ۲۴۶۴۔

خیال رکھا؛ چنانچہ آپ بچوں کو سلام کرتے، ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے اور انھیں دُعائیں دیتے، (۱) اسی طرح آپ ﷺ بچوں کا بوسہ بھی لیتے، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسنؓ کا بوسہ لیا تو حضرت اقرع بن حابسؓ نے عرض کیا کہ مجھے دس بچے ہیں؛ لیکن میں نے کبھی کسی بچہ کا بوسہ نہیں لیا، تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت اقرعؓ کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا :

من لا یرحم لا یرحم ۔ (۲)

جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے، ان کے ساتھ ایک بچہ تھا، آپ ﷺ اس بچہ کو اپنے بدن مبارک سے چمٹاتے ہوئے دریافت فرمانے لگے کہ کیا تم اس بچہ پر رحم کرتے ہو؟ صحابی نے عرض کیا: ہاں، تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے مقابلہ میں بچہ پر زیادہ رحم فرماتے ہیں کہ وہ تمام رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ (۳)

اس طرح کی متعدد روایات اور واقعات ہیں، جن سے رسول اللہ ﷺ کا بچوں کے ساتھ شفقت و محبت کا خوب اظہار ہوتا ہے۔

لڑکیوں کی پرورش و پرداخت کی طرف خصوصی توجہ

زمانۂ جاہلیت میں لڑکیوں کے ساتھ جو سلوک ہوتا تھا، یقیناً وہ انتہائی انسانیت سوز تھا، اسلام نے ان مظالم کو یکسر بدل دیا، رسول اللہ ﷺ نے اس تعلق سے اللہ کی آیات کو پڑھ کر سنایا، لوگوں کی ذہنی تربیت فرمائی، لڑکیوں کے ساتھ عادلانہ سلوک کو جنت میں داخل کا باعث قرار دیا، حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

من كانت له انثى فلم يئدها ولم يهنها ولم يوثر ولده عليها — قال يعني الذكور — أدخله الله الجنة ۔ (۴)

---

(۱) ابن حبان، حدیث نمبر: ۵۱۴۵۔

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۵۹۹۷، باب من انتظر حتی تدفن۔

(۳) بخاری فی الادب المفرد، حدیث نمبر: ۳۷۷۔

(۴) مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۹۵۷۔

جس کو کوئی لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے اور نہ اسے رسوا کرے اور نہ اس پر لڑکے کو ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اسے داخل فرمائیں گے۔

نیز حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی جس کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں، اس نے کچھ مانگا، میرے پاس سوائے ایک کھجور کے کچھ نہیں تھا، تو میں نے اسے دے دیا، اس عورت نے اسے دونوں لڑکیوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا اور خود نہیں کھایا اور واپس ہوگئی، اس کے بعد آپ ﷺ تشریف لائے تو میں نے واقعہ کی اطلاع دی، آپ ﷺ نے فرمایا :

من ابتلی من هذه البنات بشيئ كن له سترا من النار ۔ (۱)
جس شخص کو بیٹیاں ہوں تو وہ اس کے لئے قیامت کے دن آگ (جہنم) سے آڑ بن جائیں گی۔

رسول اللہ ﷺ کی بے مثال تربیت کا یہ اثر ہوا کہ لڑکیاں جو کل تک زندہ درگور کی جاتی تھیں، خاندان کے لئے باعث شرم و عار سمجھی جاتی تھیں، وہی لڑکیاں رحمت سمجھی جانے لگیں، ان کے ساتھ خصوصی شفقت کا معاملہ ہونے لگا اور وہ منظر بھی سامنے آیا، جب یتیم بچی کی پرورش و پرداخت کے لئے مسابقت اور ایک دوسرے سے بڑھ کر بولی لگائی جانے لگی۔

رسول اللہ ﷺ کا بچوں کے ساتھ کھیل اور ان کی دلجوئی

بچوں کا فطری اور طبعی طور پر کھیل کی طرف میلان زیادہ ہوتا ہے، اس لئے بچے کے اس فطری میلان کو بالکلیہ ختم کرنا اور کسی کام یا تعلیم وغیرہ میں مسلسل مشغول رکھنا مناسب نہیں؛ کیوں کہ یہ جسمانی نشو و نما کے اعتبار سے بھی نقصان دہ ہے اور نفسیاتی اعتبار سے بھی، اس لئے بچوں کو کھیل کود کرنے کا مناسب موقع دینا چاہئے، رسول اللہ ﷺ بھی بچوں کے اس فطری تقاضا کی رعایت فرماتے تھے؛ چنانچہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تھوڑی کے بعد اور لوگوں کے ساتھ مجھے کھانے کے لئے بلایا گیا، راستہ میں حسینؓ دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، تو آپ بہ عجلت ہم لوگوں سے آگے بڑھے اور اپنے ہاتھوں کو پھیلایا،

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۱۴۱۸، باب من انتظر حتی تدفن۔

توحضرت حسین اِدھر اُدھر بھاگنے لگے، رسول اللہ ﷺ ان کو بھی ہنساتے رہے اور خود بھی مسکراتے رہے، یہاں تک کہ انھیں پکڑ لیا اور حضرت حسینؓ کی ٹھوڑی کو ایک ہاتھ سے اور سر اور کان کو دوسرے ہاتھ سے پکڑا، پھر بوسہ لیا، اور فرمایا: حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں، اللہ ان سے محبت کرے، جو حسین سے محبت کرے۔(۱)

عبداللہ بن حارثؓ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ، حضرت عبیداللہ اور کثیر بن عباسؓ —— جو کم عمر تھے —— کو ایک صف میں کھڑا کر دیتے، پھر (فاصلہ پر کھڑا ہونے کے بعد) فرماتے: جو میرے پاس دوڑتے ہوئے سب سے پہلے آجائے اسے فلاں اور فلاں چیز ملے گی؛ چنانچہ وہ تینوں دوڑ لگاتے، پھر آپ ﷺ کی پیٹھ اور سینہ مبارک پر آپڑتے، تو آپ ﷺ انھیں بوسہ لیتے اور چمٹا لیتے، حدیث کے الفاظ میں:

من سبق إليّ فله كذا وكذا ، قال : فيستبقون إليه فيقعون على ظهره وصدره فيقبلهم ويلتزمهم ۔ (۲)

خادم رسول حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک کام کرنے کا حکم دیا، میں نے زبان سے تو کہہ دیا کہ نہیں جاؤں گا؛ لیکن دل میں تھا کہ آپ ﷺ کے حکم کے مطابق ضرور کام انجام دوں گا؛ چنانچہ میں وہاں سے نکلا، بازار میں داخل ہوا تو دیکھا کہ کچھ بچے کھیل رہے ہیں، میں وہاں سے گذر رہا تھا کہ پیچھے سے کسی نے میرے سر کے پچھلے حصہ کو پکڑا، پلٹ کر متوجہ ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہیں اور مسکرا رہے ہیں، پھر فرمایا: اے انس! کیا تم وہاں جا رہے ہو جہاں میں نے جانے کا حکم دیا تھا؟ تو میں نے عرض کیا: ہاں! اللہ کے رسول! میں جا رہا ہوں، پھر حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے نو سال آپ ﷺ کی خدمت کی؛ لیکن اس عرصہ میں کبھی آپ ﷺ نے میرے کسی کام کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ تم نے اسے ایسا کیوں کیا، یا ایسا کیوں نہیں کیا؟(۳) —— واضح ہو کہ حضرت انسؓ کا یہ واقعہ ان کے بچپن کا ہے، اس لئے حضور کے حکم پر ان کے بہ ظاہر انکار کو بچپنے کی عادت پر محمول کیا جائے گا، نہ کہ حقیقی انکار پر۔

---

(۱) مستدرک علی الصحیحین للحاکم، حدیث نمبر: ۴۸۲۰۔

(۲) مجمع الزوائد، حدیث نمبر: ۱۵۵۳۷۔

(۳) سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۴۷۷۳۔

اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ کو سابق شوہر سے ایک چھوٹی لڑکی حضرت زینب بھی تھیں، آپ ﷺ ان کی دلجوئی کرتے ہوئے پیار سے زوینب زوینب پکارتے؛ چنانچہ انسؓ روایت کرتے ہیں :

وکان صلی اللہ علیه وسلم یلاعب زینب بنت اُم سلمة
ویقول : یا زوینب یا زوینب مراراً ۔ (۱)

بچہ کی دلجوئی کی متعدد مثالیں حیاتِ نبی ﷺ میں ملتی ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ جب حضرت انسؓ کے بھائی ابوعمیرؓ جوکم عمر تھے، حضور ﷺ ان کے پاس آتے، ایک مرتبہ حسبِ معمول آپ ﷺ ابوعمیر کے پاس آئے تو ان کے ساتھ پرندہ نہیں تھا، تو آپ ﷺ نے دلجوئی کرتے ہوئے فرمایا: ''یا ابا عمیر ما فعل النغیر'' (اے ابوعمیر! نُغیر (چھوٹا پرندہ) کو کیا ہوگیا، نُغیر ایک چھوٹا پرندہ ہوتا ہے ابوعمیر اس سے کھیلتے تھے۔ (۲)

ان واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ بچوں کی نفسیات اور ان کے فطری تقاضوں کی کس قدر رعایت فرمایا کرتے تھے۔

اولاد کے درمیان عدل وانصاف

ماں باپ پر اولاد کے درمیان عدل ضروری ہے، کسی ایک بچہ کی جانبداری اور دوسرے سے پہلوتہی یا ایک کو زیادہ حق دینا اور ایک کو کم دینا انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے، یہ ظلم ہونے کے ساتھ ساتھ مظلوم بچہ کی نفسیات پر بھی اثر انداز ہوتا ہے، وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوجاتا ہے، اور ایسے بہت سے بچے باشعور ہونے کے بعد ماں باپ سے دُور رہنے کی کوشش کرتے ہیں اور ماں باپ کی نافرمانی کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے ہیں، اس لئے اولاد کے درمیان بھی عدل کا دامن نہیں چھوٹنا چاہئے، حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے ایک چیز دی تو حضرت عمرةؓ بنت رواحہ نے میرے والد سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو جب تک اس پر گواہ نہ بنالو میں مطمئن نہیں ہوسکتی؛ چنانچہ والد حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: میں نے اپنے بیٹے جو عمرہ بنت رواحہ کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں کو ایک چیز ہدیہ کے طور پر دی ہے، عمرہ نے مجھے آپ کو گواہ بنانے کہا ہے، آپ ﷺ نے

---

(۱) الجامع الصغیر، حدیث نمبر: ۵۰۲۵۔

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۶۲۰۳، کتاب الادب۔

دریافت فرمایا کہ کیا تم نے اسی جیسی چیز دوسری اولاد کو بھی دی ہے، انھوں نے کہا: نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو، اولاد کے درمیان عدل سے کام لو؛ چنانچہ والد لوٹے اور مجھے ہدیہ کی ہوئی چیز واپس لے لی۔(۱)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اس درمیان ان کا ایک لڑکا آیا، تو اسے بوسہ دیا اور اپنی گود میں بیٹھا لیا، پھر اس کی لڑکی آئی تو اسے پکڑ کر پہلو کی طرف بیٹھا دیا، نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: تم نے دونوں کے درمیان انصاف نہیں کیا۔(۲)

اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کس قدر چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اولاد کے درمیان عدل کا حکم دیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اگر اس طرح اولاد کے درمیان عدل کو برتا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اولاد ماں باپ کی نافرمانی کرے۔

بچوں کی تربیت

ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت کی طرف توجہ دیں؛ اس لئے کہ ماں باپ ہی بچوں کے نگراں، ولی اور ذمہ دار ہوتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما نحل والد ولداً من نحل أفضل من ادب حسن ۔ (۳)

کوئی باپ بچہ کو اچھی تربیت سے بہتر کوئی اور تحفہ نہیں دے سکتا۔

عن جابر بن سمرة رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : لأن یؤدب الرجل ولده خیرا من أن یتصدق بصاع ۔ (۴)

جابر بن سمرہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص اپنی اولاد کو ادب سکھلائے یہ ایک صاع صدقہ کرنے سے افضل ہے۔

---

(۱) بخاری، کتاب الھبۃ، حدیث نمبر: ۲۵۸۷۔

(۲) تحفۃ المودود باحکام المولود: ۱۷۹۔

(۳) ترمذی، حدیث نمبر: ۲۰۱۸۔

(۴) ترمذی، حدیث نمبر: ۲۰۱۷۔

عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : من عال ثلاث بنات فأدبهن وزوجهن وأحسن إلیهن فله الجنة ۔ (۱)

ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے تین لڑکیوں کی اس طرح پرورش و پرداخت کی کہ انھیں ادب سکھلایا، ان کی شادی کرادی اوران کے ساتھ بہتر سلوک کیا تو ایسے شخص کے لئے جنت ہے۔

عن انس بن مالک رضی الله عنه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال : أکرموا أولادکم وأحسنوا أدبهم ۔ (۲)

انس بن مالکؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنی اولاد کا اکرام کرواورانھیں بہتر ادب سکھلاؤ۔

اس طرح متعدد احادیث ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے واضح پیغام دیا کہ بچوں کی تربیت سے پہلوتہی برتنا انتہائی نامناسب بات ہے، بچوں کو عظیم تحفہ جو ایک باپ دے سکتا ہے، وہ بہتر تعلیم و تربیت ہے۔

عبادت کی تربیت

یوں تو تربیت کا دائرہ بہت وسیع ہے، اس کی مختلف جہتیں ہیں، ان میں ایک دینی اُمور کی تربیت بھی ہے، اس سلسلہ میں بھی رسول اللہ ﷺ نے صاف صاف ہدایات دی ہیں؛ چنانچہ نماز کے تعلق سے فرمایا :

عن سبرة قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : علموا الصبی الصلاة ابن سبع سنین واضربوه علیها ابن عشرة ۔ (۳)

---

(۱) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۵۱۴۷۔

(۲) ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۳۶۷۱۔

(۳) ترمذی، باب متی یؤمر الصبی بالصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۰۵۔

حضرت سبرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بچہ کو نماز سکھلاؤ جب وہ سات سال کا ہوجائے اور (نماز نہ پڑھنے پر ہلکی مار) مارو جب کہ وہ دس سال کا ہوجائے۔

عن ابی الحوراء قال : قلت للحسن بن علی : ما حفظت من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال : الصلوات الخمس ۔ (۱)

حسن بن علیؓ سے دریافت کیا کہ آپ نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے کیا یاد کیا، تو فرمایا: پانچوں نمازیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کو روحاء نامی مقام پہ ایک قافلہ والے ملے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کون لوگ ہیں؟ کہا گیا کہ مسلمان ہیں، تو ان لوگوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا رسول ہوں، ایک خاتون نے بچہ پیش کرتے ہوئے پوچھا: کہ کیا اس بچہ کا حج ہوگا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں، اور تمہیں اجر ملے گا، (۲) امام نوویؒ نے اس کی شرح کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ بچہ کے حج کے تعلق سے یہ استفسار اور آپ ﷺ کا جواب تربیت وتمرین کے طور پر ہے؛ تاکہ بچہ کو ابھی سے عادت پڑے اور بالغ ہونے کے بعد حج کا فریضہ ادا کرے۔

بچوں کی دینی تعلیم

یوں تو رسول اللہ ﷺ نے ہر نفع بخش علم کی دُعا مانگی ہے، اور اُمت کو اس کی تلقین بھی فرمائی ہے، تاہم آپ نے دینی علوم خصوصاً ایمانیات اور قرآن کریم کی تعلیم دینے کی طرف خصوصی توجہ فرمائی؛ چنانچہ حضرت جندب بن عبداللہؓ فرماتے ہیں :

کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونحن فتیان حذاورۃ فتعلمنا الایمان قبل ان نتعلم القرآن ثم تعلمنا القرآن فازددناہ إیمانا ۔ (۳)

(۱) مجمع الزوائد، حدیث نمبر: ۲۹۵۔

(۲) مسلم، باب صحۃ حج الصبی وأجر من حج بہ۔

(۳) ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۶۱۔

ہم چند مضبوط نوعمر رفقاء نبی ﷺ کے ساتھ تھے، ہم نے (نبی علیہ السلام سے) قرآن سیکھنے سے پہلے ایمان کو سیکھا، پھر قرآن سیکھا، تو اس سے ایمان میں اور اضافہ ہو گیا۔

عن ابن عباس رضی الله عنهما قال : ضمنی رسول الله صلی الله علیه وسلم وقال : اللهم علمه الکتاب ۔ (۱)

ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اپنے جسد اطہر سے چمٹاتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! اسے قرآن سکھادے۔

قال ابن عباس رضی الله عنهما : توفی رسول الله صلی الله علیه وسلم وأنا ابن عشر سنین وقد قرأت المحکم ۔ (۲)

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت میں دس سال کا تھا اور اس وقت میں محکم (لمبی سورتیں) پڑھ چکا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اُمت کو ہدایت دی کہ وہ اپنے بچوں کی دینی تعلیم کے تعلق سے ہرگز ہرگز بے فکر نہ ہوں، اس لئے کہ ایک مومن کے لئے دینی علوم سے بڑھ کر اور کوئی علم نہیں ہوسکتا۔

بچوں کی اخلاقی تربیت

بچوں کی تربیت کا ایک پہلو وہ ہے جس کا تعلق اخلاق سے ہے، یعنی سرپرستوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اخلاقی اقدار سے آراستہ کریں، بُرے اخلاق سے بچنے اور اچھے اخلاق کو زندگی میں لانے کی تربیت دیں، اخلاق رذیلہ میں ایک جھوٹ بھی ہے، اگر کوئی بچہ کو آواز دے اور کہے کہ آؤ آؤ تم کو ایک چیز دوں گا، جب بچہ آجائے اور اسے کچھ نہ دیا جائے تو رسول اللہ ﷺ نے اسے بھی جھوٹ قرار دیا، حدیث کے الفاظ ہیں :

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : من قال لصبی تعال هاک ، ثم لم یعطه فهی کذبة ۔ (۳)

(۱) بخاری، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۷۵۔

(۲) بخاری، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۵۰۳۵۔

(۳) مسند احمد، عن ابی ہریرۃ، حدیث نمبر: ۹۸۳۶۔

کچھ دینے کا وعدہ کر کے نہ دینا جھوٹ تو ہے ہی ، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی اشارہ ہے کہ بچوں کے ساتھ ایسا کر کے اسے جھوٹ سے مانوس کرنا لازم آئے گا اور اس کے اخلاق بگڑیں گے —— اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ بچہ سے ایسا وعدہ نہ کیا جائے جسے پورا نہ کرنا ہو: ''الا لا یعد الرجل صبیہ ثم لا یفی لہ''۔(۱)

ایک مرتبہ حضرت حسن بن علیؓ نے صدقہ کی کھجور اُٹھا کر منھ میں رکھ لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کخ کخ'' تا کہ وہ منھ سے نکال دیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا :

أما شعرت أنا لا ناکل الصدقۃ ۔ (۲)

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے ہیں!

اس طرح کے اور بھی اقوال و واقعات ہیں، جن میں رسول اللہ ﷺ نے اخلاقی تربیت کے اعتبار سے خصوصی توجہ فرمائی ہے، اس لئے والدین اور سرپرستوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کی اخلاقی تربیت سے غافل نہ ہوں۔

کھانا کھانے کی تربیت

رسول اللہ ﷺ نے اخلاقی تربیت دیتے ہوئے چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی نظر انداز نہیں فرمایا، یہاں تک کہ کھانا کھانے میں بھی اسے ملحوظ رکھا؛ چنانچہ حضرت عمرو بن ابی سلمہؓ فرماتے ہیں :

کنت غلاماً فی حجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت یدی تطیش فی الصحفۃ ، فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : یا غلام سم اللہ وکل بیمینک وکل مما یلیک ، فما زالت تلک طعمتی بعد ۔ (۳)

میں رسول اللہ ﷺ کی آغوش پرورش میں تھا (ایک مرتبہ حضور ﷺ کے ساتھ کھاتے ہوئے) میں ہاتھ کو پلیٹ کے مختلف حصوں کی طرف لے

---

(۱) ابن ماجہ، حدیث نمبر:۴۶۔

(۲) بخاری، حدیث نمبر:۱۴۹۱۔

(۳) بخاری، کتاب الاطعمۃ، حدیث نمبر:۵۳۷۷۔

جار ہا تھا تو آپ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا: اے لڑکے! اللہ کا نام لے، دائیں ہاتھ سے کھانا کھا اور سامنے کے حصہ سے کھا (چنانچہ حضرت عمرو فرماتے ہیں) اس کے بعد میرے کھانے کا طریقہ ہمیشہ اسی طرح رہا۔

بچوں کی جان کا تحفظ

اسلام کی نگاہ میں ہر انسان بہ حیثیت انسان مکرم ہے، ناحق کسی انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے، اس لئے اسلام نے انسانی جان کے تحفظ کے تعلق سے خصوصی ہدایات دی اور قتل انسانی کے ناحق مختلف راستوں کی نشاندہی کرتے ہوئے انھیں حرام اور گناہ کبیرہ قرار دیا، اسی لئے چھوٹی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیئے جانے کی سخت مذمت کی اور اس ظالمانہ رسم کو ختم کیا، قتل جنین (زیر حمل بچہ) کے قتل کو ایک مکمل انسان کے قتل کے مترادف قرار دیا، اسی قبیل سے اسلام کا وہ حکم بھی ہے جو آداب جنگ سے متعلق ہے کہ بے قصور لوگوں کو نہ مارا جائے، ان کا خون نہ بہایا جائے؛ لہٰذا بچوں کو بھی نہ مارا جائے، رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے سلسلہ میں ہدایت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا :

... لا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا وليدا ، فهذا عهد الله وسيرة نبيه صلى الله عليه وسلم ۔ (١)

...... حد سے تجاوز نہ کرو، دھوکہ نہ دو، لاشوں کا مثلہ نہ کرو، کسی بچہ کو قتل نہ کرو، کہ یہ اللہ کا قانون اور ان کے نبی ﷺ کی سیرت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت، دلجوئی، ظلم و زیادتی سے حفاظت کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں ہمیں کامل رہنمائی ملتی ہے۔

● ● ●

(١) مستدرک حاکم، حدیث نمبر: ٨٦٢٣۔

سلسلۂ رسائل سیرت
۳

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اور خواتین کے ساتھ حسن سلوک

مولانا محمد اعظم ندوی

ناشر
المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

پیش لفظ

قرآن مجید نے اپنے لانے والے کی جو تصویر پیش کی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں، نہ آپ کی رحمت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے، نہ عربوں کے ساتھ، نہ کسی خاص رنگ و نسل کے لوگوں کے ساتھ؛ یہاں تک کہ آپ کی رحمت وشفقت بنی نوع انسان تک بھی محدود نہیں ہے؛ بلکہ آپ ﷺ نے دوسری مخلوقات کے ساتھ بھی رحم وکرم کی تعلیم دی ہے؛ مگر افسوس کہ غیر مسلم بھائی سیرت محمدی کے اس پہلو سے واقف نہیں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ صرف مسلمانوں کے پیغمبر اور محسن ہیں، مغربی مصنفین اگر بہت مہربان ہوں تو زیادہ سے زیادہ آپ ﷺ کو عربوں کا نبی قرار دیتے ہیں۔

اسی پس منظر میں سہ روزہ بین الاقوامی سیرت نبوی سیمینار — جو ۱۲-۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق: ۲۱-۲۳؍ فروری ۲۰۱۶ء کو المعهد العالي الاسلامي حیدرآباد میں منعقد ہو رہا ہے — کی مناسبت سے ۱۶؍ رسائل کی ترتیب کا منصوبہ بنایا گیا، جس میں رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر رحمۃ للعالمینی کو پیش کیا جائے اور برادرانِ وطن کے درمیان آپ ﷺ کا صحیح تعارف کرایا جائے، کوشش کی گئی ہے کہ یہ رسائل مختصر ہوں، زبان آسان ہو اور ہر بات معتبر حوالہ سے کہی جائے، انشاء اللہ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ تک کوشش کی جائے گی کہ انگریزی اور ہندوستان کی تمام علاقائی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو جائے اور اسے بڑی تعداد میں برادرانِ وطن تک پہنچایا جائے۔

اسی سلسلہ کا ایک حصہ یہ رسالہ "محسن انسانیت ﷺ اور خواتین کے ساتھ حسن سلوک" ہے، جس کو جناب مولانا محمد اعظم ندوی (استاذ: المعهد العالي الاسلامي حیدرآباد) نے مرتب کیا ہے — فجزاه الله خير الجزاء — دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اس کے مقصد کے اعتبار سے مفید بنائے اور رسول اللہ ﷺ کے تعارف کی جو ذمہ داری اس اُمت پر ہے، اس کا کوئی حصہ اس کوشش کے ذریعہ ادا ہو سکے، ربنا تقبل منا إنک أنت السميع العليم۔

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم: المعهد العالي الاسلامي حیدرآباد)

۱۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
۲۱؍ فروری ۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت محمد مصطفی ﷺ نے انسانیت کے ہر طبقہ کے ساتھ حسن سلوک کا درس دیا اور عملی طور پر اس کو برت کر دکھایا، نہ صرف انسانوں کے ساتھ؛ بلکہ ہر جاندار کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا اور سکھایا، عام اشیاء کے لین دین میں بھی آپ کی نرم روی اور لطف وکرم کا اثر صاف ظاہر ہوتا تھا، معاشرہ میں جن طبقات کو کمزور سمجھا جاتا تھا، ان کی مزید رعایت کی، اور اسی کی تاکید اپنی امت کو بھی فرماتے رہے، انھیں میں ایک عورت بھی ہے جس کے بارے میں دنیا کی مختلف قوموں اور تہذیبوں میں جو غیر انسانی تصور اور اسی اعتبار سے سلوک پایا جاتا تھا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، خاص طور سے اسلام کا سورج جس ماحول میں طلوع ہوا اس میں عورت اپنے ہر روپ میں مظلوم اور بے سہارا تھی، اس کا دنیا میں آنا منحوس سمجھا جاتا تھا۔

اس لئے اسے زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، اس کے لئے زمین کے اوپر جگہ نہ تھی بلکہ زمین کے نیچے، اور اگر کسی رحم دل کی نظر رحمت اسے بچالے جانے میں کامیاب ہوجاتی تھی تو بھی وہ ایک عام سامان کی حیثیت رکھتی تھی انسان کی نہیں، یہی وجہ تھی کہ اسے وراثت میں تقسیم کر دیا جاتا تھا، ایسے حالات میں حضور اکرم ﷺ نے جو وسیع تر اصلاحات کا فریضہ انجام دیا، اس میں ایک انقلابی قدم یہ بھی تھا کہ آپ نے عورت کو اس کا جائز مقام دلایا اور اس کی مختلف حیثیتوں میں اس کے حقوق بیان فرمائے، جس کا دوست و دشمن سب کو اعتراف ہے، اس مختصر رسالہ میں ہم حضور اکرم ﷺ کے عورتوں پر جو بے انتہا احسانات ہیں ان کے کچھ نمونے پیش کرتے ہیں، کوشش ہوگی کہ زیادہ تر مثالیں آپ ﷺ کی عملی زندگی سے دی جائیں تاکہ یہ حقیقت واضح ہو سکے کہ محسن انسانیت ﷺ نے انسانیت کو جو تعلیمات دیں وہ خود ان کی پاکیزہ زندگی میں کس طرح رچ بس گئی تھیں، اور آپ کیوں کر عورت کو سماج کا ایک باعزت اور ناگزیر عنصر ثابت کرنے میں کامیاب ہوئے، ہم اس کو عورت کی مختلف خاندانی حیثیتوں سے ذکر کریں گے، پھر عمومی تذکرہ۔

ماں کے ساتھ حسن سلوک

حضور اکرم ﷺ نے اولاد کو ماں باپ دونوں کی خدمت واطاعت کا حکم دیا؛ لیکن چوں کہ ماں فطری طور پر باپ کے مقابلہ میں کمزور اور حساس ہوتی ہے، پھر اس کے احسانات

اورقربانیاں بھی باپ کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں؛ اس لئے آپ نے ماں کا حق زیادہ بتایا اور ماں کے ساتھ حسن سلوک کی خصوصی ترغیب دی: آپ ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ! میرے نیک سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیری ماں'' اس نے پوچھا: پھرکون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیری ماں'' اس نے پوچھا: پھرکون؟ ارشادفرمایا: ''تیری ماں'' اس نے کہا: پھرکون؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیراباپ''۔(۱)

خودحضور ﷺ کی زندگی میں ماں کے ساتھ حسن سلوک کے نمونے تلاش کئے جائیں تو چوں کہ آپ کی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب کی وفات تو اسی وقت ہوچکی تھی جب آپ چھ سال کے تھے اس لئے حسن سلوک کا کوئی واقعہ تو نہیں مل سکتا؛ لیکن آپ ﷺ ان کو یاد کر کے آبدیدہ ہوجاتے تھے، جب ان کی قبر مبارک سے گذر ہوا تو خود بھی رو پڑے اور صحابہ کو بھی اشکبار کردیا؛ البتہ آپ نے اپنی رضاعی ماؤں کے ساتھ جو برتاؤ کیا، ان میں سے چند شہادتیں حدیث وسیرت کی کتابوں میں ملتی ہیں، حضرت ابوالفضل کہتے ہیں: میں نے جعرانہ کے مقام پر حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ گوشت تقسیم فرمارہے ہیں، اتنے میں ایک عورت آئیں اور آپ کے بالکل قریب پہنچ گئیں، آپ نے ان کے لئے اپنی چادر بچھادی، وہ اس پر بیٹھ گئیں، میں نے لوگوں سے پوچھا: یہ کون صاحبہ ہیں؟ لوگوں نے بتایا یہ حضور ﷺ کی وہ ماں ہیں جنھوں نے آپ کو دودھ پلایا تھا، (۲) شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ آپ کی وہ رضاعی ماں جن کا یہاں ذکر ہے ابن ذؤیب کی بیٹی حلیمہ سعدیہ تھیں۔

آپ ﷺ کی ایک دوسری رضاعی ماں اور آپ کی پرورش و پرداخت میں نمایاں حصہ لینے والی خاتون اُم ایمنؓ برکہ بنت ثعلبہ تھیں، وہ اصلاً آپ کی والدہ حضرت آمنہ کی کنیز تھیں، آپ ﷺ نے خود ان کو آزاد فرمایا تھا اور حضرت عبید بن زید سے شادی کرادی تھی اور آپ ان کو محبت میں ''یا أمه'' (اماں جان) کہہ کر پکارتے تھے، آپ نے یہاں تک فرمایا کہ: ''أم ایمن أمي بعد أمي'' (میری ماں کے بعد یہی میری ماں ہیں) کبھی فرمایا: ''هذه بقية أهل بيتي'' (یہ میرے اہل بیت

(۱) الأدب المفرد: باب برالأم، حدیث نمبر: ۳۔

(۲) ابوداؤد: باب فی برالوالدین، حدیث نمبر: ۵۱۴۴۔

میں سے باقی بچ گئی ہیں)(۱) ایک بار انھوں نے آپ ﷺ کو پانی پیتے ہوئے دیکھ کر کہا: مجھے بھی پانی پلا دیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کیا تم محمد ﷺ کو ایسا کہہ رہی ہو، حضرت اُم ایمنؓ نے کہا: تم نے مجھ سے زیادہ حضرت محمد ﷺ کی خدمت نہیں کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اُم ایمن درست کہتی ہیں، اور آپ نے انھیں پانی پلایا، (۲) جب ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا تو آپ نے فرمایا: ''جسے یہ بات پسند ہو کہ کسی جنتی عورت سے نکاح کرے وہ اُم ایمن سے نکاح کرلے'' (۳) چنانچہ ان سے آپ کے چہیتے صحابی حضرت زید بن حارثہؓ نے نکاح کیا اور ان ہی کے بطن سے حضرت اسامہ بن زیدؓ کی پیدائش ہوئی، آپ کی اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ جب آپ کی وفات ہوئی تو حضرت اُم ایمن حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے سامنے روتی ہوئی آئیں، انھوں نے پوچھا: آخر کو نسی چیز ہے جو آپ کو رُلاتی ہے؟ انھوں نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ آپ ﷺ ایک بہتر حالت میں چلے گئے؛ لیکن میں اس لئے رو رہی ہوں کہ اب آسمان وزمین کے رابطے منقطع ہو گئے۔ (۴)

حضرت ابوطالب کی بیوی اور حضرت علیؓ کی والدہ فاطمہؓ بنت اسد نے بھی حضور کی پرورش میں بڑا کردار ادا کیا تھا، آپ ان کا بھی حد درجہ احترام فرماتے تھے، ایک روایت کے مطابق ان کے کفن کے لئے آپ ﷺ نے اپنی قمیص مبارک عطا فرمائی تھی۔ (۵)

بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت

حسن معاشرت سے مراد باہم بہتر سے بہتر طریقہ پر زندگی گذارنا ہے، بیوی پر شوہر کے ساتھ حسن سلوک اور اس کا احترام لازمی ہے، اسی طرح شوہر کے لئے بھی بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اس کی دلجوئی ضروری ہے، قرآن مجید میں ہے :

> اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں؛ تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی، یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں۔ (الروم:۲۱)

---

(۱) الاصابہ، باب فیمن عرف بالکنیۃ من النساء، حرف الالف، القسم الاول: ۳۵۹/۸۔

(۲) اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ: ۵۶۷/۵۔ (۳) طبقات ابن سعد: ۱۶۲/۸۔

(۴) مسلم: کتاب المناقب، باب من فضائل اُم ایمن، حدیث نمبر: ۲۴۵۴۔

(۵) سیر اعلام النبلاء: ۱۱۸/۲۔

ظاہر ہے سکون واطمینان اور مودت واُلفت کا حصول ایک دوسرے کے احترام اور بہتر برتاؤ کے بغیر ممکن نہیں، شوہر کو چوں کہ ’’قوامیت‘‘ اور برتری حاصل ہے، اس لئے اس بات کا اندیشہ تھا کہ وہ بیوی کو اپنی قوت وانانیت کے زور پر اپنے حسن سلوک سے محروم رکھتا؟ اس لئے اس کو زیادہ اس کی تاکید کی گئی، فرمایا گیا :

اوران کے ساتھ اچھی طرح گذر بسر کرو، اگر وہ تم کو نہیں بھاتی ہیں تو ہوسکتا ہے تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ نے اس میں بہت سی خوبیاں رکھی ہوں۔ (النساء:١٩)

آپ ﷺ نے عورتوں کو شیشوں سے تشبیہ دی؛ تاکہ ہر معاملہ میں ان کی فطری کمزوری اور نزاکت کا خیال رکھا جائے، انجشہ نامی حضور ﷺ کے ایک حبشی غلام تھے، ان کا کام حدی خوانی کا تھا، یعنی قافلہ کے اونٹوں کو تیز چلانے کے لئے وہ کچھ گاتے ہوئے چلتے تھے؛ لیکن عورتوں کو اونٹوں کی تیز رفتاری سے تکلیف ہوسکتی تھی اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا :

یا أنجشة رویدک سوقا بالقواریر۔ (١)

اے انجشہ! آبگینوں کو آہستہ لے کر چلو۔

آپ ﷺ کی ایک دُعاء کے الفاظ یہ ہیں :

اللهم إني أحرّج حق الضعيفين اليتيم والمرأة۔ (٢)

میں ایسے شخص کو گناہ گار سمجھتا ہوں اور اس کو روکتا ہوں جو دو کمزوروں یتیم اور عورت کے حق کو ضائع کرتا ہے۔

قرآن وحدیث میں بار بار خوشگوار ازدواجی زندگی گذارنے کا حکم دیا گیا ہے، خوشگوار ازدواجی زندگی کا تقاضہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ایک خفا ہوجائے تو دوسرا اس کو منانے کی کوشش کرے، حضرت عائشہؓ عام حالات میں ’’وربِّ محمدؐ‘‘ (محمد کے رب کی قسم) کہنے کی عادی تھیں، کسی وجہ سے ناراض ہوجاتیں تو ’’وربِّ ابراہیم‘‘ (ابراہیم کے رب کی قسم) کہہ دیا کرتی تھیں، حضور ﷺ نے اس فرق کو محسوس کرلیا، اور فرمایا :

---

(١) بخاری: کتاب الادب، باب ماجاء في قول الرجل ویلک، حدیث نمبر: ٦١٦١۔

(٢) مسند احمد: ٩٦٦٦۔

إني لأعلم إذا كنت عني راضية ، و إذا كنت علي غضبى ۔ (۱)

میں جانتا ہوں تم کب مجھ سے خوش ہو، اور کب ناراض ہو۔

حضرت عائشہؓ نے اس کا اعتراف کیا، اور فرمایا :

أجل يارسول الله ! لا أهجر إلا إسمک ۔

جی ہاں، بخدا رسول خدا! میں صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں۔

اس واقعہ سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ بہ ہمہ کار نبوت از دواجی زندگی کو کس قدر خوشگوار رکھتے تھے، اور لاکھ مصیبت وغم کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں، باہر کے مسائل کو بہت کم گھر میں چھیڑتے تھے، ہاں جب مناسب موقع ہوتا تو بسا اوقات ذکر بھی کرتے، اور مناسب مشورہ سے فائدہ بھی اُٹھاتے، آغاز نبوت میں حضرت خدیجہؓ نے آپ کو دلاسا دیا، (۲) صلح حدیبیہ کے بعد جب آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے جانثاران کو عمرہ سے روکا گیا، اور آپ نے آئندہ سال آ کر عمرہ قضاء کرنے کی کافروں کی شرط منظور کی، تو صحابہ بال مونڈوانے اور قربانی کر کے احرام کھولنے کو تیار نہ تھے، ان کو اس سے ایسا صدمہ پہنچا تھا کہ ان پر سکتہ طاری تھا، اس موقع سے حضرت اُم سلمہؓ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے آپ نے ان اعمال میں پہل کی، چار و ناچار صحابہ نے نبی کے عمل کی پیروی کی، اور مسئلہ حل ہوا، (۳) اور جب ان کے مشورہ پر عمل کرنا دینی مصلحت کے خلاف ہوتا تو یا تو آپ خود منع فرما دیتے، جیسا کہ اس وقت ہوا جب آپ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نماز کی امامت کے لئے آگے بڑھانا چاہا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ''میرے والد بڑے رقیق القلب ہیں، نماز میں ان پر گریہ طاری ہوجائے گا، تو آپ نے فرمایا :

إنكن لأنتن صواحب يوسف ۔ (۴)

تم لوگ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے قصہ والی عورتیں معلوم ہوتی ہو۔

یا ایسا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی ممانعت آ جاتی جیسا کہ وہ واقعہ جس کے بعد سورۂ تحریم نازل ہوئی، اور اس میں حضور ﷺ سے فرمایا گیا :

---

(۱) بخاری: باب غیرۃ النساء ووجدهن، حدیث نمبر: ۵۲۲۸۔ (۲) بخاری: باب بدء الوحی، حدیث نمبر: ۳۔

(۳) بخاری: باب الشروط فی الجہاد، حدیث نمبر: ۲۷۳۱۔ (۴) بخاری: باب ما یکرہ من التعمق، حدیث نمبر: ۷۳۰۳۔

اے نبی! آپ کیوں اس چیز کو حرام کرتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لئے حلال کی ہے، کیا آپ اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہیں۔ (التحریم:۱)

خاص طور سے خانگی اُمور میں عورتوں سے مشورہ لینے کو آپ پسند فرمایا کرتے تھے، حضرت ابن عمرؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں :

آمروا النساء في بناتهن ۔ (۱)

عورتوں سے ان کی بیٹیوں کے سلسلہ میں مشورہ کرلو۔

امام بخاریؒ نے حدیث ام زرع ''**باب حسن المعاشرة مع الأهل**'' (اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا باب) کے تحت ذکر کی ہے جس میں حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی زمانہ کی گیارہ بیگمات کا ایک دلچسپ واقعہ سنایا ہے، جو یہ طے کر کے بیٹھی تھیں کہ ہم اپنے شوہروں کی ہر قسم کی خوبیوں اور خامیوں کا ذکر کریں گے، اور کچھ بھی نہیں چھپائیں گے، اور انھوں نے ایسا ہی کیا، اسی واقعہ میں یہ بھی ہے کہ ایک خاتون اُم زرع نے اپنے شوہر ابوزرع کی خوب تعریف بیان کی تھی، جس کو سننے کے بعد آپ نے اپنے اور اُم المومنین حضرت عائشہؓ کے آپسی تعلق کے بارے میں ان کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ :

کنت لک کأبي زرع لأم زرع ۔ (۲)

میں بھی حسن سلوک میں تمہارے لئے ویسے ہی ہوں جیسے ابوزرع اُم زرع کے لئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تک فرمایا :

خیرکم خیرکم لأهله ، و أنا خیرکم لأهلي ۔ (۳)

تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہو، اور میں اپنے گھر والوں کے لئے سب سے بہتر ہوں۔

خوبیوں پر نظر رکھتے ہوئے خامیوں کو نظر انداز کرنا چاہئے، حضور کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

لا یفرک مؤمن مؤمنة إن کره منها خلقا رضی منها آخر ۔ (۴)

---

(۱) ابوداود: کتاب النکاح، باب فی الاستئمار، حدیث نمبر: ۲۰۹۵۔ (۲) بخاری، حدیث نمبر: ۵۱۸۹۔
(۳) ترمذی، باب فضل ازواج النبی، حدیث نمبر: ۴۲۶۹۔ (۴) مسند احمد: ۸۳۶۳۔

کوئی مومن مرد کسی مومن عورت کو ناپسند نہ کرے، اگر اس کی ایک
عادت نہ پسند ہو تو دوسری پسند بھی ہوگی۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو ''یاعائش'' کہہ کر بھی پکارا ہے، (۱) اس کے علاوہ بھی دیگر محبت بھرے ناموں سے آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کو مخاطب فرمایا ہے، اسی طرح کچھ طلب کرنے میں تحقیر آمیز انداز نہ ہو؛ بلکہ ایسا انداز ہو جس میں محبت کی تراوش ہو، اور اس میں دل کو موہ لینے کی صلاحیت ہو، حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے مسجد سے خمرہ (چٹائی) مانگی، انھوں نے کہا: میں حالت حیض میں ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا :

إن حیضتک لیست في یدک ۔(۲)
تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں۔

حضرت عائشہؓ کا اپنی حالت کے بارے میں کھل کر بتا دینا انتہائی بے تکلفی کی دلیل ہے؛ جب کہ حضور ﷺ کا اس طرح جواب دینا بھی بے پناہ لطف ومحبت کی طرف اشارہ کرتا ہے، ورنہ آپ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ اس حالت میں مسجد میں ہاتھ بڑھا کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔

اُم المومنین حضرت عائشہؓ ہی کا بیان ہے: ''میں حالت حیض میں ہڈی منہ میں لیتی (کہ اس پر لگا ہوا گوشت کھاؤں) تو آپ ہڈی پہ اسی جگہ اپنا دہن مبارک رکھتے جہاں سے میں نے کھایا تھا، میں اسی حال میں کسی برتن سے پانی پیتی تو آپ اپنا دہن مبارک وہیں پہ رکھ کر پانی پیتے جہاں سے میں نے پیا ہوتا''۔(۳)

حسن معاشرت کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ نے میاں بیوی کو عبادت اور دینی کاموں میں بھی ایک دوسری کی مدد کرنے کی تعلیم دی اور اس کی ترغیب فرمائی، حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس مرد پر رحم فرمائے جو رات میں اُٹھ کر نماز پڑھتا ہو اور اپنی بیوی کو بھی اُٹھاتا ہو، وہ بھی نماز پڑھتی ہو، اور اگر وہ اُٹھنے سے انکار کرتی ہو تو اس کے چہرہ پر پانی کی چھینٹیں مارتا ہو، اور اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحم فرمائے جو رات میں اُٹھ کر نماز پڑھتی ہو اور اپنے شوہر کو بھی اُٹھاتی ہو، وہ بھی نماز

---

(۱) الادب المفرد، باب من دعا صاحبه فیختصر او ینقص من اسمه شیئا، حدیث نمبر: ۸۲۷۔
(۲) ترمذی، باب ماجاء في الحائض تتناول الشئ من المسجد، حدیث نمبر: ۱۳۴۔
(۳) ابن ماجہ، باب ماجاء في مؤاكلة الحائض وسؤرها، حدیث نمبر: ۶۴۳۔

پڑھتا ہو، اور اگر وہ اُٹھنے سے انکار کرتا ہو تو اس کے چہرہ پر پانی کی چھینٹیں مارتی ہو، (١) آپ خود بھی اس کا اہتمام فرمایا کرتے تھے، آپ ﷺ نے ایک مرتبہ رات کی عبادت میں شریک کرنے کے لئے امت کی ماؤں ازواج مطہرات کو اس طرح آواز دی :

أيقظوا صواحب الحجر ۔ (٢)

کون ہے جو حجروں میں آرام کرنے والی اُمہات المومنین کو جگائے۔

ایک مرتبہ حضرت اُم سلیم نے آپ ﷺ کے لئے کھجوروں کا ایک تھال بھیجا، آپ کھڑے ہوئے اور تھال سے کھجوروں کی ایک ایک مٹھی بھر کر تمام ازواج مطہرات کو بھجوائیں، جب سب گھروں میں پہنچ گئیں تب آپ بیٹھے اور باقی ماندہ کھجوریں تناول فرمائیں، آپ کے کھانے کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو خود بھی بھوک لگی ہوئی تھی۔ (٣)

ایک غزوہ میں حضرت عائشہؓ رفیق سفر تھیں، تمام صحابہ کرام کو آپ نے آگے بڑھ جانے کا حکم دیا، اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا: آؤ دوڑیں، دیکھیں کون آگے نکلتا ہے، یہ دبلی پتلی تھیں، آگے نکل گئیں، کئی سال کے بعد اسی قسم کا ایک اور موقع آیا، حضرت عائشہ کہتی ہیں: اب میرا جسم ذرا بھاری ہو چکا تھا، اب کی بار آپ ﷺ آگے نکل گئے، فرمایا: عائشہ یہ اس دن کا جواب ہے۔ (٤)

اسی طرح ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنے حجرے کے دروازہ پہ کھڑے ہو کر حضرت عائشہؓ کے لئے چادر سے پردہ کیا، اور انھوں نے حبشی نیزے کے کرتب دیکھے، آپ ﷺ اس وقت تک کھڑے رہے جب تک کہ وہ خود پیچھے نہیں ہٹ گئیں۔ (٥)

ایک مرتبہ جب حضرت عائشہؓ نے آپ کے سامنے حضرت صفیہؓ کے پستہ قد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کی برائی بیان کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے ایسا برا کلمہ استعمال کیا ہے کہ اگر یہ سمندر میں ملا دیا جائے تو اس کے پانی کے ذائقہ کو خراب کر دے، حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میں نے تو ایک آدمی کے بارے میں اصل حقیقت ہی بیان کی تھی، آپ نے فرمایا: تم نے ایسی

(١) النسائی: باب الترغیب فی قیام اللیل، حدیث نمبر: ١٦١٠۔
(٢) صحیح ابن حبان: باب الفقر والزہد، ذکر الاخبار عما یجب علی المرء، حدیث نمبر: ٦٩١۔
(٣) مسند احمد، حدیث نمبر: ١٣٨٤٣۔
(٤) ابوداؤد: کتاب الجہاد، باب فی السبق علی الرجل، حدیث نمبر: ٢٥٧٨۔
(٥) بخاری: کتاب النکاح باب نظر المراۃ الی الحبش ونحوھم من غیر ریبۃ، حدیث نمبر: ٥٢٣٦۔

بات کہہ دی کہ اگر اس کو سمندر میں ملا دیا جائے تو اس میں بھی اثر انداز ہوجائے، میں کسی بھی آدمی کے خلاف کوئی بات سننا پسند نہیں کرتا، چاہے مجھے اس کے عوض کتنی ہی دنیا دے دی جائے۔(۱)

آپ ﷺ نے تعلیم دی کہ ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو کھانے پینے، لباس و پوشاک اور رات گذارنے کے اعتبار سے پوری طرح برابری برتنا ضروری ہے، ارشاد فرمایا: ''جس کی دو بیویاں ہوں اور ان میں سے کسی ایک کی طرف زیادہ مائل ہو تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا'' (۲) ہاں کسی ایک کی طرف دل کا میلان اس کی کسی خوبی کی وجہ سے زیادہ ہو تو اس پر پکڑ نہیں؛ (۳) لیکن معاملات میں اس کا اظہار نہیں ہونا چاہئے، حضور ﷺ خود سفر پر بھی تشریف لے جاتے تو قرعہ اندازی فرماتے، جس بیوی کے نام قرعہ نکلتا، اسی کو ساتھ لے جاتے۔(۴)

آپ ﷺ نے ایسی صورت میں جب کہ شوہر بال بچوں پر ان کی ضرورت سے کم خرچ کرتا ہو تو بیوی کے لئے اس کے مال سے بلا اجازت بھی بقدر ضرورت کچھ لے لینے کو درست قرار دیا، حضرت ہند نے جب یہ بتایا کہ میرے شوہر ابوسفیان بخل کرنے والے آدمی ہیں اور مجھے اور میرے بچوں کو اتنا نہیں دیتے جو ہمارے لئے کافی ہو سکے، اس لئے میں ان کو بتائے بغیر ان کے مال سے کچھ لے لیتی ہوں جس سے گذر اوقات ہوتا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

خذي ما يكفيك و ولدك بالمعروف ۔ (۵)

تمہارے اور تمہارے بچوں کے لئے جتنا کافی ہوجائے اس قدر لے سکتی ہو۔

اور واضح فرمایا کہ یہ ایسا حق ہے، جس کے بارے میں باز پرس ہوگی، فرمایا گیا:

إن الله سائل كل راع عما استرعاه، حتى يسأل الرجلَ عن أهل بيته ۔ (۶)

بے شک اللہ تعالیٰ ہر ذمہ دار سے اس کے زیر سایہ لوگوں کے

---

(۱) ابوداود، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ، ۴۸۷۵۔ (۲) ابوداود، باب القسم بین الزوجین، حدیث نمبر: ۲۱۳۵۔

(۳) النساء: ۱۲۹۔ (۴) مسند احمد: ۲۶۳۱۴۔ (۵) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۵۷۱۴۔

(۶) صحیح ابن حبان: کتاب السیر، ذکر الاخبار بسؤال اللہ جل وعلا کل من استرعی رعیۃ، حدیث نمبر: ۴۴۹۳۔

بارے میں سوال فرمانے والے ہیں، یہاں تک کہ ایک شخص سے
اس کے اہل وعیال کے بارے میں بھی سوال فرمائیں گے۔

یہاں تک کہ نفقہ کو صدقہ قرار دیا گیا :

إذا أنفق المسلم على أهله وهو يحتسبها كانت له صدقة ۔ (۱)

جب ایک مسلمان ثواب کی نیت سے اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے حق میں صدقہ ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ایک مسئلہ عورتوں پر ہاتھ اُٹھانے کا ہے، بعض کم فہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں اس کی کھلی اجازت ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس کا ذکر سورہ نساء کی آیت ۳۴ میں ہے، اس آیت میں مرد کی فضیلت کی دو باتیں بیان کی گئیں، ایک یہ کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، دوسرے یہ کہ وہ مال خرچ کرتا ہے، بیویوں کے نیک ہونے کی علامتیں یہ بیان کی گئیں کہ وہ اپنے شوہروں کی فرمانبردار، ان کے غائبانہ میں ان کے گھر اور عزت کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں، اب مرد سے یہ فرمایا گیا کہ اگر بیوی پر ''نشوز'' کا اندیشہ ہو تو پہلے اس کو سمجھاؤ، نہ مانے تو خلوت میں اس سے الگ ہو جاؤ اور اس کو الگ کردو، یعنی ہم بستری ترک کردو، اسی کو ''ہجر فی المضاجع'' کہا گیا ہے، اس پر بھی نہ مانے تو اس کو ذرا مارو، اب بھی اگر کہا مان لے تو اس کو ستانے یا طلاق وغیرہ دینے کے حیلے بہانے مت تلاش کرو، غرض ''نشوز'' کی صورت میں آخری تدبیر کے طور پر اس کو ہلکی مار کی اجازت ہے، یہ ایسی عورت کے بارے میں ہے جس میں نافرمانی کی بعض علامتیں پائی جاتی ہوں، یا وہ مشتبہ چال چلن کی ہو جس کو ''فاحشۃ مبینۃ'' کی تعبیر میں قرآن بیان کرتا ہے، یا وہ عورت جو اپنے شوہر سے بڑا بننا چاہتی ہو، اس کی حکم عدولی کرتی ہو، اس سے بغض رکھتی ہو، اس سے بے رخی کرتی ہو، اور وہ بھی اس وقت جب کہ تادیب کے دو مرحلے مکمل ہو گئے ہوں اور یہ مار تکلیف دہ نہیں ہونی چاہئے، آپ ﷺ نے فرمایا :

واضربوهن ضربا غير مبرح ۔ (۲)

---

(۱) بخاری، کتاب النفقات، باب فضل النفقۃ علی الاہل، حدیث نمبر: ۵۳۵۱۔ (۲) مسند احمد: ۲۰۶۹۵۔

یعنی ایسی مار ہو، جس سے عورت کے کسی عضو کو کسی طور پر بھی نقصان نہ پہنچے، جسم پر ورم نہ آئے، اہانت آمیز انداز نہ ہو، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس سے مقصود مسواک وغیرہ سے مارنا ہے، (۱) ورنہ عام طور پر مارنا تہذیب کے خلاف ہے، حضور ﷺ نے فرمایا :

لن یضرب خیارکم ۔ (۲)

تم میں سے اچھے لوگ ہرگز نہیں ماریں گے۔

ایک صحابیہ نے جب آپ ﷺ سے ایک شخص سے نکاح کا مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا: ''وہ اپنا ڈنڈا اپنے کندھے سے نیچے نہیں اُتارتا'' یعنی وہ مار پیٹ کرتا ہے، ذرا سی بات پر خفا ہوتا ہے، آپ نے ایسے مرد سے شادی کا مشورہ نہیں دیا، خود حضور ﷺ کا کارنامہ یہ تھا کہ :

ما ضرب رسول الله صلی الله علیه وسلم خادما قط ولا امرأة ولا ضرب بیده شیئا ۔ (۳)

حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے نہ کبھی کسی خادم کو مارا، نہ کسی عورت کو اور نہ کسی اور چیز کو۔

لیکن ان تدبیروں کی اجازت اس لئے دی گئی ہے کہ نباہ نہ ہونے کی صورت میں فوراً معاملہ قاضی کی عدالت میں نہ پہنچے، یا شوہر یک لخت طلاق نہ دے بیٹھے۔

ان ہدایات و واقعات سے اندازہ لگانا بالکل آسان ہے کہ آپ ایک خوش مزاج اور بہی خواہ شوہر کی حیثیت سے ہمیشہ ازواج مطہرات کے ساتھ حسن سلوک فرماتے رہے تھے، اور آپ نے اپنی ازواج مطہرات کے درمیان ہم آہنگی، تعاون، اور ایثار کے ساتھ ساتھ عدل وانصاف کی بھی بے نظیر عملی تصویر پیش کی، اس کے لئے آپ کو ان پر کبھی ہاتھ اُٹھانے کی ضرورت نہ پڑی۔

بیٹیوں پر شفقت

بیٹی کہ جس کی پیدائش پر لوگوں کے چہرہ پر سیاہی چھا جاتی تھی، اور لوگ منھ چھپائے پھرتے تھے، اسے زندہ درگور کر دیتے؛ بلکہ اس کی پیدائش کے خوف سے وضع حمل کے وقت سے ہی اُسے ٹھکانے لگانے کا انتظام کر لیتے تھے، آپ ان بیٹیوں کے لئے رحمت بن کر آئے، آپ ﷺ نے لڑکیوں کی اہمیت اس طرح بڑھا دی کہ فرمایا :

(۱) تفسیر قرطبی: ۱/ ۴۳۸۔ (۲) بیہقی: ۵: ۴۶۳۵۔ (۳) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۵۷۱۵۔

جس شخص نے تین لڑکیوں یا تین بہنوں کی سرپرستی کی، انھیں تعلیم وتہذیب سکھائی اور ان کے ساتھ رحم کا سلوک کیا، یہاں تک کہ خدا ان کو بے نیاز کر دے تو ایسے شخص کے لئے خدا نے جنت واجب فرمادی'' اس پر ایک صاحب نے دریافت کیا: اگر دو ہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا: ''دو لڑکیوں کی پرورش کا بھی یہی صلہ ہے'' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ ایک کے بارے میں پوچھتے تو آپ ﷺ ایک کی پرورش پر بھی یہی بشارت دیتے''۔(۱)

اسی طرح ان کو حقیر نہ سمجھنے اور لڑکوں کی طرح ان سے سلوک کرنے پر یہ خوشخبری سنائی گئی :

جس کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اور اس نے جاہلیت کے طریقہ پر اسے زندہ دفن نہیں کیا اور نہ اس کو حقیر جانا اور لڑکے کو اس کے مقابلہ میں ترجیح نہ دی اور زیادہ نہ سمجھا تو اس آدمی کو خدا جنت میں داخل کرے گا۔(۲)

خود حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹیوں سے نوازا تھا، آپ نے ان کی پرورش اور تعلیم کا اہتمام اس عمدہ اور بے مثال انداز سے کیا کہ دنیا کے لئے نظیر بن گئیں، اسی تعلیم وتربیت اور پرورش کا نتیجہ تھا کہ حضرت فاطمہ اسلام کی تاریخ میں ایک ذہین وفطین اور باکمال خاتون کے طور پر جانی جاتی ہیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''میں نے چال ڈھال اور اُٹھنے بیٹھنے میں حضرت فاطمہ سے بڑھ کر کسی کو حضور ﷺ کے مشابہ نہیں دیکھا'' (۳) حضرت فاطمہؓ کے بارے میں ایک موقع سے فرمایا کہ: ''میری بیٹی میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس چیز سے یہ پریشان ہوگی وہ میرے لئے بھی باعث پریشانی ہوگی، اور جو چیز اس کے لئے اذیت والی ہوگی اس سے مجھے بھی اذیت ہوگی'' (۴) آپ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں جب ان کو کان میں بتایا کہ اس مرض میں ہی میری وفات ہوجائے گی تو رونے لگیں، پھر جب بتایا کہ سب سے پہلے میرے بعد تم مجھ سے آملوگی، اور تم اس

(۱) شرح السنۃ للبغوی، باب ثواب کافل الیتیم، حدیث نمبر: ۳۴۵۷۔

(۲) ابوداؤد، باب فضل من عال یتیمًا، حدیث نمبر: ۵۱۴۶۔

(۳) ترمذی، ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل فاطمہ، حدیث نمبر: ۳۸۷۲۔

(۴) مسلم: کتاب المناقب، باب فضائل فاطمۃ، حدیث نمبر: ۲۴۴۹۔

اُمت کی عورتوں کی سردار ہوگی تو ہنسنے لگیں، اور اس راز کو چھپائے رکھا، بعد میں حضرت عائشہؓ کو بتایا۔(۱)

حضرت زینب کے بارے میں آتا ہے کہ ''کان محبا فیھا''(۲) (آپ ان سے بڑی محبت فرمایا کرتے تھے) اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب حضرت زینب کا انتقال ہوگیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب غسل دے چکو تو مجھے اطلاع کرنا، غسل کے بعد جب آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی تو حصول تبرک کے لئے آپ ﷺ نے اپنے جسم مبارک سے اپنی تہہ بند اُتار کر عنایت فرمائی، اور فرمایا کہ میرے مبارک تہبند کو کفن کے نیچے پہنا دو، (۳) آپ ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت رقیہؓ کے لئے اُم عیاش نامی اپنی خادمہ مستقل طور پر بھیج دی تھی تا کہ کام کاج اور تسکین کا سامان رہے، (۴) ایک مرتبہ گھر میں گوشت پکایا تو حضرت اُسامہ کے ہاتھ سے حضرت رقیہؓ کے گھر بھی بھجوایا۔(۵)

بچیوں کے ساتھ بھی آپ ﷺ بے حد شفقت فرمایا کرتے تھے، حضرت ابو قتادہؓ کی روایت ہے کہ حضرت زینبؓ کی بیٹی امامہ کو اپنی پشت پر اُٹھائے ہوئے نماز پڑھتے تھے، جب کھڑے ہوتے، ان کو اُٹھا لیتے اور جب سجدہ میں جاتے ان کو رکھ دیتے، (۶) حضرت عائشہؓ بچپن میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھلونے سے کھیلتی تھیں، آپ کو دیکھ کر ان کی سہیلیاں چھپ جاتی تھیں تو آپ ان کو بھیجتے کہ جاؤ کھیلو، جب حضور ﷺ غزوہ تبوک یا خیبر سے تشریف لائے تو دیکھا ایک گھروندا بنا ہوا ہے، جس پر پردہ پڑا ہے، ہوا چلی تو پردہ ہٹ گیا، اس میں ان کے کھلونے رکھے ہوئے تھے، آپ نے دریافت فرمایا: عائشہ یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: میری بیٹیاں، اور ان کے بیچ میں ایک گھوڑا دیکھا، جس کے دو پر دار باز و کپڑوں کے بنے ہوئے تھے، تو آپ نے پوچھا:

---

(۱) بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، حدیث نمبر: ۳۶۲۳۔

(۲) ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی: ۱۵۷۔

(۳) مدارج النبوۃ: ۲/۳۶۷۔

(۴) اسد الغابۃ: ۵/۶۰۷۔

(۵) ذخائر العقبی: ۱۶۲۔

(۶) بخاری، باب اذا حمل جاریۃ صغیرۃ علی عنقہ، حدیث نمبر: ۵۱۶۔

یہ کیا ہے جو میں بیچ میں دیکھ رہا ہوں، کہا: گھوڑا ہے، فرمایا: یہ اس کے اوپر کیا ہے؟ کہا: اس کے دونوں پردار بازو، فرمایا: گھوڑا اور اس کے پر؟ انھوں نے کہا: کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پردار بازوؤں والے گھوڑے تھے؟ کہتی ہیں: آپ کو ہنسی آ گئی یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے، (۱) جب آپ کی ایک نواسی جاں بلب تھی، بیٹی نے خبر بھیجی، فوراً تشریف لائے، آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں، پوچھا گیا تو فرمایا، یہ رحمت ہے جو اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کے دل میں رکھ دیتا ہے۔ (۲)

عام خواتین کے ساتھ برتاؤ

آپ ﷺ صرف اپنے اہل خانہ کے ساتھ ہی نہیں عام خواتین کے ساتھ بھی حسن سلوک فرمایا کرتے تھے اور اس کی بے شمار مثالیں مختلف انداز میں ہمیں آپ ﷺ کی سیرت میں ملتی ہیں، ایک حبشی عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی، جب انتقال ہو گیا تو لوگوں نے اس کو دفنا دیا، لوگوں نے سمجھا کہ اس خدمت پیشہ عورت کے لئے حضور ﷺ کو بتانے کی کیا ضرورت ہے، آپ کو جب اس کے انتقال کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا: تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ پھر فرمایا: مجھے اس کی قبر بتاؤ، لوگوں نے بتایا، آپ ﷺ اس کی قبر پہ تشریف لے گئے، اور آپ نے قبر پہ نماز ادا فرمائی، اس روایت میں راوی کو شک ہے کہ وہ مرد تھا یا عورت تھی؛ لیکن اس حدیث کے ایک تابعی راوی ابورافع کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ وہ عورت ہی تھی، (۳) اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ آپ نے یہی برتاؤ ایک ایسی عورت کے ساتھ بھی فرمایا جس کہ بارے میں یہ وضاحت حدیث میں موجود ہے کہ ''کان فی عقلها شیٔ '' اس کی عقل ذرا کم تھی، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے آپ کی ضرورت ہے، آپ نے فرمایا: اے فلاں کی ماں! تمہاری ضرورت کے لئے تم جہاں چاہو میں چلنے کے لئے تیار ہوں، پھر کچھ دور جا کر آپ نے اس کی ضرورت پوری کی۔ (۴)

---

(۱) ابوداود، کتاب الادب، باب فی اللعب بالبنات، حدیث نمبر: ۴۹۳۲۔

(۲) بخاری، کتاب المرضی، باب عیادۃ الصبیان، حدیث نمبر: ۵۶۵۵۔

(۳) بخاری، کتاب الصلاۃ، باب الخدم للمسجد: ۴۶۰، مسلم: کتاب الجنائز، باب الصلاۃ علی القبر، حدیث نمبر: ۹۵۶۔

(۴) مسلم، کتاب الفضائل، باب قرب النبی ﷺ من الناس، حدیث نمبر: ۲۳۲۶۔

ایک بوڑھی خاتون حضرت خولہؓ کا خود قرآن میں ذکر ہے کہ انھوں نے اپنے شوہر حضرت اوسؓ بن صامت کے ساتھ پیش آنے والے ایک خاص واقعہ میں حضور سے بحث کی،(۱) اور کھل کر اپنی بات پیش کی کہ میری پوری جوانی اس شوہر کی خدمت میں ختم ہوگئی، اب بڑھاپے میں انھوں نے مجھ سے یہ معاملہ کیا ہے، میں کہاں جاؤں؟ میرا اور میرے بچوں کا گذارہ کیسے ہوگا؟ لیکن آپ نے وحی کا انتظار کیا، کوئی سخت بات نہ فرمائی، آخر وحی نازل ہوئی اور آپ نے اس کے مطابق اس کے لئے فیصلہ فرمایا، ظہار کا یہ حکم قرآن مجید میں یوں بھی بیان فرمایا جاسکتا تھا؛ لیکن نبی کے ساتھ گفتگو کا خصوصی ذکر کر کے قرآن نے عورت کا رتبہ بھی بڑھا دیا اور اشارہ میں نبی اُمی کے حسن اخلاق اور عورتوں کے سلسلہ میں آپ کی فکرمندی کا بھی ذکر کر دیا، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خواتین کو اپنے مطالبات رکھنے کا کتنا اختیار تھا۔

عورت کو اپنے اختیار کے استعمال کی یہاں تک اجازت تھی کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ بیوی شوہر کو ناپسند کر رہی ہو اور آپ نے زبردستی اس کو اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا حکم دیا ہو، ابن عباسؓ کے مطابق بریرہؓ نامی ایک خاتون نے غلامی سے آزاد ہونے کے بعد اپنے اختیار کا استعمال کرتے ہوئے اپنے شوہر مغیثؓ کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا تھا، مغیثؓ ان سے بے انتہا محبت کرتے تھے، اس واقعہ پر آنکھوں میں آنسو لئے ان کے پیچھے پیچھے چلتے تھے، اور حضور کی بھی خواہش تھی کہ وہ دونوں بدستور میاں بیوی رہیں؛ لیکن بریرہؓ نے صاف کہہ دیا کہ یہ اگر آپ کا حکم نہیں مشورہ ہے تو میں ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی، پیغمبر اسلام ﷺ نے بھی ان کی بات قبول کر لی۔(۲)

ایک روایت میں ہے کہ سَفانہ بنت حاتم طائی ایک سریہ (جس واقعہ میں حضور ﷺ خود شریک نہیں ہوئے؛ بلکہ صحابہ افسر مقرر کر کے بھیج دیئے جاتے تھے) میں قیدی بن کر آئیں، اس سریہ میں جھنڈا حضرت علی بن ابی طالبؓ کے پاس تھا، اس سریہ کا مقصد قبیلہ بنو طئے کے بت ''الفُلس'' کو منہدم کرنا تھا، سفانہ بڑی خوش وخرم، باوقار، اور دانا وفرزانہ خاتون تھیں، ان کے بھائی عدی مسلمان شہسواروں کے آنے کی خبر پا کر بھاگ نکلے تھے، نبی کریم ﷺ نے سفانہ کے ساتھ ان

---

(۱) المجادلۃ: ۱۔

(۲) مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۸۴۴۔

کے سماجی معیار کے مطابق اچھے سے اچھا برتاؤ کیا، انھیں رملہ بنت حرث کے گھر میں رکھا، جب حضور اکرم ﷺ وہاں سے گزرے تو وہ کہنے لگیں: ''اے محمد! ذرا بتایئے تو سہی میں اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہوں اور قید و بند کی اس حالت میں ہوں، مجھے جانے دیجئے، قبائل عرب کے سامنے میری نام کی ہنسی نہ کرایئے، میرے والد کتنی آبروؤں کے محافظ تھے، پا بہ زنجیر قیدیوں کی رہائی کا سامان کرتے تھے، بھوکوں کو شکم سیر کرتے، برہنہ تن کو پہناتے، مہمان نوازی کرتے، کھانا کھلاتے تھے، سلام کو عام کرتے تھے، کبھی کوئی ضرورت مند ان کے دروازے سے خالی ہاتھ نہ لوٹا، میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں'' نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: ''بیٹی! یہ تو ایک مومن صادق کے صفات ہیں، واقعی اگر تمہارے والد مسلمان ہوتے تو ہم ان کے لئے رحمت کی دُعائیں کرتے'' پھر آپ نے صحابہ سے فرمایا: ''انھیں جانے دو، بے شک ان کے والد مکارم اخلاق (اچھے اخلاق) کو پسند فرماتے تھے''۔

سیرت نگار حضرات سفانہ کی زبانی لکھتے ہیں: ''حضور ﷺ نے مجھے جوڑے پہنائے، خرچ دیا، میں وہاں سے اپنے بھائی کے پاس شام پہنچی''۔(۱)

سفانہ اپنے بھائی عدی کے پاس آئیں اور انھیں حضور کے پاس حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کی تلقین کی، وہ مدینہ آئے اور اسلام لے آئے۔

سیرت الحلبیہ کے مصنف علی بن ابراہیم حلبی لکھتے ہیں: ''سفانہ عدی کو اسلام کی دعوت دیتی ہیں اور اس بات پر آمادہ کرتی ہیں کہ حضور ﷺ سے جا ملیں، عدی سفانہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس شخص (نبی کریم ﷺ) کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انھوں نے کہا: میں تو کہتی ہوں، بس تم جلد از جلد ان سے جا ملو، اگر وہ نبی ہیں تو ان تک پہلے پہنچنے والا افضل ترین انسان ہے، اور اگر وہ بادشاہ ہیں تو تم سمجھو، میں نے کہا: یہ ہوئی کام کی بات، کہتے ہیں: میں وہاں سے تیزی سے نکلا، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضور نے دریافت فرمایا: کون صاحب؟ میں نے کہا: عدی بن حاتم، آپ کھڑے ہوئے اور مجھے اپنے ساتھ لے کر اپنے گھر کی جانب نکل پڑے، راستہ میں ایک بوڑھی کمزور عورت ملی، حضور ﷺ کو روکا، آپ ﷺ اس کے لئے دیر تک کھڑے رہے اس کی ضرورت سنتے رہے، میں نے کہا: یہ بادشاہ تو نہیں ہو سکتے، پھر آگے بڑھے،

(۱) انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون، المعروف بہ السیرۃ الحلبیہ: ۳/۲۸۸۔

گھر پہنچ کر اندر گئے اپنے ہاتھ سے ایک چمڑے کا گاؤ تکیہ لیا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور میری طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا: اس پر بیٹھئے میں نے کہا: نہیں حضور! آپ تشریف رکھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں نہیں آپ، میں اس پر بیٹھ گیا، حضور ﷺ زمین پر بیٹھ گئے، میں نے دل ہی دل میں کہا، یہ تو بادشاہوں کا سا معاملہ نہیں ہے، پھر مجھ سے کچھ اس طرح کی بات فرمائی ''اے عدی بن حاتم!'' ''أسلم تسلم'' (اسلام لے آؤ محفوظ ہو جاؤ گے) آپ نے تین مرتبہ یہ بات فرمائی، میں نے کہا: پہلے سے ایک مذہب کا پیرو ہوں، آپ نے فرمایا: میں تمہارے دین کے بارے میں تم سے زیادہ جانتا ہوں، میں نے کہا: آپ میرے دین کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''ألست من الركوسية؟'' (کیا تم رکوسیہ میں سے نہیں ہو؟) کیا تم ان لوگوں میں نہیں ہو جن کا ایک دین ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، آپ نے فرمایا: ''ألم تكن تسير في قومك بالمرباع كما هو شأن الأشراف؟'' (کیا تم اپنی قوم سے مرباع، مال غنیمت کا چوتھائی حصہ، نہیں لیا کرتے تھے، جیسا کہ تمہارے یہاں باحیثیت لوگوں کا طریقہ تھا؟) میں نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا: یہ تمہارے مذہب میں جائز نہیں کیا گیا تھا، میں نے کہا آپ درست اور بجا فرما رہے ہیں، مجھے یقین ہو گیا کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں جو باتیں نہیں جانتے ہیں اللہ کی جانب سے ان کو بتا دی جاتی ہیں۔

پھر اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عدی! اکثر تمہیں کہتے ہوئے دیکھا گیا کہ ہمارے دین کے پیرو کار وہی لوگ ہیں جو کمزور ترین ہیں جن کا کوئی زور نہیں چلتا، عرب نے انھیں ان کی ضرورت کے باوجود اپنی برادری سے نکال باہر کیا ہے اور شاید تمہارا یہی خیال تمہارے لئے اس دین میں داخل ہونے سے مانع ہے، سن لو! بخدا جلد ہی ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ ان میں مال و زر کی کثرت ہو گی حتیٰ کہ ان میں کوئی اسے لینے والا نہ ملے گا، اور شاید تم اس لئے بھی اس دین میں داخل نہیں ہو رہے ہو کہ اس دین کے دشمن بہت ہیں اور تعداد ان کی بہت تھوڑی ہے، کیا تم حیرہ سے واقف ہو؟ میں نے کہا دیکھا تو نہیں ہے، اس کا نام سنا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا :

فو الله ليتمن هذا الأمر حتى تخرج الظعينة من
الحيرة تطوف بالبيت من غير جوار أحد۔

خدا کی قسم یہ دین مکمل ہو کر رہے گا، حتیٰ کہ ایک عورت حیرہ سے نکلے گی
اور بغیر کسی کی حفاظت و مدد کے خانۂ کعبہ کا طواف کرے گی۔

اور شاید تم اس لئے بھی اس دین میں داخل ہونا نہیں چاہتے کہ اس کے ماننے والوں کے پاس جاہ وسلطنت نہیں ہے، بخدا عنقریب تم سنو گے کہ سرزمین بابل کے سفید محلات انھوں نے فتح کر لئے، عدی کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ ایک عورت قادسیہ سے اپنے اونٹ پر نکلتی ہے اور خانۂ کعبہ کا طواف کرتی ہے اور خدا کی قسم اللہ کے سوا اس کے ساتھ اس کے علاوہ کوئی متنفس نہ ہوتا تھا۔(۱)

ان دونوں واقعات سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کی آپ ﷺ عورتوں کا کس درجہ خیال فرمایا کرتے تھے کہ وہ دوسروں کے اسلام لانے کا سبب بنتی تھیں، اور اپنے عدل وانصاف سے آپ نے وہ امن وامان قائم کیا کہ پر خطر راستوں میں جہاں مرد بھی تنہا جانے سے گھبراتے تھے عورتیں بلا خوف وخطر ان راستوں سے گذرنے لگیں۔

جب خواتین نے حضور ﷺ سے شکایت کی کہ مرد حضرات ہم پر غالب آ گئے کہ وہ آپ سے قریب رہتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں، ہم محروم رہتے ہیں؛ چنانچہ ہمارے لئے ایک دن خاص کر دیجئے، تو آپ ﷺ نے ان کے لئے ایک دن متعین فرمایا جس دن آپ ان کو وعظ فرماتے اور ان کے مسائل حل فرمایا کرتے تھے، (۲) اور خواتین اپنے مسائل معلوم کیا کرتی تھیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''انصار کی عورتیں بھی کیا خوب ہیں، شرم وحیا نے ان کو دین سیکھنے اور اس کی گہری سمجھ حاصل کرنے سے نہیں روکا''۔(۳)

یہ ہیں چند جھلکیاں سیرت رسول ﷺ سے جن سے یہ اندازہ لگانا آسان ہے کہ آپ ﷺ نے خواتین کو ان کے مزاج ومذاق اور ان کی فطرت کی رعایت کرتے ہوئے اپنے حسن اخلاق اور لطف وکرم سے حصہ وافر عطا فرمایا، اور ان کو ان کا وقار واعتبار واپس کیا، جو زمانہ کے بے رحم ہاتھوں نے ان سے چھین لیا تھا، آج اس صنف نازک میں عفت وحیا کے جو نمونے اور اس کے جائز حقوق کے جو مطالبے بھی نظر آتے ہیں وہ اسی رحمت عالم، نبی اُمی کی نگاہ کرم کا صدقہ ہے۔(ﷺ)

سلام اُس پر کہ جس نے عورتوں کو آبرو بخشی
گلِ ناچیز کو جس نے متاعِ زندگی بخشی

● ● ●

(۱) انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون، المعروف بہ السیرۃ الحلبیۃ: ۳/۳۱۷۔

(۲) مسند احمد، حدیث نمبر: ۶۹۸۔ (۳) ابوداؤد: کتاب الطہارۃ، باب الاغتسال من الحیض، حدیث نمبر: ۳۱۶۔

سلسلۂ رسائل سیرت

۴

بوڑھوں اور معذوروں کا احترام

اور اُسوۂ نبوی ﷺ

مولانا منور سلطان ندوی

ناشر

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

پیش لفظ

قرآن مجید نے اپنے لانے والے کی جو تصویر پیش کی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں، نہ آپ کی رحمت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے، نہ عربوں کے ساتھ، نہ کسی خاص رنگ ونسل کے لوگوں کے ساتھ؛ یہاں تک کہ آپ کی رحمت وشفقت بنی نوع انسان تک بھی محدود نہیں ہے؛ بلکہ آپ ﷺ نے دوسری مخلوقات کے ساتھ بھی رحم وکرم کی تعلیم دی ہے؛ مگر افسوس کہ غیر مسلم بھائی سیرت محمدی کے اس پہلو سے واقف نہیں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ صرف مسلمانوں کے پیغمبر اور محسن ہیں، مغربی مصنفین اگر بہت مہربان ہوں تو زیادہ سے زیادہ آپ ﷺ کو عربوں کا نبی قرار دیتے ہیں۔

اسی پس منظر میں سہ روزہ بین الاقوامی سیرت نبوی سیمینار — جو ۱۲-۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق: ۲۱-۲۳ر فروری ۲۰۱۶ء کو المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں منعقد ہو رہا ہے — کی مناسبت سے ۱۶ر رسائل کی ترتیب کا منصوبہ بنایا گیا، جس میں رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر رحمۃ للعالمینی کو پیش کیا جائے اور برادرانِ وطن کے درمیان آپ ﷺ کا صحیح تعارف کرایا جائے، کوشش کی گئی ہے کہ یہ رسائل مختصر ہوں، زبان آسان ہو اور ہر بات معتبر حوالہ سے کہی جائے، انشاء اللہ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ تک کوشش کی جائے گی کہ انگریزی اور ہندوستان کی تمام علاقائی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو جائے اور اسے بڑی تعداد میں برادرانِ وطن تک پہنچایا جائے۔

اسی سلسلہ کا ایک حصہ یہ رسالہ ''بوڑھوں اور معذوروں کا احترام اور اُسوۂ نبوی ﷺ'' ہے، جس کو جناب مولانا منور سلطان ندوی (رفیق علمی: دارالافتاء ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے مرتب کیا ہے — **فجزاه الله خير الجزاء** — دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اس کے مقصد کے اعتبار سے مفید بنائے اور رسول اللہ ﷺ کے تعارف کی جو ذمہ داری اس اُمت پر ہے، اس کا کوئی حصہ اس کوشش کے ذریعہ ادا ہو سکے، **ربنا تقبل منا إنک أنت السميع العليم**۔

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
۲۱ر فروری ۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام کی نظر میں ہر انسان بحیثیت انسان برابر ہے، اور ہر ایک کو یکساں حقوق حاصل ہیں، اسلامی نظام میں نہ رنگ ونسل کا امتیاز ہے اور نہ مذہب اور وطن کی بنیاد پر تفریق، رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر صاف اعلان فرمادیا :

یا ایھا الناس ألا ان ربکم واحد وان أباکم واحد ،
ألا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا
لاحمر علی أسود ولا لاسود علی أحمر الا بالتقوی ۔ (۱)

اس لئے اسلامی تعلیمات میں سماج کے ہر طبقہ کو یکساں حقوق حاصل ہوں گے اور ان پر یکساں فرائض وذمہ داریاں بھی عائد ہوں گی، سماج کا ایک طبقہ جس میں عورت، بچے، معذور، غرباء ومساکین، یتیم اور بوڑھے وغیرہ شامل ہیں، ہمیشہ مظلوم رہا ہے، اور ہمیشہ ان پر زیادتیاں ہوئی ہیں، اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے سماج کے تمام طبقات کے ساتھ انصاف کیا، اسلامی تعلیمات میں سماج کے ان کمزور افراد کو خاص اہمیت دی گئی، اور انھیں ذلت وبے توجہی کی پستی سے نکال کر ایسا بلند مقام عطا کیا گیا کہ جس کا تصور بھی مشکل تھا، رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور آپ ﷺ کے سلوک سے اس کی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے، خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کے دو ارشادات ایسے ہیں کہ جن کی وجہ سے کمزور افراد کو عزت حاصل ہوئی اور وہ دوسروں کے لئے قابل رشک بن گئے :

اول یہ کہ آپ ﷺ کی نظر میں ان کی حیثیت یہ ہے کہ یہ کمزور افراد سماج کے دیگر تمام افراد کے محسن ہیں، اللہ کی رحمتیں ان ہی افراد کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں، ان ہی کی بدولت اللہ کی نعمتوں سے سب لوگ فیضیاب ہوتے ہیں، اور رزق پاتے ہیں، اور ان ہی کی وجہ سے خدا کی مدد آتی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا :

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۵/۴۱۱، شعیب ارناؤط نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

ابغونی الضعفاء فانما تنصرون وترزقون بضعفائکم ۔ (۱)

مجھے کمزور لوگوں میں تلاش کرو، ان کمزوروں کی وجہ سے ہی تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے اسی طبقہ کا انتخاب فرمایا، آپ ﷺ کو اسی زمرہ میں رہنا پسند تھا، زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی، آپ نے دُعا فرمائی :

اللهم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرة المساکین یوم القیامة ۔ (۲)

اے اللہ! مجھے مسکین کی حالت میں زندہ رکھ، مسکین کی حالت میں موت دے اور قیامت کے دن مساکین کی جماعت میں دوبارہ جمع فرما۔

اسلامی تعلیمات میں ان کمزور افراد میں سے ہر ایک سے متعلق مستقل ابواب ہیں، جہاں ان کے حقوق وفرائض کی تفصیلات موجود ہیں، رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں بھی ان افراد کے حوالہ سے بہترین نمونے موجود ہیں، سیرت کے یہ واقعات ایک طرف اس بات کی پختہ دلیل ہیں کہ اسلامی تعلیمات متمدن دنیا کے قوانین کی طرح نظریاتی نہیں ہیں؛ بلکہ عملی ہیں، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ نے ان تعلیمات کو عملی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے، جو تاریخ میں محفوظ ہیں، وہیں دوسری طرف یہ واقعات مسلمانوں کو آئینہ دکھاتے ہیں، اور ان نمونوں کی روشنی میں اپنے کردار وعمل کا محاسبہ کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

اسلام میں سن رسیدہ اور معذور افراد کو جو حقوق حاصل ہوتے ہیں، ان سب کو ایک لفظ میں سمیٹا جائے تو وہ لفظ 'احترام' ہوگا، احترام جہاں انسانی برتاؤ اور سلوک وتعامل کی علامت ہے وہیں مذکورہ افراد کے تئیں احساسات وجذبات کا غماز بھی، اور ان کے حقوق کے احساس کا مظہر بھی، اس طرح احترام کے مفہوم کا معنوی دائرہ بہت وسیع ہے، رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں

(۱) سنن ابی دائود، کتاب الجهاد، باب فی الانتصار ببذل الخیر، حدیث نمبر: ۲۶۹۶۔

(۲) سنن الترمذی، کتاب الزہد، باب ما جاء ان فقراء المہاجرین یدخلون الجنة قبل اغنیاءہم، حدیث نمبر: ۲۵۲۶۔

کمزور افراد اور خصوصاً مذکور افراد کے تئیں حسن سلوک کی متعدد شکلیں نظر آتی ہیں، ذیل کی سطروں میں سن رسیدہ اور معذور افراد کے حوالہ سے رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں؛ تا کہ ان افراد کے تئیں اسلامی حقوق اور رسول اللہ ﷺ کے برتاؤ کا ایک نقشہ سامنے آئے۔

سن رسیدہ افراد کا احترام اور ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا

سن رسیدہ افراد قابل احترام ہیں اور ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا چاہئے، یہی تعلیم آپ ﷺ نے اُمت کو دی، آپ نے خاص طور پر نوجوانوں کو اس حسن سلوک پر آمادہ کیا، آپ نے ارشاد فرمایا:

ما اکرم شاب شیخا لسنه الاقیض الله له من یکرمه عند سنه ۔ (۱)

جو نوجوان کسی بوڑھے کا بڑھاپے کی وجہ سے اکرام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے کسی ایسے آدمی کو متعین فرمائیں گے جو اس نوجوان کا اس کے بڑھاپے میں اکرام کرے گا۔

اس روایت میں رسول اللہ ﷺ نے نوجوانوں کو متوجہ فرمایا ہے، اس روایت میں اس عمل کے بدلے لمبی عمر کی بشارت ہے اور اس بات کی صراحت بھی کہ جب وہ بڑھاپے کو پہنچیں گے تو انھیں ایسے افراد ملیں گے جو ان کا اکرام کریں گے، یہاں یہ بات بھی واضح ہے کہ روایت میں شیخ کا لفظ مطلق آیا ہے؛ لہٰذا اس سے مراد تمام سن رسیدہ افراد ہیں خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو۔

سن رسیدہ افراد کے احترام کی اتنی اہمیت ہے کہ ان کے احترام کو اللہ کے احترام سے تعبیر کیا گیا ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان من اجلال الله اکرام ذی الشیبة المسلم وحامل القرآن غیر الغالی فیه والجافی عنه واکرام ذی السلطان المسقط ۔ (۲)

---

(۱) سنن الترمذی، باب ماجاء فی اجلال الکبیر، حدیث نمبر: ۱۹۴۵۔

(۲) سنن ابی داؤد، باب فی تنزیل الناس منازلھم، حدیث نمبر: ۴۲۰۳۔

اس روایت میں مخلوق کی تکریم وتعظیم کو خالق کی تعظیم قرار دیا گیا ہے، اوراس تکریم کا سبب کبرسنی بتایا گیا ہے؛ لہٰذا ہر آدمی کے لئے ضروری ہے کہ جہاں یہ سبب نظر آئے، اس کا احترام کرے۔

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ بوڑھے شخص کو حامل قرآن، اور عادل بادشاہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، گویا بوڑھے کا احترام حامل قرآن اور منصف بادشاہ کے احترام کی طرح ہے۔

ان ارشادات کے بعد رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی پر ایک نظر ڈالیں تو یہاں ایسی متعدد مثالیں ملتی ہیں جو بوڑھوں کے احترام اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا بہترین نمونہ ہیں، چند واقعات درج کئے جاتے ہیں :

عتبہ کے ساتھ نرم رویہ

عتبہ مشرکین مکہ کے رُوساء میں سے تھے، اور سن رسیدہ تھے، وہ آپ کے پاس تشریف لائے اور بڑی تفصیل سے باتیں کیں، آپ ﷺ نے ادباً خاموشی اختیار کرلی، جب عتبہ نے یہ اخلاق دیکھا تو اصل موضوع پر آئے اور اپنا مدعا رکھا، اور مسلسل اس بارے میں گفتگو کرتے رہے، ان کی باتوں میں تعریض اور تشنیع بھی تھی، اور ہتک عزت بھی؛ لیکن آپ ﷺ بوڑھاپے کے احترام میں ساری باتیں صبر وسکون کے ساتھ سنتے رہے، اور جب عتبہ اپنی طولانی بیان سے فارغ ہوئے تو آپ نے پورے ادب کے ساتھ فرمایا :

افرغت یا ابا الولید ، قال نعم ، قال اسمع منی ، قال
افعل ، فقرا علیه النبی سورة فصلت ۔ (۱)

حضرت ابوقحافہؓ کی توقیر وتعظیم

فتح مکہ کے دن جب رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے والد معظم کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے؛ تاکہ آپ ﷺ سے تعارف کرائیں، ہوسکتا ہے وہ اسلام قبول کرلیں، رسول اللہ ﷺ نے جب ان کو آتے دیکھا تو فرمایا: اپنے بوڑھے والد کو گھر میں ہی رہنے دیتے، میں خود ان سے ملنے آتا، پھر آپ نے ابوقحافہ کو اپنے

(۱) السیرة النبویہ: ۱/ ۵۰۴۔

سامنے بٹھایا اوران کا اکرام کیا، اس کے بعد ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: اسلام قبول کر لیجئے، انھوں نے اسلام قبول کرلیا، ابوقحافہ کے سر کے بال بہت زیادہ سفید ہو چکے تھے؛ چنانچہ آپ نے کمال تلطف کے ساتھ فرمایا: ان کے بال ثغامہ کی طرح سفید ہو گئے ہیں، اس کی سفیدی کو بدل دو۔(۱)

رسول اللہ ﷺ کی حیثیت فاتح کی تھی اور حضرت ابوقحافہ بوڑھے تھے، اور تقریباً بیس سال تاخیر سے اسلام قبول کر رہے تھے، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ان کا اتنا احترام کیا، اوران سے ان کے گھر جا کر ملنے کی خواہش کا اظہار کیا، آپ ﷺ کے نزدیک بوڑھوں کی یہی قدر ومنزلت تھی۔

ایک بوڑھے مسلمان کی قید سے رہائی کے لئے کوشش

جنگ بدر میں عمرو بن ابوسفیان بن حرب قید کئے گئے، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس قید میں تھے؛ چنانچہ ابوسفیان سے کہا گیا کہ اپنے بیٹے عمرو کا فدیہ ادا کرو اور انھیں قید سے آزاد کرالو، انھوں نے کہا خون اور مال دونوں میرے ہی ذمہ لازم ہوگا، ان لوگوں نے حنظلہ کو بھی قتل کر دیا ہے اور اب ہم عمرو کا فدیہ بھی دیں، وہ لوگ جب بہتر سمجھیں گے، خود ہی آزاد کر دیں گے، اسی موقع پر جب کہ وہ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس قید تھے، ایک بوڑھے مسلمان جن کا نام سعد بن نعمان تھا، عمرہ کی نیت سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے؛ حالاں کہ غزوہ بدر کے بعد حالات بہت کشیدہ تھے، انھیں اندازہ نہیں تھا کہ مکہ والے انھیں گرفتار کرلیں گے، اس وقت صورت حال یہ تھی کہ مکہ آنے والا کوئی مسلمان قریش کی ایذا رسانی سے محفوظ نہیں تھا؛ چنانچہ جب سعد بن نعمان مکہ پہنچے تو ابوسفیان بن حرب ان پر ٹوٹ پڑے اور انھیں عمرو کے بدلے گرفتار کرلیا، عمرو بن عوف کے لڑکے رسول اللہ ﷺ سے ملنے مدینہ روانہ ہوئے، انھوں نے اس واقعہ کی اطلاع دی اور یہ مطالبہ رکھا کہ سعد بن نعمان کے بدلے عمرو کو آزاد کر دیں، تب ہی وہ سعد بن نعمان کو آزاد کریں گے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا اور فوراً عمرو کو آزاد کر دیا، یہ لوگ عمرو کو لے کر ابوسفیان کے پاس پہنچے؛ چنانچہ انھوں نے بوڑھے مسلمان کو آزاد کر دیا۔(۲)

---

(۱) السیرۃ النبویۃ: ۳/۳۵۸۔

(۲) سبل الہدیٰ والرشاد: ۴/۷۰۔

راستہ اور مجلس میں وسعت

سن رسیدہ افراد کے احترام اور توقیر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ایک اُسوہ یہ بھی ہے کہ راستہ اور مجلس میں ان کے لئے وسعت پیدا کی جائے گی، حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ایک بوڑھا شخص رسول اللہ ﷺ سے ملنے آیا، لوگوں نے ان کو راستہ نہیں دیا، یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

لیس منا من لم یرحم صغیرنا و یوقر کبیرنا۔ (۱)

جذبات واحساسات کا احترام

رسول اللہ ﷺ نے اُمت کو معذور افراد کے اکرام واحترام کی جو تعلیم دی ہے اس میں ان کے احساسات وجذبات کا احترام بھی داخل ہے، یعنی ان کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچایا جائے، آپ ﷺ کی زندگی میں اس کا بھی نمونہ ملتا ہے، صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ابوسفیان کا گزر سلمان، صہیب، بلال کے پاس سے ہوا، انھوں نے کہا: خدا کی قسم! اللہ کی تلواریں ابھی دشمن خدا کی گردنوں میں پیوست نہیں ہوئی ہیں، راوی کہتے ہیں یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ان سے کہا کہ تم لوگ ایسی باتیں قریش کے سردار کے بارے میں کہتے ہو، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ نقل کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر ؓ تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا؛ چنانچہ حضرت ابوبکر ؓ ان کے پاس پہنچے اور کہا اے میرے بھائیوں کیا میں نے تم کو ناراض کر دیا، انھوں نے جواب دیا نہیں میرے بھائی، اللہ تمہاری مغفرت فرمائے۔(۲)

معذوروں کا اکرام

اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ معذور افراد کی حیثیت محض اس لئے کم نہیں ہو جاتی کہ وہ معذور ہیں؛ بلکہ ان کی صلاحیت کا احترام کیا جائے گا، ان کی خوبیوں کی قدر کی جائے گی، اور وہ اپنی صلاحیت کے لحاظ سے سماج میں مقام پائیں گے۔

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان، حدیث نمبر: ۲۰۴۳۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل سلمان وصہیب وبلال، حدیث نمبر: ۶۵۶۸۔

حضرت عبداللہ ابن مکتوم ایک جلیل القدر صحابی ہیں، وہ بصارت سے محروم تھے، رسول اللہ ﷺ نے انھیں موذن بنایا، امامت کا منصب عطا کیا اور سب سے بڑھ کر اپنی نیابت کا منصب عطا فرمایا، حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن مکتوم کو مدینہ میں دو مرتبہ اپنا نائب مقرر فرمایا، وہ لوگوں کی امامت کرتے تھے؛ حالاں کہ وہ نابینا تھے۔(۱)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رسول اللہ ﷺ کے موذن تھے؛ حالاں کہ وہ نابینا تھے۔(۲)

اسی طرح عتبان بن مالک صحابی رسول ہیں، وہ بھی بصارت سے محروم تھے، اور اپنی قوم کی امامت کرتے تھے۔(۳)

صحابی رسول عمرو بن جموح کے پاؤں میں لنگ تھا، آپ ﷺ ان کا یہ کہہ کر اکرام فرماتے: **سیدکم الابیض الجعد عمرو بن الجموح** ''یہ تمہارے گورے رنگ اور گھونگریالے بال والے سردار عمرو بن جموح ہیں''(۴) جنگ اُحد میں ان کی شہادت ہوئی، رسول اللہ جب ان کے پاس سے گزرے تو فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے صحیح پیر کے ساتھ جنت میں چل رہے ہو۔(۵)

رسول اللہ ﷺ کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ مدنی معاشرہ میں معذوروں کو احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، لوگ ان پر اعتماد کرتے تھے، اور انھیں امانت دار اور قابل بھروسہ تصور کرتے تھے۔

زہری سعید بن المسیب کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ مسلمان جب جنگوں میں جاتے تو معذوروں کو گھروں میں چھوڑ جاتے تھے، اور اپنے گھروں کی چابیاں ان کے حوالہ کر جاتے، اور ان سے کہہ جاتے کہ تم جو کچھ کھانا چاہو ہمارے گھروں سے کھا سکتے ہو، ہم نے تمہارے لئے مباح کر دیا ہے۔(۶)

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۳/ ۱۹۲، شعیب الارناؤط نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الاذان للاعمی، حدیث نمبر: ۵۳۵۔

(۳) صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب الرخصۃ فی المطر والعلۃ ان یصلی فی رحلہ، حدیث نمبر: ۶۳۶۔

(۴) معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم: ۱۴/ ۱۵۵۔

(۵) مسند احمد بن حنبل: ۵/ ۲۹۹۔

(۶) التفسیر الکبیر، رازی: ۲۴/ ۳۱، السنن الکبری، بیہقی، کتاب الصداق، باب نسخ الضیق فی الاکل من مال، حدیث نمبر: ۱۴۹۹۵۔

عزت واکرام کے مواقع پر ترجیح

سن رسیدہ افراد کے احترام کا تقاضہ یہ ہے کہ انھیں عزت واکرام کے مواقع پر دوسروں سے آگے رکھا جائے، انھیں آگے رکھنے کا حکم خود اللہ عزوجل کی جانب سے ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ جبرئیل نے مجھے حکم دیا کہ میں بڑوں کو آگے رکھوں :

امرنی جبرئیل ان اقدم الاکابر ۔ (۱)

عزت وتکریم کے مواقع پر بھی سن رسیدہ افراد کو ترجیح دینے کا عام حکم ہے، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ پانی پلانے میں پہلے سن رسیدہ کو دیا جائے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابدؤا بالکبراء او قال بالاکابر'' ۔(۲)

اسی طرح امامت کے لئے سن رسیدہ فرد کو ترجیح دینے کا حکم ہے، حضرت مالک بن حویرث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

فاذا حضرت الصلاۃ فلیوذن لکم احدکم ولیومکم اکبرکم ۔ (۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ مسواک کر رہے ہیں، پاس میں آپ کے دو صحابہ موجود تھے، آپ نے ان دونوں میں سے جو بڑے تھے ان کو مسواک عنایت فرمایا اور فرمایا کہ حضرت جبرئیل نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بڑے کو دوں ۔(۴)

حضرت سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو پانی پیش کیا گیا، آپ کے دائیں جانب ایک بچہ تھا اور بائیں جانب بوڑھے افراد تھے، آپ نے بچہ سے کہا کہ تم مجھے اجازت دو تو میں بائیں جانب بیٹھے بوڑھوں کو پانی دوں، بچہ نے کہا اے اللہ کے رسول میں اپنے حصہ میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا؛ چنانچہ آپ ﷺ نے ان ہی کے ہاتھ پر پانی رکھ دیا ۔(۵)

---

(۱) کتاب الفوائد الغیلانیات، باب آداب النبیؐ واخلاقہ وما کان یستحب من الطعام: ۱/۶۸۷ ۔

(۲) مسند ابویعلی: ۲/۶۳۸ ۔

(۳) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب اذا استووا فی القراءۃ فلیومہم اکبرہم، حدیث نمبر: ۵۹۵ ۔

(۴) السنن الکبری للبیہقی، کتاب الطہارۃ، باب دفع السواک الی الاکبر، حدیث نمبر: ۱۷۵ ۔

(۵) صحیح البخاری، کتاب الاشربہ، باب ہل یستاذن الرجل من عن یمینہ فی الشراب لیعطی الاکبر، حدیث نمبر: ۵۶۲۰ ۔

معذور افراد کے ساتھ ہمدردی

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک خاتون جن کے دماغ میں خلل تھا، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے آپ سے کچھ کام ہے، آپ نے فرمایا اے فلاں کی والدہ! بتاؤ کس طرف چلوں؛ تاکہ میں تمہاری ضرورت پوری کرسکوں، آپ اس کے ساتھ بعض راستوں میں گئے یہاں تک کہ ان کی ضرورت پوری ہوگئی۔(١)

یہ روایت آپ کے حلم، تواضع اور معذوروں کی ضرورت پوری ہونے تک برداشت کرنے کی ایک مثال ہے، اس روایت کی شرح میں امام نوویؒ لکھتے ہیں :

فی هذه الاحادیث بیان بروزه صلی الله علیه وسلم للناس وقربه منهم لیصل اهل الحقوق حقوقهم ... وفیها صبره علی المشقة فی نفسه لمصلحة المسلمین واجابتها من سال حاجة ۔ (٢)

ان روایات میں آپ ﷺ کا لوگوں کے لئے نکلنے اور ان سے قریب ہونے کا ذکر ہے؛ تاکہ حق والے اپنے حقوق حاصل کرسکیں......اور ان میں مسلمانوں کی مصلحت کی خاطر مشقت کو برداشت کرنا اور ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنا بھی ثابت ہے۔

مذکورہ روایت بتاتی ہے کہ حاکم پر معذوروں کی نگہداشت اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنے کی ذمہ داری ہے، یہ نگہداشت اور ضروریات کا خیال، صحت، سماجی، معاشی اور نفسیاتی ہر اعتبار سے ہونی چاہئے۔

سن رسیدہ افراد کی طرح معذور افراد کی نگہداشت اور دیکھ بھال متعلقہ سماج اور حکومت کی ذمہ داری ہے، اسلامی تاریخ میں اس کی نظیریں ملتی ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے باضابطہ معذور افراد کی مردم شماری کرائی، اور پھر معذور افراد کی خدمت کے لئے خادم مقرر فرمائے۔(٣)

---

(١) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب قرب النبی من الناس وتبرکهم به، حدیث نمبر:٦١٨٩۔

(٢) شرح نووی:١٥/ ٨٢۔

(٣) سیرت عمر بن عبدالعزیز، ابن جوزی:١٣٠۔

اور اسی نقش قدم پر چلتے ہوئے اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک نے خاص معذوروں کے لئے اسپتال قائم کئے، جہاں اطباء اور خدام متعین تھے، جنھیں تنخواہیں ملتی تھی، اور ان معذوروں کے لئے بھی وظائف متعین تھے۔(۱)

معذوروں کی دیکھ بھال کی کچھ شکلیں اس طرح ہیں :

- معذوروں کے لئے شریفانہ زندگی کی فراہمی۔
- ان کے لئے علاج اور مطلوبہ طبی تحقیقات کا انتظام۔
- ان کی حیثیت اور صلاحیت کے مطابق ان کی شادی اور ان کی تعلیم کا انتظام۔
- ان کے لئے ایسے افراد کی تقرری جو ان کی دیکھ بھال کر سکیں اور ان کی خدمت کر سکیں۔(۲)

معذور افراد کی ضروریات پہلے پوری کی جائیں

جہاں اسلام نے یہ نظام بنایا کہ معذوروں کی پوری نگہداشت کو متعین کیا اور ان کی ضروریات کی تکمیل کیسے ہوگی اس کو متعین کیا، وہیں یہ بھی طے کیا کہ اس طبقہ کے سارے کام ترجیحی طور پر ہوں گے، اور ان کی ضروریات تندرستوں کے مقابلہ میں پہلے پوری کی جائیں گی، اس بارے میں مشہور صحابی رسول حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم کا واقعہ مشہور ہے، کہ وہ شریعت کی کوئی بات پوچھنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت رُوساء اور قوم کے با اثر افراد وہاں بیٹھے تھے، اور رسول اللہ ﷺ انھیں اسلام کی جانب راغب کر رہے تھے، جس کی وجہ سے عبداللہ بن مکتوم کی جانب سے بے توجہی رہی، گر چہ انھوں نے بصارت سے محرومی کی وجہ سے اس کیفیت کو نہیں دیکھا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی؛ چنانچہ آیت: ''عبس وتولی ان جاء ہ الاعمی'' نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کی سرزنش کی گئی، اس کے بعد جب بھی یہ صحابی تشریف لاتے تو آپ خوشی خوشی ان سے ملتے، ان کے لئے چادر بچھاتے اور فرماتے : ''مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی''۔(۳)

---

(۱) البدایہ والنہایہ، لابن کثیر: ۹/۱۸۶۔

(۲) رعایۃ الرسول للضعفاء: ۱۸۔

(۳) التفسیر الکبیر: ۳۱/۵۰۔

گفتگو میں بڑوں کا خیال

سن رسیدہ افراد کے احترام کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ جب مجلس میں بڑے موجود ہوں تو انھیں گفتگو کا موقع دیا جائے، اس تعلیم سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ گفتگو شروع کرنے اور ڈائیلاگ کا آغاز کرنے کا حق بھی سن رسیدہ کو ہے، رافع بن خدیج اور سہل بن ابی حثمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سہل اور محیصہ بن مسعود خیبر آئے، کھجور کے بارے میں ان دونوں کا اختلاف ہو گیا، اور عبداللہ بن سہل کا قتل ہو گیا؛ چنانچہ عبدالرحمٰن بن سہل اور مسعود کے دو لڑکے حویصیہ اور محیصہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے بھائی کے بارے میں گفتگو کی، عبدالرحمٰن جو چھوٹے تھے انھوں نے گفتگو شروع کی، آپ نے ان سے فرمایا: کبرالکبر۔(۱)

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی تربیت اس طرح فرمائی تھی کہ صحابہ کرام اپنے بڑوں کی موجودگی میں کوئی بات کرنے سے احتیاط کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ سے دریافت کیا کہ مسلمان کی مثال کس درخت سی دی گئی ہے، میرے دل میں خیال آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے؛ لیکن مجھے بتاتے ہوئے اچھا نہیں لگا؛ کیوں کہ اس مجلس میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے افراد بیٹھے تھے۔(۲)

باجماعت نماز میں بوڑھوں کی رعایت

رسول اللہ ﷺ حاجت مندوں اور سن رسیدہ افراد کا اتنا خیال فرماتے کہ نماز جیسی اہم ترین عبادت کو ان کی دشواری کی وجہ سے مختصر فرمادیتے، حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز میں بچوں کے رونے کی آواز سنتے تو چھوٹی سورتیں پڑھتے اور نماز کو مختصر فرمادیتے۔(۳)

آپ ﷺ سن رسیدہ اور حاجت مندوں کی موجودگی میں طویل جماعت پسند نہیں فرماتے؛ بلکہ اس بارے میں سخت انداز میں ناراضگی کا اظہار فرمایا، ابومسعود بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی

(۱) صحیح بخاری، کتاب الادب باب اکرام الکبیر، حدیث نمبر: ۵۶۷۷۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب این یقوم الامام من المیت للصلاۃ، حدیث نمبر: ۲۲۸۱۔

(۳) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب امر الائمۃ بتخفیف الصلاۃ فی تمام، حدیث نمبر: ۴۷۰۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں صبح کی نماز میں اس لئے حاضر نہیں پاتا کہ فلاں شخص لمبی نماز پڑھاتے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی گفتگو میں اس دن سے زیادہ غصہ نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا :

ان منکم منفرین فایکم ماصلی بالناس فلیتجوز
فان فیھم الضعیف والسقیم وذا الحاجۃ ۔ (۱)

بوڑھے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا خصوصی حکم

بوڑھے اور سن رسیدہ افراد ماں باپ بھی ہوسکتے ہیں اور قریبی رشتہ دار بھی اور معاشرہ کے دوسرے افراد بھی، یوں تو ہر طرح کے بوڑھوں کی دیکھ بھال کا حکم ہے؛ لیکن بوڑھے ماں باپ کے بارے میں خصوصی ہدایات ہیں، والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں روایتیں کثرت سے ہیں، یہاں صرف چند روایات پر اکتفا کرتے ہیں، حضرت ابوہریرہؓ نقل کرتے ہیں کہ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے حسن سلوک کا زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں، انھوں نے دریافت کیا اس کے بعد کون؟ آپ فرمایا تمہاری ماں، انھوں نے تیسری بار سوال کیا اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں، اور چوتھی بار اسی سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا تمہارے باپ۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں، آپ نے پوچھا کیا تمہارے والدین زندہ ہیں، انھوں نے جواب دیا، ہاں، آپ نے فرمایا: ''ففیھما فجاھد''۔ (۳)

بچپن سے ہی بڑوں کے اکرام کی تعلیم

رسول اللہ ﷺ نے اُمت کو یہ اخلاق سکھایا کہ بچے بڑوں کو سلام کریں گے؛ تاکہ ان کے ذہنوں میں بڑوں کی عزت کا نقش بیٹھے، دوسری جانب بوڑھوں کو معاشرہ میں اپنی عزت

(۱) صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب تخفیف الامام فی القیام واتمام الرکوع والسجود، حدیث نمبر: ۷۰۲۔
(۲) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبۃ، حدیث نمبر: ۵۶۲۶۔
(۳) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب لا یجاھد الا باذن الابوین، حدیث نمبر: ۵۶۲۷۔

اورلوگوں کے دلوں میں ان کے لئے محبت کا احساس ہو،حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا :

يسلم الصغير على الكبير والمار على القاعد والقليل على الكثير ۔ (۱)

معذوروں کے ساتھ عفوودرگذر کا معاملہ

رسول اللہ ﷺ کی رحمت جاہل معذوروں کومعاف کرنے کی شکل میں بھی ظاہر ہوتی ہے، آپ ایسے لوگوں کی گستاخیوں کومعاف فرمادیتے تھے،اس طبقہ کے سفہاء کے ساتھ نرمی سے پیش آتے تھے،شوال ۳ہجری مطابق اپریل ۶۲۴ء کو جب رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ اُحد کے لئے عازم سفر تھے،اورایک منافق نابینا شخص کے باغ سے گزرنے کا ارادہ فرمایا تو وہ آپ کو نعوذ باللہ سب وشتم کرنے لگا اور ہتک عزت کے درپے ہوا، یہاں تک کہ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک مٹھی مٹی لی اور کہنے لگا کہ اگر میں آپ پر یہ مٹی دال سکتا تو ڈال دیتا، یہ دیکھ کر صحابہ لپکے؛ تاکہ اس گستاخی پراس کی گردن اُڑادیں؛لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کوانگیز فرمایااور پھرارشادفرمایا:

''دعوه فهذا الاعمى اعمى القلب اعمى البصر''۔(۲)

رسول اللہ ﷺ نے اس منافق کی معذوری کی وجہ سے اس کی حرکت سے صرف نظر کیا، ورنہ صحابہ تو جنگ کے لئے پابہ رکاب تھے ہی ، اور حالات بھی کشیدہ تھے، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے معذوری کالحاظ کرتے ہوئے مسلمانوں کوکسی اقدام سے منع فرمایا۔

معذوروں کی عیادت اوران سے ملاقات

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پرجوحقوق عائد ہوتے ہیں ان میں ایک مریضوں کی عیادت بھی ہے، آپ ﷺ نے خاص طور پر مریضوں کی عیادت کاحکم دیا ہے،فرمایا :

عودوا مرضاكم اتبعوا الجنائز تذكركم الآخرة ۔ (۳)

---

(۱) صحیح بخاری، باب تسلیم القلیل علی الکثیر، حدیث نمبر: ۶۲۳۱۔
(۲) السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: ۳/۵۷۔
(۳) سنن الکبری، بیہقی، کتاب الجنائز، باب الامر بعیادۃ المریض، حدیث نمبر: ۶۸۱۷۔

مریضوں کی عیادت کرنا خود آپ ﷺ کے معمولات میں شامل ہے، سہل بن حنیف اپنے والد کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ :

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ياتي ضعفاء المسلمين ويزورهم ويعود مرضاهم ويشهد جنائزهم ۔ (١)

آپ کمزور مسلمانوں کے پاس تشریف لے جاتے، ان سے ملتے، ان کے مریضوں کی عیادت کرتے، اور ان کے جنازہ میں شریک ہوتے۔

مریضوں کی عیادت کا مقصد ان کی غم خواری کرنا اور ان کا دل بہلانا ہوتا ہے؛ تا کہ ان کی پریشانیوں کا بوجھ ہلکا ہو، ظاہر ہے اس ہمدردی اور غمواری کے زیادہ مستحق معذور افراد ہوتے ہیں۔

معذوروں کی دلجوئی

رسول اللہ ﷺ ایسے افراد سے ملنے جایا کرتے تھے، ان کے دل کو خوش کرنے کی کوشش کرتے، ان میں اعتماد اور حوصلہ پیدا کرتے، اور اس طرح انھیں خوشی دیتے، اور ان کی خوشی کے لئے ان کی خواہشوں کو نہ صرف قبول فرماتے؛ بلکہ ان کے لئے پریشانیاں بھی انگیز فرماتے، حضرت عتبان بن مالک بدری صحابی ہیں، آنکھ سے معذور ہیں، انھوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے گھر تشریف لائیں اور کسی جگہ نماز پڑھ دیں؛ تا کہ وہ اس جگہ کو نماز کے لئے متعین کرلیں، آپ ﷺ نے ان کی خوشی کے لئے اس بات کو قبول فرمالیا، صحیح بخاری کی روایت ہے کہ عتبان بن مالک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کبھی تاریکی ہوتی ہے، کبھی بارش ہوتی ہے، میں بصارت سے محروم ہوں، آپ میرے گھر کے کسی حصہ میں نماز پڑھ دیجئے؛ تا کہ میں اس جگہ کو اپنے لئے نماز گاہ بنالوں، آپ نے فرمایا: سافعل انشاء اللہ، پھر دوسرے دن آپ ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ ان کے گھر تشریف لائے اور پوچھا کہ کس جگہ نماز پڑھانا چاہتے ہیں، پھر اس جگہ آپ نے نماز پڑھی۔ (٢)

(١) مستدرک علی الصحیحین، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ ق، حدیث نمبر: ٣٧٣٥۔

(٢) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب الرخصۃ فی المطر والعلۃ ان یصلی فی رحلہ، حدیث نمبر: ٦٣٦۔

معذوروں کے لئے دُعا کرنا

رسول اللہ ﷺ کا ایک معمول یہ بھی تھا کہ آپ معذوروں اور پریشان حالوں کے لئے دُعا فرماتے تھے؛ تاکہ انھیں سکون ملے اور پریشانیاں جھیلنے کا حوصلہ پیدا ہو، ایک نابینا صحابی حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے لئے دُعا فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحت سے نوازے، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اگر تم چاہو تو اس دُعا کو موخر کردیں یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور اگر چاہو تو دُعا کردیں، انھوں نے جواب دیا میرے لئے دُعا کیجئے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں دُعا سکھائی، اور دُعا کا طریقہ بھی سکھایا۔(۱)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ کسی مریض کی عیادت فرماتے یا کوئی مریض آپ کے پاس لایا جاتا تو آپ یہ دُعاء پڑھتے تھے:

اذهب الباس رب الناس اشف وانت الشافی لا شفاء
الا شفائک شفاء لا یغادر سقما۔ (۲)

معذوروں اور سن رسیدہ افراد سے تمسخر کی ممانعت

اکثر معاشروں میں معذور اور سن رسیدہ افراد تفریح کا ذریعہ ہوتے ہیں، ان کا مذاق اُڑایا جاتا ہے، ان سے دل لگی کی جاتی ہے، اور انھیں پریشان کرکے خوشی محسوس کی جاتی ہے، جس کی وجہ سے معذور افراد بیک وقت دو طرح کے عذاب سے دو چار ہوتے ہیں، ایک لوگوں سے دوری ومہجوری اور دوسرے تمسخر واستہزاء، اسلام اس طرز عمل کو سخت ناپسند کرتا ہے؛ کیوں کہ یہ احترام کے خلاف ہے، اسلام عام انسان کے ساتھ بھی تمسخر واستہزء کو حرام قرار دیتا ہے، چہ جائیکہ معذور افراد کے ساتھ، اس لئے ایسے افراد کے ساتھ استہزاء وتمسخر بدرجہ اولیٰ حرام اور سخت گناہ کی بات ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ
يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ ۔ (الحجرات:۱۱)

اسلام کا شعار تو یہ ہے: ’’لا تظهر الشماتة لاخیک فیرحمه الله ویبتلیک‘‘۔(۳)

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب اللھم انی اسئلک، حدیث نمبر: ۳۹۲۷۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب المرضی باب دعاء العائد للمریض، حدیث نمبر: ۵۶۵۷۔

(۳) سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة، باب النھی عن اظھار الشماتة، حدیث نمبر: ۲۶۹۴۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن رسیدہ افراد کے ساتھ استہزاء سے منع فرمایا ہے: حضرت ابوامامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن رسیدہ افراد کے بارے میں ارشاد فرمایا:

ثلاث لا یستخف بھم الا منافق : ذوالشیبۃ فی الاسلام و ذوالعلم و امام مقسط ۔ (طبرانی)

تین طرح کے افراد ایسے ہیں کہ کوئی منافق ہی ان کے ساتھ استہزاء کرسکتا ہے، اول سن رسیدہ مسلمان، دوسرے اہل علم اور تیسرے عادل بادشاہ۔

استہزاء میں بدتمیزی، ناشائستہ القاب سے نوازنا، تفریح کرنا اور ہر ایسی بات جن سے ان کو تکلیف پہنچتی ہو، شامل ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اندھوں کو گمراہ کرنے، ان کو تکلیف پہنچانے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ملعون من کمه اعمی عن الطریق ۔ (۱)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''**لعن اللہ من کمه اعمی عن السبیل**''۔ (۲)

زہیر بن حرب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ قریش کے کچھ نوجوان حضرت عائشہؓ کے پاس آئے، اس وقت آپ منیٰ میں تھیں، وہ سب ہنس رہے تھے، حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا تم لوگ کس وجہ سے ہنس رہے ہو، انھوں نے جواب دیا، ایک آدمی خیمہ کی رسی پر گر پڑا، جس کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ اس کی گردن ٹوٹ گئی ہو یا اس کی آنکھ ضائع ہوگئی ہو، حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہنسو مت، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

ما من مسلم یشاک شوکۃ فما فوقھا الا کتبت له بھا درجۃ و محیت عنه بھا خطیئۃ ۔ (۳)

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۱/۲۱۷۔

(۲) مسند احمد بن حنبل: ۱/۳۱۷۔

(۳) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب ثواب المومن فیما یصیبہ من مرض اوحزن اونحو ذلک، حدیث نمبر: ٦٧٢٦۔

جولوگ خلقی عیوب کو تمسخر کا ذریعہ بناتے ہیں، اوراس کی وجہ سے اس کی تنقیص کرتے ہیں، ان کے لئے سخت وعیدیں ہیں، معذور افراد والد کے درجہ میں ہوں گے یا بھائی کے درجہ میں یا لڑکے کے درجہ میں، اللہ تعالیٰ نے انھیں آزمائش میں ڈالا ہے، وہ خاموش واعظ ہیں، اللہ کی قدرت کے مجسم گواہ ہیں، نہ کہ تفریح اور دل لگی کا ذریعہ۔(۱)

سن رسیدہ اور معذور افراد کے لئے شرعی مسائل میں تخفیف

اسلامی تعلیمات میں سن رسیدہ اور معذور افراد کو جو اہمیت حاصل ہے، ان کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ بہت سے شرعی مسائل میں ان کے لئے تخفیف رکھی گئی ہے، مثلاً :

سن رسیدہ اور معذور افراد کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہوں تو بیٹھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں، اور بیٹھ کر بھی پڑھنے پر قادر نہ ہوں تو لیٹ کر پڑھ سکتے ہیں۔

اگر ایسے افراد روزہ رکھنے پر قادر نہ ہوں تو ان کے لئے افطار کرنے کی اجازت ہے۔

سن رسیدہ اور معذور سفر حج پر قادر نہ ہوں تو ان کی جانب سے دوسرے افراد کو حج کرنے کی اجازت ہے۔

معذور افراد جہاد سے مستثنیٰ ہیں، حضرت زید بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مجھے یہ آیت لکھوا رہے تھے: ''**لا یستوی القاعدون من المومنین والمجاھدون فی سبیل اللہ**'' اسی وقت حضرت عبداللہ بن مکتوم تشریف لائے، انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر میں جہاد کرنے پر قادر ہوتا تو ضرور جہاد میں شریک ہوتا؛ حالاں کہ وہ نابینا تھے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ پر وحی نازل فرمائی، اور 'غیر اولی الضرر' نازل ہوئی۔(۲)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّ لَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ وَمَنْ یَّتَوَلَّ یُعَذِّبْہُ عَذَابًا اَلِیْمًا۔ (الفتح:۱۷)

(۱) رعایۃ الرسول للضعفاء:۲۳۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب قول اللہ 'لا یستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر، حدیث نمبر:۲۸۳۲۔

خلاصۂ بحث

سن رسیدہ اور معذور افراد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اُسوہ سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں :

(۱) سن رسیدہ اور معذور افراد کا ہر طرح احترام کیا جائے اور سماج میں انھیں بہتر مقام دیا جائے۔

(۲) ان کے جذبات واحساسات کو بھی ٹھیس پہنچانے سے گریز کیا جائے۔

(۳) سن رسیدہ اور معذور افراد کی دیکھ بھال کی جائے ،صحت کے اعتبار سے،اور نفسیاتی، عقلی،معاشرتی ہر اعتبار سے۔

(۴) ان کے مسائل کو ترجیحی بنیاد پر حل کیا جائے اور ان کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔

(۵) ان کی جہالت ونادانی کو انگیز کیا جائے۔

(۶) سن رسیدہ اور معذوروں کی عیادت کرنا،اور ان سے ملنا،ان کے لئے دُعائیں کرنا۔

(۷) ان کے ساتھ تمسخر واستہزاء کا برتاؤ نہ کرنا۔

(۸) ان کی گوشہ نشینی کو ختم کرنا اور انھیں معاشرہ کا حصہ بنانا۔

(۹) شرعی احکام میں ان کی معذوری کی رعایت کرنا۔

● ● ●

سلسلۂ رسائل سیرت

۵

جانوروں پر رحم اور اُسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی

ناشر

المعهد العالی الاسلامی حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

پیش لفظ

قرآن مجید نے اپنے لانے والے کی جو تصویر پیش کی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں، نہ آپ کی رحمت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے، نہ عربوں کے ساتھ، نہ کسی خاص رنگ و نسل کے لوگوں کے ساتھ؛ یہاں تک کہ آپ کی رحمت وشفقت بنی نوع انسان تک بھی محدود نہیں ہے؛ بلکہ آپ ﷺ نے دوسری مخلوقات کے ساتھ بھی رحم وکرم کی تعلیم دی ہے؛ مگر افسوس کہ غیر مسلم بھائی سیرت محمدی کے اس پہلو سے واقف نہیں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ صرف مسلمانوں کے پیغمبر اور محسن ہیں، مغربی مصنفین اگر بہت مہربان ہوں تو زیادہ سے زیادہ آپ ﷺ کو عربوں کا نبی قرار دیتے ہیں۔

اسی پس منظر میں سہ روزہ بین الاقوامی سیرت نبوی سیمینار — جو ۱۲-۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق: ۲۱-۲۳ر فروری ۲۰۱۶ء کو المعهد العالی الاسلامی حیدرآباد میں منعقد ہو رہا ہے — کی مناسبت سے ۱۶ر رسائل کی ترتیب کا منصوبہ بنایا گیا، جس میں رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر رحمۃ للعالمینی کو پیش کیا جائے اور برادرانِ وطن کے درمیان آپ ﷺ کا صحیح تعارف کرایا جائے، کوشش کی گئی ہے کہ یہ رسائل مختصر ہوں، زبان آسان ہو اور ہر بات معتبر حوالہ سے کہی جائے، انشاءاللہ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ تک کوشش کی جائے گی کہ انگریزی اور ہندوستان کی تمام علاقائی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو جائے اور اسے بڑی تعداد میں برادرانِ وطن تک پہنچایا جائے۔

اسی سلسلہ کا ایک حصہ یہ رسالہ ''جانوروں پر رحم اور اُسوۂ نبوی ﷺ'' ہے، جس کو جناب ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی (لکچرر: گورنمنٹ جونیر کالج شادنگر، تلنگانہ) نے مرتب کیا ہے — **فجزاہ اللہ خیر الجزاء** — دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اس کے مقصد کے اعتبار سے مفید بنائے اور رسول اللہ ﷺ کے تعارف کی جو ذمہ داری اس اُمت پر ہے، اس کا کوئی حصہ اس کوشش کے ذریعہ ادا ہو سکے، **ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم**۔

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم: المعهد العالی الاسلامی حیدرآباد)

۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
۲۱ر فروری ۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رحم ایک عظیم جذبہ ہے، جو بلکتے، سسکتے، دبے کچلے، بے سہارا اور ستم رسیدہ افراد کے دکھ درد اور ظلم وناانصافی پر تڑپنے اور انھیں دور کرنے کی طاقت رکھتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص صفت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات پر سایہ فگن فرمایا ہے، اللہ ارحم الراحمین نے اس رحمت کو اپنی مخلوقات پر عام وتام کرنے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کا مبارک سلسلہ جاری فرمایا اور سب سے آخر میں سرورِ کائنات، سیّدالانبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا :

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ (الانبیاء:۱۰۷)

اور (اے محمد ﷺ!) ہم نے تم کو سارے جہان والوں کے لئے پیکر رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

جس طرح آپ ﷺ کی نبوت ورسالت قیامت تک آنے والے تمام افراد کے لئے ہے، اسی طرح آپ ﷺ کی رحمت وشفقت قیامت تک کی تمام مخلوقات کے لئے ہے؛ کیوں کہ رحمت کی ضرورت نہ صرف جن وانس کو؛ بلکہ تمام ذی روح مخلوق کو ہے۔

رحمت عالم ﷺ نے اپنے طرز عمل اور قول وفعل سے انسانوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات کے لئے بھی شفقت ورحم کا عمدہ نمونہ چھوڑا ہے اور انسانوں کے علاوہ حیوانات اور چرند وپرند کے لئے فطری ماحول اور محفوظ وپرامن جائے پناہ عطا کرنے اور ان کی غذائی ضرورت کا خیال رکھنے کی تلقین کی ہے، اس پر عمل کر کے ہم نہ صرف حیوانات کے تحفظ وبہبود کے منصوبے کو کامیاب بنا سکتے ہیں؛ بلکہ دنیا کے بدلتے ہوئے فطری ماحول، بگڑتے حالات، ماحولیاتی آلودگی اور ماحولیاتی عدمِ توازن کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔

جانور اور پرندہ کا دانہ کھانا صدقہ

رسول اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں شجر کاری اور کاشت کاری کی فضیلت یہ بیان کی ہے کہ درخت اور کھیت سے انسان اور جانور کے پیٹ میں جو دانہ چلا جائے، وہ درخت اور کھیت لگانے والے کے لئے صدقہ ہوگا :

ما من مسلم يغرس غرسا أو يزرع زرعا فيأكل منه طير أو إنسان أو بهيمة إلا كان له به صدقة ۔ (۱)

جو مسلمان کوئی درخت یا کھیتی لگا تا ہے اور اس سے پرندے، انسان یا جانور کچھ کھا لیتے ہیں تو یہ اس کے لئے صدقہ ہے۔

اس حدیث پر عمل کرنے سے نہ صرف ماحولیات کا تحفظ ہوگا؛ بلکہ غذائی ضروریات کی تکمیل ہوگی اور مخلوقات کی خدمت کا ثواب بھی حاصل ہوگا۔

جانوروں کے ساتھ بہتر سلوک

جس طرح آپ ﷺ نے انسانوں کے کمزور طبقات جیسے: غلام، بچے اور خواتین کے حقوق وتحفظ کے بارے میں اللہ سے ڈرنے کی تاکید کی ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے بے زبان جانوروں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرایا ہے؛ چنانچہ ارشاد فرمایا:

اتقوا الله في البهائم المعجمة، فاركبوها صالحة، وكلوها صالحة ۔ (۲)

بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ان پر بھلے طریقہ سے سواری کرو اور بھلے طریقہ سے انھیں کھاؤ۔

آپ ﷺ نے جانوروں اور تمام مخلوقات کے ساتھ بہتر سلوک کرنے اور ان سے بہتر طور پر پیش آنے کی تاکید فرمائی ہے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے بیان فرمایا:

إن الله كتب الإحسان على كل شئى فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، وليحد أحدكم شفرته، وليرح ذبيحته ۔ (۳)

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، جب تم قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو، جب ذبح کرو تو اچھے طریقہ سے ذبح کرو، اپنی چھری تیز کر لو اور اپنے جانور کو آرام پہنچاؤ۔

---

(۱) بخاری: ۱/ ۳۱۲، کتاب المساقاۃ، باب فضل الزرع والغرس۔

(۲) ابوداؤد: ۱/ ۳۴۵، کتاب الجهاد، باب مايؤمر به من القيام على الدواب والبهائم۔

(۳) ابوداؤد: ۲/ ۳۸۹، باب فى النهى ان تصبر البهائم والرفق بالذبيحة۔

آپ ﷺ کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں سے ہر موقع پر بہتر سلوک کرنا چاہئے، جانوروں کو ذبح کرنا اوران کے اجزاء کو استعمال میں لانا فطری ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہے؛ لیکن ذبح کرنے کے لئے آپ ﷺ نے ایسا مہذب طریقہ بیان فرمایا ہے، جس سے جانور کو کم سے کم تکلیف ہو، اسی لئے آپ ﷺ نے اونٹوں میں نحر اور دوسرے جانوروں میں ذبح کے طریقہ کو پسند فرمایا ہے نحر میں اونٹ کے سینے کے پاس جمع شدہ رگوں کو کاٹ دیا جاتا ہے، جس سے اس کی جان بہت آسانی سے نکل جاتی ہے، بچپن میں ہم نے اپنے محلہ میں دیکھا کہ لاعلمی کی وجہ سے لوگوں نے اونٹ کو عام جانور کی طرح ذبح کردیا، جس سے اونٹ کی جان بڑی مشکل سے نکلی اور ذبح کرنے والوں کو بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔

رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو تڑپا تڑپا کر اور کند چھری سے ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے، نیز زندہ جانور کا گوشت کاٹ کر کھانے سے منع فرمایا ہے، زمانۂ جاہلیت میں لوگ زندہ اونٹ کی کوہان کاٹ کر کھاتے تھے، آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور کٹے ہوئے حصہ کو مردار گوشت کے زمرہ میں قرار دیا ہے :

ما أبين من البهيمة وهي حية فهي ميتة ۔ (۱)

زندہ جانور سے جو حصہ کاٹ لیا جائے وہ مردار ہے۔

جانوروں کو لڑانے کی ممانعت

زمانۂ جاہلیت سے بہ طور تفریح جانوروں کو لڑانے کا رواج ہے، یورپ میں آج بھی ''بُل فائٹنگ'' کے نام سے بیلوں کی لڑائی کا اہتمام قومی جشن کے طور پر کیا جاتا ہے اور اس ہلاکت خیز لڑائی کو یورپی اقوام بڑے جوش وخروش سے دیکھتی ہیں اور جانوروں کی ہلاکت پر انھیں کوئی افسوس نہیں ہوتا، خود ہمارے معاشرہ میں مرغ بازی، تیتر بازی اور کبوتر بازی تفریح کے دل دادہ حضرات کا پسندیدہ ومحبوب مشغلہ اور منفعت بخش تجارت ہے۔

حالیہ رپورٹ کے مطابق ہر سال ہمارے ملک میں دیوالی کے موقع پر ایک لاکھ سے زائد جانوروں اور پرندوں کی ہلاکتیں واقع ہوتی ہیں، میڈیا رپورٹ کے مطابق سب سے ظالمانہ پہلو یہ

---

(۱) ترمذی، حدیث نمبر: ۱۴۸۰، باب ماقطع من الحی فھو میت۔

ہے کہ بعض نوجوان کتوں اور بلیوں کے جسم پر پٹاخے کی لڑیاں باندھ کر ان میں آگ لگا دیتے ہیں، جس کے باعث جانور جھلس کر اور زخموں کی تاب نہ لا کر ہلاک ہوجاتے ہیں۔(۱)

جانوروں کو نشانہ بنانے والوں پر لعنت

اللہ کے رسول ﷺ نے محض تفریح اور شیطانی خواہشات کی تسکین کے لئے جانوروں یا پرندوں کو باندھ کر نشانہ بنانے سے منع فرمایا ہے اور ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے، جیسا کہ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں :

كنت عند ابن عمر رضی الله عنه فمروا بفتية أو بنفر نصبوا دجاجة يرمونها ، فلما رأوا ابن عمر تفرقوا عنها ، وقال ابن عمر : من فعل هذا ؟ إن النبی صلی الله عليه وسلم لعن من فعل هذا ۔ (۲)

میں سیدنا ابن عمرؓ کے ساتھ تھا، ان کا گزر چند نوجوانوں کے پاس سے ہوا، جو ایک مرغی کو باندھ کر نشانہ بازی کر رہے تھے؛ انھوں نے جب سیدنا ابن عمرؓ کو دیکھا تو اِدھر اُدھر چلے گئے، سیدنا ابن ابن عمرؓ نے فرمایا: کس نے ایسا کیا ہے؟ نبی ﷺ نے ایسا کرنے والے پر لعنت کی ہے۔

دوسری روایت میں مزید وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے :

مر ابن عمر رضی الله عنهما بفتيان من قريش قد نصبوا طيرا وهم يرمونه ، وقد جعلوا لصاحب الطير كل خاطئة من نبلهم ، فلما رأوا ابن عمر تفرقوا ، فقال ابن عمر : من فعل هذا ؟ لعن الله من فعل هذا ، إن رسول الله صلی الله عليه وسلم لعن من اتخذ شيئا فيه الروح غرضاً ۔ (۳)

---

(۱) روزنامہ منصف: ۴ر دسمبر ۲۰۱۵ء۔

(۲) بخاری، المثلة والمصبورة والمجثمة۔

(۳) مسلم: ۲/ ۱۵۳۔

سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ سیدنا ابن عمرؓ کا گزر قریش کے چند نوجوانوں کے پاس سے ہوا، وہ لوگ پرندہ کو باندھ کر اس پر تیراندازی کررہے تھے، انھوں پرندہ کے مالک کے لئے ہر غلط نشانہ پر ایک تیر مقرر کیا تھا، جب انھوں نے سیدنا ابن عمرؓ کو دیکھا تو وہ لوگ منتشر ہوگئے، ابن عمرؓ نے کہا: کس نے ایسا کیا؟ جس نے ایسا کیا اس پر اللہ کی لعنت ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر لعنت کی ہے جو کسی ذی روح کو نشانہ بنائے۔

اس حدیث کے آخری جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی ذی روح پرندہ یا جانور غیرہ کو ستانا اور تڑپانا جائز نہیں ہے۔

جانوروں کے چہرہ کو داغنے پر پابندی

جانوروں کو ایذا دینے کا ایک طریقہ ان کے چہروں کو داغنا اور چہروں پر مارنا ہے، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا :

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الضرب في الوجه وعن الوسم في الوجه ۔ (۱)

مسند احمد کی روایت میں ہے :

ينهى عن لطم خدود الدواب ۔ (۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے گالوں پر طمانچہ لگانے سے منع فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کا چہرہ داغنے سے بھی منع فرمایا ہے، جیسا کہ سیدنا حضرت جابرؓ کا بیان ہے :

عن جابر أن النبي صلى الله عليه وسلم مر عليه حمار قد وسم في وجهه فقال : لعن الله الذي وسمه ۔ (۳)

---

(۱) مسلم: ۲/ ۲۰۲، باب جاء النهي عن ضرب الحيوان في وجهه ووسمه فيه ۔

(۲) مسند احمد حدیث نمبر: ۱۷۸۰۔

(۳) مسلم: ۲/ ۲۰۲، باب النهي عن ضرب الحيوان۔

سیدنا جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس سے ایک گدھا گزرا، جس کا چہرہ داغا ہوا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس داغنے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔

جانوروں کا مثلہ

آپ ﷺ نے جانور کو مثلہ کرنے یعنی جانور کا کچھ عضو کاٹ کر اس کا چہرہ بگاڑ دینے سے بھی منع فرمایا ہے اور ایسا کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے؛(۱) چنانچہ نسائی کی حدیث میں ہے :

عن عبد الله بن جعفر رضی الله عنه قال : مر رسول الله صلی الله علیه وسلم علی أناس وهم یرمون کبشا بالنبل ، فکره ذلک وقال : لا تمثلوا بالبهائم ۔ (۲)

سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر چند لوگوں کے پاس سے ہوا، وہ لوگ ایک مینڈھے پر تیر سے نشانہ لگا رہے تھے، آپ نے اسے ناپسند کیا اور فرمایا: جانوروں کو مثلہ نہ کرو۔

جانوروں کو بلا ضرورت مشقت میں نہ ڈالا جائے

رسول اکرم ﷺ نے جانوروں کا خیال رکھنے، اس پر ضرورت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالنے کا حکم اور ان کا استحصال کرنے سے منع فرمایا ہے؛ چنانچہ ارشاد فرمایا :

لا تتخذوا ظهور دوابکم منابر ، فإن الله تعالیٰ إنما سخرها لکم لتبلغکم إلی بلد لم تکونوا بالغیه إلا بشق الأنفس ، وجعل لکم الأرض ، فعلیها ، فاقضوا حاجاتکم ۔

تم اپنے چوپایوں کی پیٹھوں کو منبر نہ بنالو، اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لئے مسخر کیا ہے؛ تاکہ تم اپنے شہر کو پہنچ سکو، جہاں مشقت کے بغیر تم نہیں پہنچ سکتے

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر:۸۲۹۔

(۲) سنن نسائی:۲/۲۰۹۔

تھے، اللہ نے تمہارے لئے زمین بنائی، اس پر اپنی ضرورتیں پوری کرو۔

ایک روایت میں ہے :

لا تتخذوها كراسي ۔ (۱)

چوپایوں کو کرسیاں نہ بناؤ۔

فطرت کے مطابق کام لیا جائے

ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا کہ کہ بلاضرورت جانوروں کو مشقت دینا جائز نہیں ہے، جو کام جانور سے متعلق نہیں ہے اور جس کام میں جانور کی مدد کی ضرورت نہیں ہے، ایسے کام میں جانور کی مدد لینا مناسب نہیں ہے، نیز ایسے کام جو جانور کی صلاحیت اور مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہیں، ان سے ایسے کام لینا مناسب نہیں ہے، جیسے : گھوڑے سے ہل جتوانا اور بکرے یا گائے سے سواری یا بار برداری کا کام لینا؛ چنانچہ صحیح بخاری میں آپ ﷺ سے ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے :

عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال :
بينما رجل راكب على بقرة التفتت إليه ، فقالت : لم
أخلق لهذا ، خلقت للحراثة ۔ (۲)

سیدنا ابو ہریرہؓ نبی ﷺ کا بیان نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک آدمی گائے پر سوار تھا، گائے نے اس کی طرف رخ کر کے کہا : میں اس لئے پیدا نہیں کی گئی، مجھے کھیتی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

جانور پر زیادہ افراد سوار نہ ہوں

آج دو پہیوں والی گاڑیوں میں دو سے زائد افراد کا بیٹھنا قانونی اعتبار سے ممنوع ہے، اس سے گاڑی اور سوار دونوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے از راہ شفقت ایک جانور پر تین آدمیوں کے سوار ہونے سے منع فرمایا ہے :

نهى أن يركب ثلاثة على دابة ۔ (۳)

---

(۱) مسند احمد حدیث نمبر : ۱۵۲۳۹۔

(۲) بخاری : ۱/ ۳۱۲، ابواب الحرث والمزارعة، باب استعمال البقر للحراثة ۔

(۳) المعجم الاوسط، حدیث نمبر : ۷۵۱۲۔

جانور کو بھوکا رکھنا

ایک مرتبہ رحمت للعالمین ﷺ ایک انصاری صحابیؓ کے باغ میں گئے، اس میں ایک اونٹ تھا، آپ ﷺ کو دیکھ کر وہ اونٹ سسکنے لگا، اس کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے، آپ ﷺ اس اونٹ کے پاس گئے، اس کی کوہان اور گردن سہلائی، تو اونٹ نے سسکنا بند کر دیا، آپ ﷺ نے دریافت کیا: اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک نوجوان انصاریؓ نے آ کر عرض کیا: یہ میرا اونٹ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس جانور کے بارے میں اللہ سے ڈرتے نہیں ہو، جس نے تم کو اس کا مالک بنایا ہے؟ یہ اونٹ مجھ سے شکایت کر رہا ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور اس کو مسلسل خوب تیز ہانکتے ہو۔(١)

دورانِ سفر چارہ کا خیال رکھنا

حضور اکرم ﷺ نے تاکید فرمائی ہے کہ دوران سفر ہریالی کی جگہ میں جانور کو چرنے کا موقع دیا جائے اور خشک سالی کی جگہ سے جانور کو تیز بھگایا جائے؛ تاکہ منزل جلد پہنچ کر جانور کو چارہ اور پانی حاصل ہو سکے؛ چنانچہ ارشاد ہے:

> إذا سافرتم فی الخصب فأعطوا الإبل حظها من الأرض ، فإذا سافرتم فی السنة فبادروا بها نقيها ، وإذا عرستم بالليل فاجتنبوا الطريق ، فإنها طرق الدواب ومأوى الهوام بالليل ـ (٢)
>
> جب تم ہریالی کی جگہ میں سفر کرو، تو اونٹ کو زمین میں چرنے کا حق دو اور جب خشک سالی میں سفر کرو تو تیز تیز سواری بھگاؤ اور اس کو جلد پانی کی جگہ پہنچاؤ، جب تم رات میں کہیں قیام کرو، تو راستہ سے ہٹ کر ٹھہرو؛ کیوں کہ یہ رات میں جانورروں کی گزرگاہ اور حشرات الارض کا ٹھکانہ ہے۔

---

(١) ابوداؤد: ١/ ٣٤٥، مسند احمد: ٢٠٤۔

(٢) مسلم: ٢/ ١٤٤، کتاب الامارۃ، باب مراعاۃ الدواب فی السیر، حدیث نمبر: ١٩٢٦۔

حشرات الارض کی رعایت

اس حدیث میں آپ ﷺ نے جانوروں کے ساتھ حشرات الارض کا بھی خیال کرنے کی تاکید فرمائی ہے کہ دن میں جن راستوں سے چل کر انسان اپنی ضروریات کی تکمیل کرتا ہے، رات میں جانور اور حشرات الارض ان ہی راستوں سے چل کر اپنی روزی تلاش کرتے ہیں؛ چنانچہ رات میں بڑے راستہ میں نماز پڑھنے سے بھی آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے :

لا تصلوا على جواد الطريق ولا تنزلوها ، فإنها مأوى الحيات والسباع ۔ (۱)

بڑے راستہ میں نماز نہ پڑھو اور نہ وہاں قیام کرو؛ کیوں کہ وہ سانپوں اور درندہ جانوروں کا ٹھکانہ ہے۔

آپ ﷺ نے رات کے وقت زمین میں زیادہ پھرنے سے بھی منع فرمایا ہے؛ تاکہ جانوروں کو وحشت نہ ہو :

أقلوا الخروج بعد هدأة الرجل ، فإن لله تعالىٰ دواب بيتهن في الأرض ۔ (۲)

رات میں چہل پہل ختم ہونے کے بعد کم نکلا کرو؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی کچھ مخلوق ہیں جن کا گھر زمین میں ہے۔

پرندوں پر رحم اور چیونٹیوں کو جلانے کی ممانعت

رسول اللہ ﷺ نے پرندوں کے بچے پکڑ کر بچے اور ان کی ماں کو ستانے سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے :

كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر ، فانطلق لحاجته ، فرأينا حمرة معها فرخان ، فأخذنا فرخيها ، فجاءت الحمرة فجعلت تعرش فجاء النبي صلى الله عليه وسلم

---

(۱) مجمع الزوائد: ۲۱۳/۳۔

(۲) ابوداؤد: ۶۹۶/۲، کتاب الادب، باب فی الدیک والحیوان۔

فقال : من فجع هذه بولدها ؟ ردوا ولدها إليها ، ورأى قرية نمل قدحرقنا ، فقال : من حرق هذه ؟ قلنا : نحن قال : إنه لا ينبغي أن يعذب بالنار إلارب النار ۔ (۱)

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی سفر میں تھے، آپ کسی ضرورت سے گئے ہوئے تھے، ہم نے ایک سرخ پرندہ دیکھا، جس کے دو چوزے تھے، ہم نے دونوں چوزوں کو پکڑ لیا، تو اس کی ماں پر مارنے لگی، آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: کس نے اس پرندہ کو اس کے بچے چھین کر ستایا ہے؟ اس کو اسکے بچے لوٹا دو، آپ ﷺ نے چیونٹیوں کا ایک غول دیکھا جس کو ہم نے جلا دیا تھا، آپ ﷺ نے پوچھا: کس نے ان کو جلایا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہم نے جلایا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: آگ کے مالک کے سوا کسی دوسرے کو آگ کا عذاب دینا مناسب ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی جانور کو آگ سے جلانا ناجائز ہے اور محض تفریح کے لئے پرندوں اور جانوروں کو قید کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

جانوروں کو برا بھلا نہ کہا جائے

آپ ﷺ نے مرغ کو گالی دینے سے بھی منع فرمایا ہے؛ کیوں کہ وہ صبح میں سونے والوں کو نماز کے لئے جگاتا ہے :

لا تسبوا الديک فإنه يوقظ للصلاة ۔ (۲)

مرغ کو گالی نہ دو؛ کیوں کہ وہ نماز کے لئے بیدار کرتا ہے۔

آپ ﷺ نے جانور پر لعنت کرنے کو ناپسند فرمایا ہے؛ چنانچہ صحیح مسلم میں سیدنا عمران بن حصین اور ابو برزہ اسلمیؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں انصار کی ایک خاتون

---

(۱) ابوداؤد: ۲/۷۱۴، کتاب الادب، باب فی قتل الذر۔

(۲) ابوداؤد: ۲/۶۹۲، کتاب الادب، فی الدیک والبهائم، حدیث نمبر: ۵۱۰۵۔

بھی تھیں، وہ اونٹنی پر سوار تھیں، ان کی اونٹنی پر کچھ لوگوں کا سامان تھا، خاتون نے کسی بات پر غصہ میں آ کر اونٹنی پر لعنت کی، آپ ﷺ نے اس اونٹنی پر سے سامان ہٹا لینے کا حکم فرمایا۔(۱)

جنسی ہوس پوری کرنے والے پر لعنت

رسول اللہ ﷺ نے جانور سے جنسی ہوس کی تکمیل کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے، (۲) اور ایسے سیاہ کار کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔(۳)

ایک عام آدمی اس طرح کی خسیس حرکت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا؛ لیکن حال ہی میں یورپ کے ملک سوئٹزرلینڈ کے بارے میں انتہائی شرم ناک خبر آئی ہے کہ وہاں جانوروں اور بالخصوص گھوڑوں کے ساتھ جنسی اختلاط کے بارے میں ہوش ربا اضافہ ہوتا جا رہا ہے، رپورٹ کے مطابق سوئزرلینڈ میں اس وقت جانوروں سے جنسی ہوس پوری کرنے والے عادی افراد کی تعداد دس ہزار سے تجاوز کر چکی ہے۔(۴)

پیاسے جانور کو پانی پلانا

آنحضرت ﷺ کا جانوروں سے حسنِ سلوک کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ جانوروں کی پیاس کا خیال رکھتے اور دورانِ وضو بلّی کو اپنے برتن سے پانی پلاتے، پھر اسی بچے ہوئے پانی سے وضو فرما لیتے، جیسا کہ سیدہ عائشہؓ کا بیان ہے :

عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصغي الإناء للهر ويتوضأ بفضله ۔ (۵)

سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بلی کے لئے برتن جھکا دیتے اور اس کے بچے ہوئے پانی سے وضو فرما لیتے۔

آپ ﷺ نے گھر میں آنے جانے والے پرندے اور جانور کے جھوٹے پانی کو ناپاک قرار نہیں دیا ہے؛ تاکہ گھر والوں کو تنگی نہ ہو؛ چنانچہ ارشاد ہے :

---

(۱) مسلم: ۳۲۳/۲۔

(۲) مستدرک حاکم: ۳۵۶/۴، مجمع الزوائد: ۲۷۲/۲۔

(۳) ترمذی: ۲۶۹/۱، کتاب الحدود، باب ماجاء فیمن یقع علی البھیمة۔

(۴) روزنامہ منصف، حیدرآباد: ۶/دسمبر ۲۰۱۵ء۔

(۵) شرح معانی الآثار للطحاوی: ۱۱/۱، کتاب الطهارة، باب سور الهر۔

الهرة ليست بنجسة ، إنما هي من الطوافين عليكم والطوافات ۔ (۱)

بلّی کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ تمہارے اطراف چکر لگانے والے اور چکر لگانے والیوں میں سے ہے۔

آپ ﷺ نے بنی اسرائیل کی ایک عورت کا ذکر فرمایا کہ وہ بلی کی وجہ سے جہنم کے عذاب کی مستحق ہوگئی، اس نے بلی کو باندھ دیا تھا، وہ بلی کو نہ کچھ کھلاتی پلاتی تھی اور نہ زمین سے غذا حاصل کرنے کے لئے چھوڑتی تھی، یہاں تک کہ بلی بھوک سے مرگئی۔(۲)

جانور پر رحم کرنے سے بخشش

اس کے برخلاف آپ ﷺ نے ایک عورت کا ذکر فرمایا کہ کنویں کے قریب ایک کتا چکر لگا رہا تھا، پیاس سے اس کی جان نکلنے والی تھی کہ بنی اسرائیل کی ایک بدکار عورت کی نظر اس پر پڑی، اس نے اپنا موزہ نکالا اور کتے کو پانی پلا دیا، اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی وجہ سے اس عورت کی مغفرت فرمادی۔(۳)

صحیح بخاری میں یہ واقعہ دوسری جگہ تفصیل سے اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایک آدمی کہیں جارہا تھا، اس کو شدید پیاس لگی، اس نے کنویں میں اتر کر پانی پی لیا اور کنویں سے باہر نکل آیا، باہر ایک کتا پیاس کے مارے اپنی زبان نکالے گیلی مٹی کھا رہا تھا، اس شخص نے دل میں سوچا: اس کتے کو بھی میری طرح پیاس لگ رہی ہوگی، اس نے اپنے چمڑے کے موزے میں پانی بھرا، اس کو منھ سے دبائے رہا اور اوپر آگیا، پھر اس نے کتے کو پانی پلا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مغفرت فرمادی۔

صحابۂ کرامؓ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ کیا جانوروں کے ساتھ بھلائی کرنے میں بھی ہمیں ثواب ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر تازہ جگر والے یعنی ہر زندہ ذی روح کے ساتھ حسنِ سلوک میں ثواب ہے۔(۴)

---

(۱) شرح معانی الآثار للطحاوی: ۱/ ۱۱، کتاب الطهارة، باب سور الهر۔

(۲) بخاری: ۱/ ۴۹۵، کتاب الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل۔

(۳) بخاری: ۱/ ۴۹۳، کتاب الانبیاء۔

(۴) صحیح بخاری: ۱/ ۳۱۸، کتاب المساقاۃ، باب فضل سقی الماء۔

حدیث کے آخری جملہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ثواب کی نیت سے اگر ہم انسانوں کے علاوہ جانوروں کے ساتھ بھی بھلائی کریں، جانوروں کی تکلیف دور کرنے کی کوشش کریں، تو یہ بھی ہمارے لئے اجر وثواب کا باعث، ذخیرۂ آخرت اور جنت میں جانے کا ذریعہ ہوگا۔

غرض جانوروں، پرندوں اور حشرات الارض کے تئیں پیارے نبی ﷺ کا اُسوہ اور آپ ﷺ کے ارشادات وفرمودات ہم سے تقاضا کرتے ہیں کہ ہمارا دل اللہ کی تمام مخلوقات کے تئیں رحم وکرم کے جذبہ سے معمور ہو، اللہ کی کسی بھی مخلوق کے ساتھ ظلم وستم اور تکلیف پر ہمارا دل تڑپ اُٹھے، اور ہم اسے راحت پہنچانے کی کوشش کریں، تب ہی ہم صحیح معنوں میں رحمت للعالمین ﷺ کی اُمت کہے جانے کے مستحق ہیں۔

● ● ●

سلسلۂ رسائل سیرت

٦

مزدوروں کے ساتھ آپ ﷺ کی شفقت ورحمت

مولانا محمد عمر ناصحی ندوی

ناشر

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

پیش لفظ

قرآن مجید نے اپنے لانے والے کی جو تصویر پیش کی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں، نہ آپ کی رحمت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے، نہ عربوں کے ساتھ، نہ کسی خاص رنگ و نسل کے لوگوں کے ساتھ؛ یہاں تک کہ آپ کی رحمت و شفقت بنی نوع انسان تک بھی محدود نہیں ہے؛ بلکہ آپ ﷺ نے دوسری مخلوقات کے ساتھ بھی رحم و کرم کی تعلیم دی ہے؛ مگر افسوس کہ غیر مسلم بھائی سیرت محمدی کے اس پہلو سے واقف نہیں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ صرف مسلمانوں کے پیغمبر اور محسن ہیں، مغربی مصنفین اگر بہت مہربان ہوں تو زیادہ سے زیادہ آپ ﷺ کو عربوں کا نبی قرار دیتے ہیں۔

اسی پس منظر میں سہ روزہ بین الاقوامی سیرت نبوی سیمینار — جو ۱۲-۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق: ۲۱-۲۳/ فروری ۲۰۱۶ء کو المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں منعقد ہو رہا ہے — کی مناسبت سے ۱۶/ رسائل کی ترتیب کا منصوبہ بنایا گیا، جس میں رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر رحمۃ للعالمینی کو پیش کیا جائے اور برادرانِ وطن کے درمیان آپ ﷺ کا صحیح تعارف کرایا جائے، کوشش کی گئی ہے کہ یہ رسائل مختصر ہوں، زبان آسان ہو اور ہر بات معتبر حوالہ سے کہی جائے، انشاءاللہ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ تک کوشش کی جائے گی کہ انگریزی اور ہندوستان کی تمام علاقائی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو جائے اور اسے بڑی تعداد میں برادرانِ وطن تک پہنچایا جائے۔

اسی سلسلہ کا ایک حصہ یہ رسالہ ''مزدوروں کے ساتھ آپ ﷺ کی شفقت و رحمت'' ہے، جس کو جناب مولانا محمد عمر ناصحی ندوی (استاذ: جامعہ شاہ ولی اللہؒ، پھلت) نے مرتب کیا ہے — **فجزاہ اللہ خیر الجزاء** — دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اس کے مقصد کے اعتبار سے مفید بنائے اور رسول اللہ ﷺ کے تعارف کی جو ذمہ داری اس اُمت پر ہے، اس کا کوئی حصہ اس کوشش کے ذریعہ ادا ہو سکے، **ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم**۔

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
۲۱/ فروری ۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ نے اس عالم رنگ و بو اور اس حسین کائنات کو انسان کے فائدے کے لئے پیدا فرمایا: ''ان الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم للآخرۃ'' اور تمام مخلوقات کو انسان کا خادم اور انسان کو ان کا مخدوم بنایا، انسان کی عظمت و کرامت کا ذکر خود خالق و مالک نے اس طرح بیان فرمایا: ''ولقد کرمنا بنی آدم'' اور کہیں فرمایا ''لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم'' چار چار قسمیں کھا کر ارشاد فرمایا، انسان کی عزت اس کا خون اور اس کا مال ضائع کرنے والا اللہ کا سب سے بڑا دشمن اور اس کا کارخانہ انسانیت کا سب سے بڑا ظالم اور جابر شخص ہے؛ چناچہ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ نے ''الخلق عیال اللہ'' میں انسان کو نفع پہنچانے والا اللہ کے کنبہ کا ایک فرد بتا کر اس کو کسی بھی طرح کا فائدہ پہنچانے والا اس کے نزدیک سب سے محبوب اور پیارا ہے اور جو اللہ کے کنبہ کے کسی فرد کے حق کو پامال کرے گا وہ اللہ سے گویا کہ اعلان جنگ کرتا ہے۔

اگر ہم آج سے چودہ سو سال پہلے اس دنیا کا جائزہ لیں تو بخوبی ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ انسان انسان کی جان کا دشمن بنا ہوا تھا، اس کے مال کو بے دریغ خرچ کر رہا تھا اور اس کی عزت کو پامال کر رہا تھا اور لوگ مختلف طبقات میں بٹے ہوئے تھے انھوں نے اپنے ہی جیسے انسانوں کو غلام بنا رکھا تھا، ان کے ساتھ ہر روا اور ناروا سلوک جائز تھا، اور ان ہی میں سے ایک مزدوروں کا طبقہ بھی تھا، ایک ظلم رسیدہ اور آزمائش کا مارا ہوا طبقہ، ایسے بھیانک اور ظالمانہ دور میں رحمۃ للعالمین خاتم النبیین اور محسن انسانیت کی بعثت ہوتی ہے، اور انسان کو انسان؛ بلکہ فرشتہ صفت انسان بنانے کا کام شروع ہو جاتا ہے، مزدوروں اور ناتواں غلاموں کو ان کا حق دیا جانے لگتا ہے اور وہ بھی سماج میں عزت و شرافت کے ساتھ جینے کا سلیقہ رکھتے ہیں، بے کسوں اور بے بسوں کو سہارا ہاتھ آ جاتا ہے، ضیق و تنگی سے نکل کر ایک کشادہ فضا میں جینے لگتے ہیں، آپ ﷺ کا وجود ہر طبقہ انسانیت کے لئے سراپا رحمت ثابت ہوا۔

آپ ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو ان کے رواجی، سماجی اور خود ساختہ بندھنوں سے آزاد کیا جائے، اور معاشرۂ انسانی کا جو طبقہ بھی ظلم رسیدہ تھا اس کو ظلم وستم سے آزاد کرانے کے لئے آپ نے بیڑا اُٹھایا اور اس کو اس کا کھویا ہوا مقام واپس دلایا، آپ کی ان ہی انسانیت نواز صفات کا جامع مرقع آپ کی رفیقۂ حیات اور سب سے پہلی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ان الفاظ میں پیش کرتی ہے :

كلّا والله لا يخزيك الله ابدا ، انك لتصل الرحم وتحمل الكل وتعين علىٰ نوائب الحق ۔ (۱)

ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، کیوں کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں اور ہانپتے کانپتے لوگوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں اور مصیبت زدہ لوگوں کا تعاون کرتے ہیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ سے پہلے مزدوروں کی حیثیت

آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل انسان دوسرے انسان کے ساتھ رنگ ونسل اور زبان کی بنیاد پر امتیازی سلوک کرتا تھا عرب ساری دنیا کو عجم کہا کرتے تھے، اور گورے لوگ اپنے کو کالے لوگوں سے افضل گردانتے تھے، امیر غریب کو نہ یہ کہ اسے انسان تسلیم کرتا؛ بلکہ اسے حیوان کی حیثیت سے دیکھا کرتا تھا، طاقتور کمزوروں کو کھائے چلا جارہا تھا، حضرت جعفرؓ اس معاشرے اور اس زمانے کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

كنا قوما أهل جاهلية نعبد الأصنام ونأكل الميتة ونأتي الفواحش ونقطع الأرحام ونسيئ الجوار ويأكل القوى منا الضعيف ۔ (۲)

ہم جاہل قوم تھے ہم بتوں کی پرستش کرتے تھے اور مردار کھاتے تھے اور ہم فحش کام کرتے تھے اور رشتے ناطے توڑتے تھے

(۱) صحیح البخاری، باب بدء الوحی۔

(۲) السیرۃ النبویۃ، الشیخ ابوالحسن علی الندوی۔

اور پڑوسیوں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے اور ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا۔

غلاموں کا شریف اور آزاد انسان کی طرح جینا جمع بین الضدین کے مترادف تھا، نوکروں اور مزدوروں کو ان کا واجبی حق ادا نہیں کیا جاتا تھا، سامان لے کر اس کی قیمت پوری پوری ادا کرنا روا نہیں سمجھا جاتا تھا، مزدوروں سے محنت کرا کے ان کی اُجرت میں ٹال مٹول کا رواج بن چکا تھا۔

زمانۂ جاہلیت میں ناتواں اور مزدوروں کے حقوق مارے جانے کے کچھ واقعات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں، ڈاکٹر حمید اللہ صاحبؒ رقمطراز ہیں؟ (۱) مکی نوجوانوں اور بوڑھوں کے ایک ہجوم نے امیر اور قابل تکریم عبداللہ بن جدعان کے گھر پر ایک تقریب میں شرکت کی اور یہ قسم کھائی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی قسم! ہم سب ظالموں کے خلاف اور مظلوموں کا ساتھ دینے کے لئے اس وقت تک اکٹھے رہیں گے جب تک کہ مظلوموں کو ان کے حقوق نہیں مل جاتے اور یہ ساتھ اس عرصہ تک ہوگا جب تک سمندر ایک بھی بال کو گیلا کرنے کے قابل ہوگا اور جب تک حرا اور خیبر پہاڑ اپنی جگہوں پر قائم رہیں اور معاشی صورت حال سے نپٹا جائے گا، حضرت محمد ﷺ بڑا فخر محسوس کرتے تھے حتیٰ کہ پیغمبر خدا کا رتبہ حاصل کرنے کے بعد بھی اس حقیقت سے کہ آپ ﷺ نے بھی عبداللہ ان جدعان کے گھر پر ''حلف الفضول'' میں شرکت کی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس اعزاز وافتخار کو سرخ اونٹوں کے ریوڑ کے بدلے میں بھی دینے کو تیار نہیں، اور حتیٰ کہ اب بھی آپ ﷺ مظلوم وکمزور کی مدد کے لئے جانے کو تیار ہیں، اگر آپ ﷺ کو بلایا جائے۔ (۲)

قبیلے کے ایک اجنبی نے ابی ابن خلف کے پاس چند چیزیں فروخت کیں، جو کہ مکہ کے بہت بڑے سرداروں میں سے تھا؛ لیکن ابی ابن خلف طے شدہ رقم ادا کرنا نہیں چاہتا تھا، مایوسی کے عالم میں ازدی نے حلف الفضول والوں سے اپیل کی انھوں نے اس سے کہا کہ ابی ابن خلف کے پاس جاؤ اور اسے بتاؤ کہ تم حلف الفضول والوں کی طرف سے آئے ہو اگر وہ فوری طور پر تمہاری تسلی وتشفی نہ کرے تو پھر اسے ہمارا انتظار کرنے دو، اس طرح ابی ابن خلف نے رقم کی ادائیگی میں زیادہ دیر نہیں لگائی، ابن اسحاق بید قبیلے کا ایک تاجر چند چیزیں بیچنے کے لئے مکہ مکرمہ آیا

---

(۱) پیغمبر اسلام، ڈاکٹر حمید اللہ: ۶۴۔

(۲) سہیلی: ۱/ ۹۲، بحوالہ: پیغمبر اسلام، طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۲۲، ابن ہشام: ۸۶۔

ابوجہل نے دوسرے تاجروں وخریداروں کوزبیدی سے اشیاء خریدنے سے منع کر دیا؛ جب کہ اس نے خود ان چیزوں کی زبیدی کو بہت کم قیمت کی پیشکش کی، ابوجہل کا اثر ورسوخ اس قدر تھا کہ کسی دوسرے شخص نے زیادہ قیمت کی پیشکشی کی جرأت نہ کی، مغموم اور ستم رسیدہ تاجر محمد ﷺ کے پاس گیا جنھوں نے اس سے تین اونٹ اس قیمت پر خریدے جتنی وہ طلب کر رہا تھا، اور ابوجہل سے بات کی جس کی بدمزاجی بڑی مشہور تھی، (۱) جب محمد ﷺ مرتبۂ نبوت سے سرفراز ہو چکے تھے، ابوجہل نے آراشی قبیلے کے ایک عربی سے کچھ سامان خریدا؛ مگر طے شدہ رقم دینا نہیں چاہتا تھا، پریشانی اور مایوسی کی عالم میں وہ شخص کعبہ کے سامنے گیا اور شکایت کرنا شروع کر دی، ابوجہل پورے مکہ مکرمہ میں پہلے ہی نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کا بدترین دشمن بن چکا تھا، کسی شخص نے مزاق کے طور پر آراشی کو تجویز دی کہ وہ محمد کے پاس جائے؛ کیوں کہ وہ واحد شخصیت ہیں جو ابوجہل سے مسئلہ حل کرا سکتے ہیں، آراشی کو علم نہیں تھا کہ یہ مذاق ہے؛ چنانچہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ کے پاس آیا اور مدد واعانت کی درخواست کی، فوری طور پر پیغمبر کھڑے ہوئے آراشی کو ساتھ لیا اور ابوجہل کے پاس گئے آپ ﷺ کی آمد کی وجہ پوچھنے کے بعد وہ قرضہ فوری طور پر ادا کر دیا، بعد ازاں اس نے اپنے حیران ومتعجب دوستوں کو بتایا کہ جیسے ہی اس کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا، اس نے بتایا کہ محمد ﷺ کے ہمراہ بہت بڑا قوی الجثہ اونٹ تھا، جو سب اس قدر پاگل تھا کہ اس کے منھ سے جھاگ نکل رہی تھی، اگر میں محمد ﷺ کی تسلی وتشفی کرنے میں دیر لگاتا، وہ دیوہیکل اونٹ مجھے چیر پھاڑ دیتا۔ (۲)

دیگر مذاہب میں مزدوروں کا حال

اوپر درج کئے گئے واقعات مشرکین مکہ سے متعلق ہیں، اب ذیل میں دوسرے لوگوں کے یہاں مزدوروں اور کمزور لوگوں کی حیثیت اور مقام درج کیا جائے گا۔

ملک ہندوستان میں انسانون کو چار خانوں میں بانٹ دیا گیا تھا اور برہمن، چھتری، ویش اور شودر چار جاتیاں ظالمانہ نظام کے تحت تقسیم کر دی گئی تھیں، برہمن بقیہ تینوں جاتیوں سے اپنے

---

(۱) انساب، بلاذری: ۱/ ۲۵۸، بحوالہ پیغمبر اسلام۔

(۲) ابن ہشام: ۲۵۷، بحوالہ پیغمبر اسلام: ۲۶۷/ ۲۶۶۔

آپ کوافضل جانتے تھے اوراپنے حقوق زیادہ بتاکر ذمہ داریاں کم کرلیتے تھے؛بقیہ تینوں جاتیوں کی ذمہ داریاں اور خدمات زیادہ تھیں اور حقوق کم تھے اور ان کا مستقل استحصال کیا جارہا تھا، خطبات بنگلور کے مصنف کے مطابق ہندوستان میں ایک بہت بڑی قوم ہی نسلی طور پرغلام سمجھی جاتی تھی اورخیال کیا جاتا تھا کہ ان کا مقصد تخلیق ہی دوسرے انسانی طبقات کی خدمت کرنا ہے، ان غلاموں کے ساتھ دنیا کے ہر بڑے علاقے میں بڑی بدسلوکیاں روا رکھی جاتی تھیں، روم وایران خوداس زمانہ کے مہذب علاقے تھے، وہاں بھی غلاموں کا حال یہ تھا کہ ان کو درندوں سے لڑایا جاتا تھا، خود آپس میں دوغلاموں کا ایک دوسرے سے مقابلہ کرایا جاتا اوران کی بے رحمانہ ہلاکت کا تماشہ دیکھا جاتا، یہ ایک دلچسپ کھیل تھا، جسے وسیافی، کہتے تھے اوراس انسانیت سوز تماشہ کے لئے یورپ میں بڑے بڑے اسٹیڈیم بنے ہوئے تھے،(۱) کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو غیرمعمولی اور مافوق البشر ہونے کا عقیدہ قائم کررکھا تھا، اور کمزورطبقوں کو انسان تک گردانے کے لئے تیار نہیں تھے۔

فراعنہ اپنے کوسورج دیوتا کا اوتار کہتے تھے، ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان موجود تھے، شاہان ایران کوجن کا لقب کسریٰ (خسرو) ہوا کرتا تھا، ان کا دعویٰ تھا کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے، اہل ایران انھیں اسی نظر سے دیکھتے تھے، ان کا اعتقاد تھا کہ ان پیدائشی بادشاہوں کے خمیر میں کوئی مقدس آسمانی چیز شامل ہے، کیانی سلسلہ کے آخری ایرانی شہنشاہ یزدگرد کا نام بتاتا ہے کہ وہ اور ایرانی ان کوخدا کا کس درجہ مقرب اور ہم نشیں سمجھتے تھے، چینی اپنے شہنشاہ کوآسمان کا بیٹا تصور کرتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان نراورزمین مادہ ہے ان دونوں کے اتصال سے کائنات کی تخلیق عمل میں آتی ہے، اور شہنشاہ (ختا اول) اس جوڑے کا پلوٹھا بیٹا ہے، عرب اپنے سوا ساری دنیا کو گونگا اور بے زبان (عجم) کہتے تھے، ان کا سب سے ممتاز قبیلہ قریش عام عربوں سے بھی اپنے کو بالاتر سمجھتا تھا اوراسی احساس سے برتری میں حج کے ایسے عمومی اجتماع میں بھی افرادیت قائم رکھتا تھا، آگے فرماتے ہیں اس زمانے میں انسان سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں تھا، انسانی وجود بالکل بے قیمت اور بے حقیقت ہوکررہ گیا تھا، بعض اوقات پالتو جانور، بعض مقدس حیوانات، بعض درخت جن کے ساتھ بعض عقائد وروایات وابستہ ہوگئی تھیں،

(۱) خطبات بنگلو، حضرت مولانا خالدسیف اللہ رحمانی:۱۵۹۔

انسان سے کہیں زیادہ قیمتی، لائق احترام اور قابل حفاظت تھے، ان کے لئے بے تکلف انسانوں کی جانیں لی جاسکتی تھیں اور انسانوں کے خون اور گوشت کے چڑھاوے چڑھاتے تھے۔(۱)

یوم مزدور — پس منظر اور تاریخی جائزہ

یکم مئی یا یوم مئی ہمیں ۱۸۸۶ء شکاگو کے محنت کشوں کی آٹھ گھنٹے اوقات کار کو منوانے کی یاد دہانی کراتا ہے، جہاں محنت کشوں سے خطاب کرتے ایک رہنما اسپائیز نے حکمرانوں کو للکارتے ہوئے کہا تھا: ''حاکمو! غریب انسانوں کی آواز بلند ہونے دو، نہیں تو پھر ان کی تلواریں بلند ہوں گی'' یکم مئی کے دن دنیا بھر میں محنت کش عوام ۱۸۸۶ء شکاگو کے ان شہداء کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے ہندوستان سمیت دنیا بھر میں جلوس، ریلیاں، سیمینار منعقد کرکے اپنے غم، دُکھ، نفرت اور غصے کا اظہار کرتے ہوئے نہایت جوش اور جذبے سے مناتے ہیں، سرخ جھنڈا اُٹھاتے ہوئے یہ محنت کش عالمی سرمایہ داری نظام کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہیں، غریبوں، غلاموں، محکوموں اور محنت کشوں کی یوں تو بڑی کٹھن طویل اور صبر آزما جدوجہد آج بھی جاری ہے، شروع شروع میں ایک اس طرح کا معاشرہ تھا، سب مل جل کر رہتے تھے، مل کر شکار کرتے تھے، مل کر کھا پی لیتے تھے، طبقات کا وجود نہ تھا؛ مگر پھر طاقتور لوگوں نے اپنا گروپ بنا کر دنیا میں پہلی مرتبہ زمین پر لکیریں کھینچ کر اپنے حق ملکیت کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا اور کمزور لوگوں پر ظلم کرکے طاقت کے زور پر انھیں اپنا غلام بنالیا۔

مزدوروں کا استحصال

آج حالات یہ ہیں کہ بہت سے مزدوروں کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ یوم مزدور کیوں منایا جاتا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی بھی منصوبہ یا کوئی بھی قانون مزدوروں کو اس کا حق دلانے میں کامیاب نہیں ہے، مزدور کل بھی کمزور تھے اور آج بھی کمزور ہیں، مزدور کل بھی مظلوم تھے اور آج بھی مظلوم ہیں، مزدور کل بھی مفلوک الحال تھے آج بھی مفلوک الحال ہیں، ان ہی مفلوک الحال اور مزدوروں کے بارے میں ایک شاعر نے کہا ہے :

سو جاتے ہیں فٹ پاتھ پر اخبار بچھا کر
مزدور کبھی نیند کی گولی نہیں کھاتے

(۱) نبی رحمت، الشیخ سید ابوالحسن علی ندوی: ۶۳۔

لیکن یہ صورت حال بھی عجیب وغریب ہے کہ مزدور یوم مزدور کے دن بھی اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کی فکر میں عام دن کی طرح گزار دیتے ہیں؛ لیکن دوسری طرف یوم مزدور کو بڑی بڑی کمپنیوں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز اور آرام وستائش کی زندگی بسر کرنے والے سرکاری اداروں میں کام کرنے والے لوگ یہ ضرور جانتے ہیں کہ یکم مئی کے روز چھٹی ہوتی ہے؛ لیکن صرف اتنا ہی جانتے ہیں؛ بلکہ اس روز چھٹی ہوتی ہے، یوم مزدور کیوں منایا جاتا ہے؟ اور اس کے کیا مقاصد ہیں، اس سے انھیں کوئی سروکار نہیں، مفلوک الحال اور مظلوم مزدور یہ سمجھتے ہیں کہ یکم مئی یوم مزدور صاحب کے آرام کا دن ہوتا ہے اور لوگ آرام کرتے ہیں، کام نہیں کرتے، یہ تحریک روس میں بھی چلی تھی اور بہت زوردار چلی تھی اور نتیجہ بہت اچھا رہا تھا، جس کے ثمرات آج کے مزدور پا رہے ہیں۔

عورتوں کی مزدوری

مزدوروں کے ذیل میں عورتوں کی مزدوری کا ذکر بھی ضروری ہے اور اس صنف نازک طبقے کو ساتھ جس طرح ماضی میں دیگر شعبۂ حیات میں ظلم وزیادتی کا نشانہ بنایا گیا، کچھ اسی طرح میدان مزدوری میں سابقہ ہے، غریب عورتیں اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے مزدوریاں کرتی ہیں، ان کے ساتھ کیا کچھ پیش آتا ہے، کارخانہ کے مالکان غریب عورتوں کی مجبوریوں کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے کم اُجرت کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ ان کے لئے نازیبا الفاظ کا بھی استعمال کرتے ہیں، اور کئی بار اپنی خواہش اور مرضی کے برعکس انھیں رات گئے تک بھی کام کرنا پڑتا ہے، اگر وہ منع کرے تو مالکان انھیں کام سے نکال نے کی دھمکیاں دیتے ہیں، ڈپارٹمنٹ کے افسروں کے ساتھ مزدوروں کے متعلق کوئی واضح حکومتی پالیسی موجود نہیں ہوتی ہے، اس لئے محکمہ کم اُجرت کی ادائیگی کرنے والے کارخانہ مالکان کے خلاف کسی بھی طرح کی کاروائی کرنے سے قاصر ہوتا ہے، دنیا کی آدھی آبادی عورتوں پر مشتمل ہے، دنیا کے دوتہائی کام کے گھنٹوں میں عورت کام کرتی ہے؛ مگر اسے دنیا کی آمدنی کا دسواں حصہ ملتا ہے اور دنیا کی املاک کے سوویں حصہ سے بھی کم کی مالک ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عورت کو ماں بیٹی بہو اور بیوی کے روپ میں اہم کردار ادا کرنا پڑتا ہے، آج کے دور میں اسے معاشی کفالت میں شوہر کا بھی ساتھ دینا پڑتا ہے اور اسلام نے ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنے کی بھی اجازت دی ہے،

جہاں تک عورتوں کے معاشی میدان میں نکلنے کا تعلق ہے تو یہ حقیقت ماننی پڑے گی کہ بہت کم تعداد ان عورتوں کی ہے جو شوق سے مزدوری کرتی ہیں ؛ بلکہ بہت سی مجبوریاں لاچاریاں اور پریشانیاں ہوتی ہیں جو عورت کو مزدوری اختیار کرنے پر آمادہ کرتی ہیں ، بدقسمتی سے ایک خاتون جس قدر مصروف عمل ہے، اسی قدر اسے اذیتیں دی جاتی ہیں، مثلاً لڑکیوں کو چھیڑنا اور تنگ کرنا، دفاتر میں انتظامی اُمور و خدمات انجام دینے والی خواتین کی تعداد اگر چہ تھوڑی ہے مگر ان کے مسائل کی نوعیت کئی طرح کی ہے، عورت اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کے باوجود چپراسی سے لے کر اعلیٰ افسران تک وہ مقام و مرتبہ حاصل نہیں کرسکتیں جو اس کے اپنے ساتھی مردوں کو حاصل ہوتا ہے، عورتوں کو کمزور سمجھنا، کم گرداننا جنسی طور پر ہراساں کرنا اور دیگر مسائل در پیش ہوتے ہیں، سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ عورت مرد کے برابر کام کرتی ہے، مگر تنخواہ کم دی جاتی ہیں۔

بچہ مزدوری

بچہ مزدوری عصر حاضر کا ایک سلگتا ہوا مسئلہ ہے اور دنیا کے بیشتر خطے اس مسئلہ سے جوجھ رہے ہیں جب کسی بچے سے کوئی ایسا کام کرایا جائے جو اس کی جسمانی قوت سے کوئی میل نہ کھاتا ہو، یا پھر جس سے اس کا جسمانی، نفسیاتی، ذہنی، یا پھر اخلاقی استحصال ہو تو ایسے کام کو بچہ مزدوری کہا جاتا ہے، ایسا کوئی کام جس سے بچہ اپنے بنیادی حقوق (خصوصاً پڑھائی لکھائی) کی حصولیاتی سے محروم ہو جائے وہ بھی بچہ مزدوری کے زمرے میں آتا ہے۔

۱۲/ جون کو عالمی سطح پر بچہ مزدوری کے خلاف دن منایا جاتا ہے اور اس میں کئی طرح کی تقریبات کا انعقاد کیا جاتا ہے، اور تقریریں کی جاتی ہیں، چہار دیواریوں کے اندر تقریبات منعقد کرنے سے بہتر ہے کہ ہم اس وبا کے خلاف آواز اُٹھائیں اور اپنے بچوں کی جسمانی، ذہنی، نفسیاتی اور اخلاقی نشوونما کے لئے قدم بڑھائیں اس سے قبل کہ ہمارا مستقبل ہمیں انصاف کے کٹہرے میں کھڑا کرے، ہمیں عملی طور پر بچہ مزدوری کی وبا کا خاتمہ کرنا ہوگا، اس مقصد کی حصولیابی کے لئے ہماری انفرادی اور اجتماعی کوششیں درکار ہیں۔

اسلامی نقطۂ نظر

قاموس الفقہ کے مصنف فرماتے ہیں کہ اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ نابالغ کو کسب معاش پر

مجبور نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا اگر باپ کمانے پر قادر ہو تو کما کر بچوں کا نفقہ ادا کرے گا اور اگر کمانے پر قادر نہ ہو تو قرض لے کر ادا کرے گا؛ تا کہ بچے زیور تعلیم سے آراستہ ہو سکیں؛ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ''اگر تنگ دست شخص کا نابالغ لڑکا ہو اور وہ شخص کمانے پر قادر ہو تو اس پر واجب ہے کہ کسب معاش کرے اور بچوں کی ضروریات پوری کرے، اگر وہ کمانے اور بچوں کی ضروریات پوری کرنے سے انکار کرے تو اسے مجبور کیا جائے گا یا قید کر دیا جائے گا اور اگر وہ کمانے پر قادر نہ ہو تو قاضی اس کا نفقہ متعین کر دے گا اور ماں کو حکم دے گا کہ وہ شوہر کے نام پر قرض لیتی رہے اور بعد میں مرد اسے ادا کرے۔(١)

بندھوا مزدور

بندھوا مزدور کی ظالمانہ رسم باوجود اس تمدن اور ارتقاء اور علم و روشن خیالی کے بعض علاقوں میں موجود ہے؛ مگر اسلام میں اس کی کوئی جگہ نہیں، اسلام اس کو انسان کا بنیادی تصور کرتا ہے، وہ کسی کا کام کرے یا نہ کرے، نہ صرف ایک فرد بلکہ دوسرے فرد کو اور شہری کو اس پر مجبور نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ کبھی ایسے غیر معمولی حالات پیدا ہو جائیں کہ قومی اور اجتماعی مصلحت کے تحت افراد کو کسی عمل پر مجبور کرنا پڑے۔

مزدوروں کے حقوق

خادموں، نوکروں اور مزدوروں کے ساتھ جو انسانوں کی طرح انسان ہیں، اور جن کا اپنے آقا اور مالک پر احسان ہے، آپ ﷺ نے حسن سلوک کی جو تعلیم دی ہے اس کی شاہد یہ حدیث ہے، جو تم کھاتے ہو ان کو کھلاؤ، جو تم پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ، اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو عذاب میں مبتلا نہ کرو، (٢) جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کر دیا ہے، تمہارے بھائی تمہارے خادم تمہارے مددگار ہیں، (٣) حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی خطبات بنگلور میں مزدوروں کے حقوق کے ذیل میں فرماتے ہیں: آپ ﷺ نے مزدوروں کے حقوق بڑی وضاحت سے بیان فرمائے ہیں،

(١) فتاویٰ ہندیہ: ١/ ٥٦١، بحوالہ: قاموس الفقہ: ٦ ٥٤، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔
(٢) بخاری، الادب المفرد۔
(٣) بخاری، الادب المفرد۔

آپ ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ مزدوری اتنی ہونی چاہئے کہ مزدور کے اہل وعیال کی پرورش، رہائشی مکان اور خادم کا انتظام ہو جائے، پھر اسلام کا رجحان یہ ہے کہ، مزدوروں کو ان کی محنت سے حاصل ہونے والے منافع میں شریک کیا جائے؛ تاکہ دولت کی منصفانہ تقسیم عمل میں آسکے، آپ ﷺ نے معاملے کی جائز صورت مضاربت کی رکھی ہے، کہ ایک شخص سرمایہ دار کے سرمایہ پر محنت کرے اور تجارت سے جو فائدہ ہو، اس کو مقررہ تناسب کے مطابق باہم تقسیم کرے، یہ دراصل اس بات کی عملی تعلیم ہے کہ مزدور کو ہمیشہ حقیر اُجرت دے کر تجارت اور کاروبار کے کثیر نفع سے محروم نہ کر دیا جائے؛ بلکہ اس کو نفع میں شریک کیا جائے، آپ ﷺ کے ارشاد میں بھی اس طرف اشارہ موجود ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ خادم کو اس کے پکائے ہوئے کھانے میں سے ایک دو لقمے ہی صحیح؛ لیکن ضرور دینا چاہئے۔(۱)

آپ ﷺ سے بنی اسرائیل کا ایک دلچسپ واقعہ مروی ہے، جس کو مشہور محدث امام بخاری نے متعدد جگہ پر اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، اس واقعہ میں بتایا گیا ہے کہ ایک مزدور اپنی مزدوری لئے بغیر چلا جاتا ہے، عرصہ کے بعد اس کو پریشان حالی میں اپنی یہ مزدوری یاد آتی ہے، وہ صاحب معاملہ کے پاس آتا ہے، اور اپنی مزدوری طلب کرتا ہے، وہ کہتا ہے جو کچھ دولت اور مویشی تمہارے سامنے ہیں انھیں لے جاؤ، یہ سب تمہاری ہی مزدوری ہے، مزدور اسے مذاق اور استہزاء سمجھتا ہے؛ لیکن وہ شخص یقین دلاتا ہے دراصل یہ سب کچھ تمہاری مزدوری ہی کی سرمایہ کاری سے حاصل شدہ ہے، بالآخر وہ مزدور یہ سب لے کر چلتا بنتا ہے، میرا خیال یہ ہے کہ اس واقعہ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ موجود ہے کہ مالکان کو چاہئے کہ مزدوروں کو کاروبار میں شرکت کا موقع بھی دیں، اور ان کے سرمایہ کا کچھ حصہ کاروبار میں مشغول بھی کیا جائے؛ تاکہ وہ بھی اس کے نفع میں شریک ہوسکے، پھر آپ ﷺ نے اس کی خاص طور پر تاکید فرمائی، کہ مزدوروں کی اُجرت پہلے ہی واضح طریقے پر متعین کر دی جائے، یہ بھی تاکید ہے کہ مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی اُجرت دے دو، آج مزدوروں کے حقوق اور ان کے ساتھ انصاف کے لئے جو تحریکیں اُٹھی ہیں، اور اس سلسلے میں جو حرکت و عمل دیکھنے میں آرہا ہے، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں ان متعدد اور منصفانہ تعلیمات کو بھی بڑا دخل ہے، جو پیغمبر اسلام نے دی ہیں، اور ان متوازن تجارتی قوانین وضوابط کا بھی حصہ ہے جو آپ نے متعین فرمائے۔

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۵۴۶۰۔

مزدوروں کے ساتھ آپ ﷺ کی شفقت ومحبت کے کچھ واقعات

آنحضرت ﷺ کے پاس ایک صحابیؓ تشریف لائے اور انھوں نے مصافحہ کیا تو نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ ان کی ہتھیلی پر گڈھے پڑے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے ہتھیلی سخت تھی، آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ کہنے لگے اے اللہ کے نبی! میں پتھر توڑتا ہوں، جس کی وجہ سے میرے ہاتھ سخت ہو گئے ہیں، نبی کریم ﷺ نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا: سب سے بہتر کمائی وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے کمائے، (۱) گویا ملازمین اور محنت مزدوری کرنے والوں کو بھی نبی کریم ﷺ کے صدقے عظمت عطا ہوئی، مزدوروں کے ساتھ آجر اور ذمہ دار کا سلوک برادرانہ ہونا چاہئے "انھم اخوانکم" اور اسے کسی طرح کی بھی تکلیف نہ دی جائے اور نہ جسمانی وذہنی مشقت میں ڈالا جائے، نیز اس کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے، آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہمیں اس کا عملی نمونہ ملتا ہے۔

حضرت انسؓ آپ ﷺ کے خاص خادم تھے، اور بچپن سے جوانی تک آپ کے ساتھ رہے مگر کبھی اس کی نوبت نہیں آئی کہ آپ نے کبھی اُف بھی کہا ہو، یا پوچھا ہو کہ یہ کیوں کیا؟ یہ کیوں نہیں کیا؟ آپ کے خادموں میں ایک یہودی لڑکا بھی تھا، وہ بیمار پڑا تو آپ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے، نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ غریب اور محنت کش لوگوں کا غیر معمولی خیال رکھا، مدینہ میں ایک مزدور صحابی پسینہ میں شرابور کھڑے تھے کہ حضور ﷺ کا گزر ہوا، مزدور صحابی کو دیکھا اور پیچھے تشریف لاکر اپنے دست مبارک اس کی آنکھوں پر رکھ دیئے، آپ کی خوشبو سے صحابیؓ سمجھ گئے کہ اس خوبصورت ڈھنگ سے اظہار محبت کرنے والے کون ہیں، جان بوجھ کر اس مزدور نے اپنے پسینہ سے تر جسم کو آپ ﷺ کے ساتھ جوڑ دیا اور جب تک ان صحابیؓ کا دل خوش نہیں ہو گیا آپ ﷺ اس پسینہ کی بو کے باوجود اس کے ساتھ چمٹے رہے۔(۲)

ایک موقع پر ایک انصاری نے نبی کریم ﷺ سے کچھ سوال کیا، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ صرف کمبل اور پانی کا پیالہ ہے، آپ ﷺ

---

(۱) مشکوٰۃ، بخاری۔

(۲) اسلام میں مزدوروں کے حقوق، عبداللطیف۔

نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ اس کوکون خریدے گا؟ ایک صحابیؓ نے کہا کہ میں اسے ایک درہم میں خریدتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کی اس سے زیادہ کوئی قیمت دے سکتا ہے؟ ایک اور صحابیؓ نے اس کی قیمت دو درہم لگادی، آپ نے یہ اشیاء ان کے حوالہ کی اور دو درہم صحابی کو دے کر کہا کہ ایک درہم کی کلہاڑی اور ایک درہم کا گھر کے لئے سامان لے آؤ، جب انھوں نے ارشاد مبارک کی تعمیل کی تو نبی کریم نے اس کلہاڑی میں دستہ لگا کر ان کو دیا، اور فرمایا جاؤ اس سے لکڑی کاٹ، کاٹ کر بیچو، اب پندرہ دن کے بعد میرے پاس آنا، وہ صحابیؓ جب پندرہ دن کے بعد حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کیا حال ہے؟ صحابیؓ نے جواب دیا کہ میں نے دس درہم کما لئے ہیں، جن میں سے چند درہم کے کپڑے اور چند درہم سے غلہ خریدا ہے، اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا بھیک مانگ کر قیامت کے دن ذلت اُٹھانے سے یہ بہتر نہیں ہے؟

حضرت عائشہؓ راوی ہیں بیان فرماتی ہیں :

ما ضرب رسول الله شيأ قط بيده ولا امرأة ولا خادماً۔ (۱)

آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے کبھی کسی عورت اور خادم کو نہیں مارا۔

اسامہ بن زیدؓ پہلے دنیا کی نگاہ میں غلام تھے؛ مگر اسلام نے ان کی شان کو اس قدر بلند کر دیا تھا کہ زینب بنت حنظلہؓ ان کی بیوی تھی، یہ زینب اس بڑے خاندان کی خاتون تھیں کہ شہزادہ امراء القیس اس کے جدّ امجد کا مدّاح شاعر تھا، اس کی پوتی اسامہؓ کی کفش برداری پر نازاں تھی۔ (۲)

غیر مسلم مزدور کی دعوت و تعلیم کی فکر — سیرت نبوی کے آئینہ میں

آپ ﷺ رحمۃ اللعالمین بنا کر رب العالمین کی طرف سے تمام عالموں کی طرف مبعوث کئے گئے، آپ کی رحمت و شفقت جس طرح ماننے والوں کے ساتھ تھی اسی طرح؛ بلکہ اس سے کہیں زیادہ اللہ سے غافل اور غلط فہمی کی بنیاد پر اللہ کو نہ ماننے والوں پر تھی، اس لئے آپ رات کو اُٹھ کر ان کا نام لے کر ہدایت کی دُعا فرماتے تھے اور پھر ان کی خوشامد کرنے کے لئے ستر، ستر بار

(۱) مسلم، کتاب الفضائل، حدیث نمبر: ۲۳۲۸۔

(۲) رحمۃ للعالمین: ۳/ ۲۹۵۔

ان کے پاس جاجا کر اسلام کی طرف بلاتے تھے اور اس کی دعوت دیتے تھے، اس لئے آپ دعوت کا ادنیٰ سے ادنیٰ موقع بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں صلح حدیبیہ سے واپسی کے بعد مدینہ منورہ میں نبی اکرم ﷺ نے یکم محرم الحرام کو صحابہ کرام کو مسجد نبوی میں جمع فرما کر ایک خطبہ دیا جس میں آپ نے ارشاد فرمایا: اے لوگوں! خدائے برتر نے مجھے تمام عالم کے لئے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، میں کل دنیا کے لئے خدا کا رسول بن کر آیا ہوں اس لئے ''رب السماوات والا ارض'' کا پیغام تمام دنیا میں پہنچا دینا چاہتا ہوں؛ تا کہ خدا کی حجت پوری ہوجائے، اور دعوت ربانی اور پیغام الٰہی سے کائنات کی کوئی جماعت محروم نہ رہے، جاؤ خدا کے بھروسے پر دنیا کے بادشاہوں کو اسلام کا پیغام سنادو، دیکھو تمہارا وجود اور تمہاری زندگی اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے کے لئے وقف ہونی چاہئے، خدا کی جنت اس شخص پر حرام ہے جو لوگوں کے معاملات میں شریک رہتا ہے اور بندوں کو اچھے کاموں کی نصیحت وتلقین نہیں کرتا، اس ارشاد کے بعد کسی بھی مسلمان کے لئے دعوت سے غفلت کئے بیٹھے رہنے کی جرأت کیسے ممکن ہے۔(۱)

مزید آپ ﷺ کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے رنگ ونسل اور سماجی ومعاشرتی درجہ بندیوں کی غیر مساوی تقسیم کو تسلیم نہیں کیا، اسلام میں تمام انسان مکمل طور پر برابر ہیں، اور ذاتی برتری کی بنیاد نیک اعمال وافعال پر ہے، (۲) اس لئے آجر یعنی مزدوروں کو کام پر رکھنے والوں کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ماتحت لوگوں کو اگر وہ غیر مسلم ہیں، تو ان کے ایمان کی فکر کریں، اور اگر مسلم ہیں تو ان کی دینی تعلیم اور اخلاقی تعلیم کی فکر کریں اس سلسلہ میں بھی اللہ کے رسول ﷺ کا عملی نمونہ ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت کے لئے ایک یہودی لڑکا آیا کرتا تھا وہ بیمار پڑ گیا تو آپ ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے، جب آپ ﷺ نے اس کی حالت کی سنگینی کا ملاحظہ کیا کہ قریب المرگ ہے تو فوراً دعوت پیش فرما کر ''أتشهد أن لا اله الا الله'' کہا، کیا تو کلمہ پڑھتا ہے؟ تو اس نے فوراً والد کی طرف نظر اُٹھا کر بطور مشورہ دیکھا، اس کے باپ نے کہا ''أطع أبا القاسم'' ابوالقاسم محمد ﷺ کی اطاعت کرلو؛ چنانچہ اس لڑکے نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کرلیا، آپ ﷺ اس کے گھر سے یہ دُعا پڑھتے

---

(۱) مکتوبات نبوی، سید محبوب رضوی، بحوالہ: ہدیہ دعوت: ۸۲، داعی اسلام حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی۔

(۲) پیغمبر اسلام: ۱۷۰، ڈاکٹر حمید اللہ۔

ہوئے باہر تشریف لائے ''الحمد لله الذی أنقذہ من النار '' (تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اس کو جہنم سے بچا لیا) (۱) اور آپ ﷺ کے تعلقات کا دوسرا واقعہ، واقعہ ہجرت ہے جس میں آپ ﷺ کی رہبری اور قیادت ایک غیر مسلم (عبداللہ بن اریقط اللیثی) کہہ رہا تھا کہ سیرت کی کتاب میں یہ واقعہ اس طرح نقل کیا گیا ہے :

وکانا قد استأجرا عبد الله بن اللیثی وکان هادیا ماهرا وکان علی دین قومه و امناه علی ذالک وسلما الیه راحلتیهم ، و واعداه غار ثور بعد ثلا ث ۔

اور بخاری کے الفاظ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے :

واستا جر رسول الله و ابوبکر رجلا من بنی الدئل وهو من بنی عبد بن عدی ماهرا خریتا بالهدایة ، قد غمس فی آل العاص بن وائل السهمی وهو علی دین کفار قریش ۔ (۲)

مزدوروں کی اہمیت وفضیلت — ارشاداتِ نبوی کی روشنی میں!

اسلام نے مزدوروں کی سماجی حیثیت، عزت اور مقام کو بلند کیا ہے، جس کا پتہ مندرجہ ذیل اقوال رسول ﷺ سے چلتا ہے، ایک صحابیؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کونسی کمائی سب سے زیادہ پاکیزہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی محنت کی کمائی، (۳) آج بالعموم سرکاری اور نچی سطح پر مزدوروں کی محنت کا پورا حق ادا نہیں کیا جاتا ہے ان کا استحصال کیا جا تا ہے، جس کے باعث مشقت کے باوجود محنت کشوں کو ضروریاتِ زندگی حاصل نہیں ہو پا تیں، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''مزدوروں کی مزدوری ان کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔ (۴)

استحصال یہ بھی ہے کہ مزدوروں کو حقیر سمجھا جائے؛ حالاں کہ تمام انبیاء اور برگزیدہ ہستیوں نے

(۱) صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۱۳۵۶۔
(۲) مختصر سیرت الرسول، الشیخ محمد بن عبدالوہاب،: ۱۲۹۔
(۳) مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۱۷۲۶۵۔
(۴) بخاری، ہجرت الرسول۔

مختلف پیشے اختیار فرمائے اور خود نبی اکرم ﷺ نے مزدوری، تجارت، گلہ بانی اور پتھر اُٹھانے جیسی مشقتیں بحسن خوبی سرانجام دیں ہیں، (کتب سیرت میں اس کی تفصیلات موجود ہیں)۔

(۱) حلال روزی کی تلاش میں محنت و کاوش کو عند اللہ پورے ایک سال امام عادل کے ساتھ جہاد سے افضل قرار دیا۔

(۲) چھوٹے بچوں، ماں باپ اور خود اپنی کفالت کے لئے دوڑ دھوپ کو آپ ﷺ نے اللہ کی راہ میں جدوجہد بتایا۔(۱)

(۳) آپ ﷺ نے فرمایا سب سے پاکیزہ عمل یہ ہے کہ آدمی خود اپنے ہاتھوں سے کمائے، خدا کے نبی حضرت داود علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی کمائی کھاتے تھے۔(۲)

(۴) اللہ تعالیٰ ایسے مومن بندے کو پسند کرتا ہے جو صنعت و حرفت سے واقف ہو اور اس سے کام لیتا ہو: ''ان اللہ یحب المومن المحترف''۔(۳)

(۵) اگر کوئی مشکل کام اس کو سونپا جائے تو اس کی انجام دہی میں بذات خود بھی مدد کرے۔(۴)

(۶) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ملازم اگر ستر بار غلطی کرے، تب بھی اس کو معاف کرو۔(۵)

(۷) اپنے ماتحتوں سے بدخلقی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔(۶)

(۸) مزدوروں کے حق دبانے، یا ٹال مٹول کرنے اور ان پر ظلم سے ڈراتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من اقتطع حق امرئ مسلم بیمینہ فقد اوجب اللہ
لہ النار، وحرّم علیہ الجنۃ۔ (۷)
جس شخص نے کسی بھی مسلمان کی کمائی خرد برد کی، اللہ اس کے لئے
جہنم واجب اور اس پر جنت حرام کردیں گے۔

---

(۱) بخاری: ۱/۳۰۱۔
(۲) بخاری: ۱/۲۷۸۔
(۳) المعجم الاوسط للطبرانی، حدیث نمبر: ۸۹۳۴۔
(۴) بخاری، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۲۰۵۔
(۵) ابوداؤد: ۴۴۹۶۔
(۶) جامع ترمذی، حدیث نمبر: ۲۰۳۰۔
(۷) مسلم، کتاب الایمان۔

(۹) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ :

ثلاثة أنا خصمهم يوم القيامة ، ورجل استاجر اجيرا فاستو فى منه ولم يعطه أجره ۔ (۱)

میں قیامت کے دن تین آدمیوں کا دشمن ہوں گا ان میں ایک وہ ہے جو مزدوروں سے پورا کام لے؛ لیکن اس کی اُجرت ادا نہ کرے۔

اختتامیہ

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم محض رسمی طور پر سال میں ایک دفع ''یوم مزدور'' منانے سے چند قدم آگے بڑھیں، ہمیں اپنے زوال کو عروج واقبال میں بدلنے کے لئے ماہ وسال کے تمام صبح وشام بندۂ مزدور کے نام کرنے ہوں گے اور اللہ کے اس دوست کے پسینے کی بو ایک اعلیٰ ترین خوشبوؤں کی مانند اپنے اوپر چھڑکنا ہوگی، اور محنت کش کی دست بوسی کا راز جان کر آقائے دو جہاں کی اس عظیم سنت کا احیاء کرنا ہوگا، اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

● ● ●

(۱) بخاری کتاب البیوع۔

سلسلۂ رسائل سیرت

۷

غریبوں کی حاجت روائی

اور اُسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مولانا سید عبدالرشید

ناشر

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

پیش لفظ

قرآن مجید نے اپنے لانے والے کی جو تصویر پیش کی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عالم کے لئے رحمت ہیں، نہ آپ کی رحمت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے، نہ عربوں کے ساتھ، نہ کسی خاص رنگ ونسل کے لوگوں کے ساتھ؛ یہاں تک کہ آپ کی رحمت وشفقت بنی نوع انسان تک بھی محدود نہیں ہے؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری مخلوقات کے ساتھ بھی رحم وکرم کی تعلیم دی ہے؛ مگر افسوس کہ غیر مسلم بھائی سیرت محمدی کے اس پہلو سے واقف نہیں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ صرف مسلمانوں کے پیغمبر اور محسن ہیں، مغربی مصنفین اگر بہت مہربان ہوں تو زیادہ سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عربوں کا نبی قرار دیتے ہیں۔

اسی پس منظر میں سہ روزہ بین الاقوامی سیرت نبوی سیمینار — جو ۱۲-۱۴/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق: ۲۱-۲۳/فروری ۲۰۱۶ء کو المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں منعقد ہو رہا ہے — کی مناسبت سے ۱۶/رسائل کی ترتیب کا منصوبہ بنایا گیا، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمہ گیر رحمۃ للعالمینی کو پیش کیا جائے اور برادرانِ وطن کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحیح تعارف کرایا جائے، کوشش کی گئی ہے کہ یہ رسائل مختصر ہوں، زبان آسان ہو اور ہر بات معتبر حوالہ سے کہی جائے، انشاءاللہ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ تک کوشش کی جائے گی کہ انگریزی اور ہندوستان کی تمام علاقائی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو جائے اور اسے بڑی تعداد میں برادرانِ وطن تک پہنچایا جائے۔

اسی سلسلہ کا ایک حصہ یہ رسالہ "غریبوں کی حاجت روائی اور اُسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" ہے، جس کو جناب مولانا سید عبدالرشید (لکچرار شعبۂ اسلامک اسٹڈیز: مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد) نے مرتب کیا ہے — **فجزاہ اللہ خیر الجزاء** — دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اس کے مقصد کے اعتبار سے مفید بنائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعارف کی جو ذمہ داری اس اُمت پر ہے، اس کا کوئی حصہ اس کوشش کے ذریعہ ادا ہو سکے، **ربنا تقبل منا إنک أنت السميع العليم**۔

۱۲/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
۲۱/فروری ۲۰۱۶ء

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت محمد ﷺ دنیا میں رحمت للعالمین بنا کر بھیجے گئے، رسول اللہ ﷺ کا بچپن یتیمی کی حالت میں گذرا، چھ سال کی عمر میں والدہ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، آٹھ سال کی عمر میں شفقت کرنے والے دادا عبدالمطلب کا بھی انتقال ہوگیا، جنھوں نے اپنے بعد آپ کی ذمہ داری ابوطالب کو دی، ابوطالب کثیر العیال تھے، حضرت محمد ﷺ نے ان پر بوجھ بننے کے بجائے نوعمری ہی میں بکریاں چرانی شروع کردی، (۱) جس سے کچھ آمدنی ہوئی، اور اپنے چچا کی مدد کرتے، ان حالات سے گذرنے کی وجہ سے وہ سماج کے کمزور طبقات کا دکھ درد زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتے تھے، اس وجہ سے جب وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوئے تو مکہ میں مجبور اور لاچار انسانوں کے لئے مسیحا بن کر اُبھرے، مکہ کے سردار خاندان سے ہونے کی وجہ سے آپ کی عزت ہوسکتی تھی؛ لیکن آپ کے پاس مال و دولت نہ تھی، جو عزت کمانے کا بڑا ذریعہ تھی، آپ ﷺ کے کردار کی پاکی اور بلندی کی وجہ سے یہ کمی پوری ہوئی، خصوصاً آپ کی سچائی اور حق گوئی نے مکہ والوں کو بہت متاثر کیا، اور آپ کو صادق یعنی سچ بولنے والے کا لقب ملا، اور جلد ہی آپ کو عزت کی نظروں سے دیکھا جانے لگا، آپ مکہ کے بازار میں تجارت کرتے تھے؛ (۲) کیوں کہ امانت کو جانچنے کا بڑا ذریعہ تجارت ہے، آپ کو امین کا لقب بھی عطا ہوا۔

ذیل میں ہم آپ ﷺ کی زندگی کے ایک پہلو یعنی غریبوں کی ضروریات پوری کرنے سے متعلق آپ ﷺ کے طریقہ اور عمل کا مشاہدہ کریں گے؛ تاکہ ہمارے سامنے ایک عمدہ نمونہ آسکے، اور اس کی روشنی میں ہم اپنے لئے عمل کا راستہ طے کرسکیں۔

حلف الفضول میں شرکت

رسول اللہ ﷺ کی عمر شریف بیس سال کی ہوگی کہ مکہ میں ایک واقعہ ہوا، جس نے اشراف مکہ میں سے کئی افراد کو فکر مند بنادیا، ہوا یوں کہ قبیلہ زبید کا ایک آدمی اپنا سامان لے کر مکہ آیا، ایک

(۱) صحیح بخاری، عن ابی ہریرہؓ: ۲۲۶۲۔ (۲) سنن ابی دواؤد، عن عبداللہ بن ابی الحمساء: ۴۹۹۶۔

ذی اثر اور مالدار شخص عاص بن وائل نے سامان خریدا، اور قیمت روک لی، زبیدی نے شہر میں اپنے حلیفوں سے مدد طلب کی؛ لیکن کوئی بھی عاص بن وائل کے اثر ورُسوخ کی بنا پر مدد کو تیار نہ ہوا، یہ دیکھ کر زبیدی نے صبح سویرے ابوقبیس نامی پہاڑ پر چڑھ کر اپنی مظلومیت کا رونا رویا، اور قریش کی عزت وکرامت کی دہائی دی، صبح کے وقت تمام قبائل کعبہ کے گرد بیٹھا کرتے تھے، سب سے پہلے حضرت محمد ﷺ کے چچا زبیر نے اس کی مدد کا بیڑا اُٹھایا، اور کئی افراد کو مظلوم کی حمایت کے لئے تیار کیا، یہ لوگ عبداللہ بن جدعان نامی ایک سردار کے گھر جمع ہوئے، ایک تنظیم بنائی، اور معاہدہ کیا کہ مکہ میں کسی بھی مظلوم کا حق مارا نہ جائے گا، اور سب مل کر ظالم کو ظلم سے روکیں گے اور مصیبت زدوں کی معاشی امداد بھی کریں گے، (۱) یہ لوگ اُٹھ کر عاص بن وائل کے پاس گئے، اور اس سے بزور وقوت سامان واپس لے کر زبیدی کو دیا، اس وقت اگر چہ حضرت محمد ﷺ اپنی قوم کے عادات واطوار سے اتفاق نہ کرتے تھے؛ لیکن مظلوموں کی اعانت کے لئے آپ نے پورے شعور اور شوق کے ساتھ اس میں شرکت کی، آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے :

شَهِدتُ مَعَ عُمومَتي حِلفَ المُطيِّبينَ ، فَما أُحِبُّ أنْ أَنكُثَهُ وأَنَّ لِي حُمْرَ النَّعَمِ ۔ (۲)

میں نے اپنے چچاوں کے ساتھ مطیبین کے معاہدہ میں شرکت کی ہے ، میں سرخ اُونٹوں کے بدلہ میں بھی اس کو نہیں توڑ سکتا۔

ایک روایت میں ہے کہ اگر اسلام کی آمد کے بعد بھی مجھے اس میں شرکت کے لئے بلایا جاتا تو میں اس میں ضرور شرکت کروں گا۔ (۳)

جب آپ ﷺ کی عمر پچیس برس کی ہوئی تو بی بی خدیجہؓ سے شادی ہوئی، جو ایک تجربہ کار اور عقل مند خاتون تھیں، ان کے ساتھ برسوں کی رفاقت رہی، عمر کے بڑھنے کے ساتھ آپ ﷺ کے اندر مذہبی رسم ورواج اور سماجی برائیوں پر سوچ بچار بڑھتا جا رہا تھا، آپ ﷺ مکہ کی آبادی کی رونقوں اور شور شرابے سے دُور حرا نامی ایک پہاڑ کے غار میں چلے جاتے، اور دنیا کی اصلاح کے

---

(۱) سیرت ابن ہشام: ۱/۱۳۳، الروض الانف: ۲/۴۷۔

(۲) الادب المفرد، عن عبدالرحمٰن بن عوف: ۵۶۷۔

(۳) سیرت ابن ہشام: ۱/۱۳۴۔

بارے میں غور وفکر کرتے ، ایک تڑپ تھی ، جو انسانیت کے غلط راستے پر چلنے کی وجہ سے بڑھتی جا رہی تھی ، یہاں تک کہ کھانا پینا بھی بار بن گیا، کئی کئی دن تک اپنے گھر واپس نہ آتے ، بے چینی، بے قراری بڑھتی جا رہی تھی ، شاید کسی چیز کا انتظار تھا، اور کہیں سے اُمید پوری ہونے والی تھی ، اس کی کچھ علامتیں بھی نظر آنے لگی تھیں ، یہاں تک کہ ایک روز اسی غم اور فکر میں غار حرا میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک فرشتہ آیا، اور اس نے آسمانوں کے اوپر سے اللہ کا پیغام حضرت محمد کو سنایا، حضرت محمد کو معلوم تھا کہ یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری دی جا رہی ہے، جس کو اُٹھانا شاید کسی دوسرے انسان کے بس کی بات نہ تھی ، یہ ذمہ داری خدا کا پیغام بندوں تک پہنچانے کی خدمت تھی ، ان بندوں تک جو اب تک خدا سے دُور تھے، اور اس کو پہچانتے نہ تھے، آپ ﷺ اس ذمہ داری کا بہت زیادہ بوجھ محسوس کرتے تھے، اس وقت حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کی جن صفات کو خصوصیت سے ذکر کیا وہ یہ تھیں :

> بخدا اللہ آپ کو تنہا نہیں چھوڑے گا، آپ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں ، دوسروں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں ، محتاج کی حاجت روائی کرتے ہیں ، مہمان کی ضیافت کرتے ہیں اور حق کی راہ میں آنے والی مشکلات میں مددگار بنتے ہیں ۔(۱)

پندرہ برس کی رفاقت میں بیوی کو شوہر کے جن عادتوں اور کاموں کا تجربہ ہوا، وہ یہی تھے، اور یہ رفاہی سرگرمیاں نبوت کے کام میں معاون بننے والی تھیں ۔

بہر حال جو کام دیا گیا تھا، شروع کیا، اور اسلام کی تبلیغ کو پھیلانے لگے، حضرت محمد ﷺ نے جو پکار لگائی ، اس کو لوگ آسانی سے قبول کرنے والے نہ تھے ، مذہبی پیشوا دشمن بن گئے ، سرداروں کو ایسا محسوس ہوا کہ اب آقا اور غلام برابر قرار دیئے جائیں گے ؛ لہٰذا لوگوں نے آپ کو ستانا شروع کیا، مکہ کے لوگ نہ تو مذہب میں اصلاح چاہتے تھے، اور نہ سماج میں جو ظلم و زیادتی اور طبقہ واریت تھی ، اس کو ختم کرنا چاہتے تھے، اس کے باوجود اگر کسی کمزور ولاچار کی مدد کا مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ فوراً اس کی فکر کرتے ، اور اس کو حل کرنے کے لئے اپنے سخت سے سخت دشمن کے پاس جانے سے بھی نہیں کتراتے تھے۔

● ایک دفعہ کا ذکر ہے، قبیلہ اراش کا ایک شخص کچھ اونٹ لے کر مکہ آیا، ابو جہل نے اس کے

---

(۱) صحیح بخاری، عن عائشۃ : ۳۔

اونٹ خرید لئے، اور قیمت دینے میں ٹال مٹول کرنے لگا، وہ بے چارہ بہت پریشان ہوا، حرم گیا، وہاں قریشی سرداروں سے فریاد کی اور کہا کہ میں اس شہر میں اجنبی ہوں، مسافر ہوں، میری مدد کرو، قریشی سرداروں نے کہا: ہم تو کچھ نہیں کر سکتے، تم اس کونے میں بیٹھے ہوئے شخص سے جا کر کہو، وہ تمہارا روپیہ دلا دیں گے، اراشی ناواقف تھا، اور اس کو معلوم نہ تھا کہ ابوجہل حضرت محمد ﷺ کا کتنا زیادہ دشمن ہے، وہ شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور ابوجہل کی شکایت کی کہ ابوجہل نے میرا حق مارا ہے، میں نے فریاد کی تو لوگوں نے آپ کا پتا بتایا، آپ میرا حق دلا دیں، آپ ﷺ اسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے، اور اسے لے کر ابوجہل کے گھر کی طرف چل دیئے، کنڈی کھٹکھٹائی اور ابوجہل سے کہا: اس کا حق ادا کرو، ابوجہل کے چہرہ کا رنگ فق ہوگیا، اس نے کوئی جواب نہ دیا، اور قیمت لا کر اونٹ والے کو دیدی، (۱) یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی جرأت اور حق کی حمایت میں آپ کی سرگرمی کو ظاہر کرتا ہے، باوجود یہ کہ اس وقت آپ کے سامنے بے شمار مسائل تھے، اور ابوجہل کو آپ سے سخت نفرت تھی؛ لیکن مظلوم کی فریادرسی کے لئے آپ ﷺ نے فوری قدم اُٹھایا۔

● ایک دن رسول کریم ﷺ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حرم میں تشریف فرما تھے کہ قبیلہ زبید کا ایک آدمی آیا، اس نے پکارا: قریش کے لوگو! تمہارے یہاں کون تجارتی مال لانے کی ہمت کرے گا، جب کہ تم باہر سے آنے والوں کو لوٹ لیتے ہو؟ وہ شخص کعبہ کے پاس لگے ہوئے قریش کے حلقوں میں ہر حلقہ کے پاس جا کر آواز لگا تا رہا؛ لیکن کہیں سے اس کو مدد کی اُمید نہ نظر آئی، یہاں تک کہ وہ حضور ﷺ کے حلقہ کے پاس پہنچا اور فریاد کی، حضور ﷺ نے اس سے پوچھا: کس نے تجھ پر ظلم کیا ہے؟ زبیدی نے جواب دیا: ابوالحکم نے، میں اپنے علاقہ کے سب سے عمدہ تین اونٹ لے کر آیا ہوں، ابوجہل نے مجھ سے تین اونٹ خریدنے کی بات کی اور قیمت کم لگائی، وہ صرف ایک تہائی قیمت دینا چاہتا ہے، اب اس کے مقابلہ کوئی شخص ان اونٹوں کو اس سے زیادہ قیمت پر خریدنے تیار نہیں، میرا بہت گھاٹا ہو جائے گا، یہ دیکھ کر حضور ﷺ اس کے اونٹوں کے پاس گئے، دیکھا کہ بہت فربہ اونٹ ہیں، آپ نے اس کی مرضی کی قیمت لگائی، اور تینوں اونٹوں کا سودا کیا، پھر ان میں سے دو اونٹ بیچ کر اس کی قیمت ادا کی، اور تیسرا اونٹ بیچ کر رقم اپنے قبیلہ کی بیواؤں کو پہنچایا، ابوجہل دُور بیٹھا یہ سب دیکھ رہا تھا، آپ

(۱) سیرت ابن اسحاق: ۱۹۶۔

اس کے پاس گئے، اس کو ڈانٹا کہ خبردار! تم نے پھر کسی کے ساتھ یہ حرکت کی، جو اس بدو کے ساتھ کی ہے تو میں بری طرح پیش آؤں گا۔(۱)

● ایک بار کا واقعہ ہے، ایک شخص کا چھوٹا بچہ تھا، وہ شخص مرنے لگا، تو اس نے ابوجہل کو بلایا، گھر کا مال اور بچہ اس کے سپرد کیا کہ وہ نگرانی کرے، اور وصیت کر کے مر گیا، ایک دن وہ بچہ اس حال میں ابوجہل کے پاس آیا کہ اس کے بدن پر کپڑے تک نہ تھے، وہ بہت گڑگڑایا کہ اس کے باپ کے مال میں سے کچھ دیدے، مگر اس ظالم نے رحم نہ کھایا، بچہ کھڑے کھڑے مایوس ہو کر چلا گیا، قریشی سرداروں نے شرارتاً اس بچہ سے کہا کہ وہ محمد کے پاس جائے، وہ مال دلا دیں گے، بچہ بھولا تھا، سیدھا حضور ﷺ کے پاس پہنچا، اپنا حال کہا، آپ اسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے، بچہ کو ساتھ لے کر اپنے بدترین دشمن ابوجہل کے گھر آئے، اس نے جیسے ہی حضور ﷺ کو دیکھا استقبال کے لئے بڑھا، جب آپ نے فرمایا کہ اس بچہ کا حق ادا کرو تو وہ فوراً مان گیا، اور مال لا کر بچہ کے سپرد کر دیا۔(۲)

۶۲۲ء میں جب کہ آپ کی عمر ۵۳ سال کی تھی، مدینہ منتقل ہوئے، یہاں آپ ﷺ کی ذمہ داریاں بڑھ چکی تھیں، آپ کو نبی کی حیثیت سے دین کی تبلیغ بھی کرنی تھی، سربراہ مملکت کی حیثیت سے تمام شہریوں کی خبر گیری بھی کرنی تھی، ان حالات میں آپ نے غریبوں کی حاجت روائی کا انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح سے انتظام فرمایا۔

فقرائے مہاجرین کی ضرورتوں کے حل کی تدبیر

ہجرت مدینہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کو اجتماعی طور پر فقرائے مہاجرین کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا مسئلہ درپیش ہوا، یہاں انفرادی طور پر حاجت روائی مسئلہ کا حل نہ تھی، آپ نے ان کا اجتماعی بندوبست فرمایا، اور مواخات کا نظام قائم کیا، یہ نظام دراصل ایثار، بے لوثی اور احسان پر قائم تھا، اور مکہ سے آنے والے مہاجرین اور مدینہ کے رہنے والے انصار کے درمیان ہونے والے اس بھائی چارہ نے ہمدردی، غمگساری اور ایثار کا ایسا نقش قائم کیا جو رہتی دنیا تک تاریخ کے صفحات پر ثبت رہے گا، انصار نے مہاجرین کی حاجت روائی کی، مدینہ میں قائم ہونے والی اس نوخیز ریاست نے مہاجرین کے مسئلہ کو بڑی خوش اُسلوبی سے حل کیا، روایت میں آتا ہے کہ اس

(۱) الاکتفاء بما تضمنہ من مغازی رسول اللہ ﷺ والثلاثۃ الخلفاء: ۱/ ۲۳۰، امتاع الاسماع: ۶/ ۲۳۷۔

(۲) السیرۃ الحلبیۃ: ۱/ ۴۴۵۔

بھائی چارہ کا ایک عہد نامہ بھی تیار کیا گیا تھا، جو انسؓ کے گھر میں اور ایک روایت کے مطابق مسجد نبوی میں تحریر کیا گیا تھا، جس میں لکھا تھا کہ میراث کا نظام اب رشتہ داروں کے بجائے مواخات میں شریک ہونے والوں کے درمیان چلے گا، (۱) ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ کے گھر میں رسول اللہ ﷺ نے دو تین مرتبہ بھائی چارہ کرایا تھا، (۲) بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے جیسے مہاجرین کی آمد ہوتی جاتی تھی، حضرت محمد ﷺ نئے آنے والوں اور انصار کے درمیان بھائی چارہ کراتے تھے، (۳) جو کبھی مسجد میں انجام پاتا، اور کبھی کسی کے گھر میں، انصار مدینہ نے اس سلسلہ میں یہاں تک دلچسپی دکھائی کہ مہاجرین کو اپنے گھر لے جانے میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے لگے، اور جب بات نہ بنتی تو قرعہ نکالنے کی نوبت آتی۔ (۴)

ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے پانچ ماہ بعد بھائی چارہ کرایا، (۵) مواخات کا نظام مدینہ سے پہلے مکی زندگی میں بھی مسلمانوں کے درمیان قائم کیا گیا تھا، (۶) ابن حجرؒ کہتے ہیں: متعدد علماء نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے درمیان دو مرتبہ بھائی چارہ کروایا تھا، ایک مرتبہ آپس میں صرف مہاجرین کے درمیان، اور دوسری مرتبہ مہاجرین اور انصار کے درمیان، حافظ ابن حجرؒ نے ابن عبدالبرؒ سے نقل کیا ہے کہ مہاجرین کے درمیان جو بھائی چارہ ہوا تھا وہ مکہ میں ہوا تھا، اور دوسری مرتبہ مدینہ آمد کے بعد ہوا۔ (۷)

مواخات کے اس نظام کی وجہ سے فقرائے مہاجرین کو بڑا سہارا ملتا تھا، مدینہ میں ان کے لئے سر چھپانے کی جگہ نہیں تھی، اپنا گھر بار، کاروبار اور زمینیں وغیرہ اپنے وطن میں چھوڑ کر انھیں ہجرت پر مجبور ہونا پڑا تھا، انصار ان کو گھر میں ٹھہراتے، کاروبار اور کھیتی باڑی میں شریک کرتے، ان کی دلجوئی کرتے، اور وطن کی فرقت کا غم دُور کرتے، (۸) اگر وہ بیمار ہوتے تو ان کی تیمارداری کرتے، انتقال ہوتا تو تجہیز و تکفین کرتے، (۹) اور اگر انصاری کا انتقال ہوتا تو رشتہ داروں کے

(۱) دیکھئے: صحیح بخاری، عن ابن عباس: ۲۲۹۲، عن انس: ۲۲۹۵۔
(۲) سنن ابی داؤد، عن انس: ۲۹۲۶۔ (۳) دیکھئے: صحیح بخاری، عن انس: ۶۰۸۲۔
(۴) دیکھئے: صحیح بخاری، عن اُم العلاء الانصاریہ: ۲۶۸۷۔
(۵) الاستیعاب: ۱/ ۴۲۔ (۶) فتح الباری: ۱۰/ ۵۰۱۔
(۷) فتح الباری: ۷/ ۲۷۰۔ (۸) الروض الانف: ۴/ ۱۷۸۔
(۹) صحیح بخاری، عن اُم العلاء الانصاریہ: ۲۶۸۷۔

بجائے مہاجر بھائی ان کے وارث ہوتے ، انصار کے اس احسان و ایثار کا مہاجرین نے غلط فائدہ نہیں اُٹھایا ، وہ ان پر بوجھ بننے کے بجائے ان کی مدد کرتے ، اور محنت کر کے اپنی روزی مہیا کرتے ، مدینہ کے انصار کو کھیتی باڑی کا تجربہ تھا، اور مکہ سے آنے والے تجارت اور کاروبار کے ماہر تھے، اگرچہ کہ مدینے کی آمدنی کے ذرائع کے حساب سے مہاجرین کی تعداد زیادہ تھی ؛ لیکن محبت اور ایثار کے جذبات کے ساتھ ہونے والے اس بھائی چارہ نے مدینہ کی معیشت پر اچھا اثر ڈالا ، جس گھر میں ایک ذمہ دار تھا ، وہاں دو کمانے والے ہو گئے ، باغ والے کو مزدور مہیا ہوئے ، تاجروں کو تجربہ کار معاون ملے۔

جلد ہی اس کے نتیجے ظاہر ہوئے ، عبدالرحمٰن بن عوف جب ہجرت کر کے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو سعد بن ربیع انصاری کا بھائی بنایا، جو صاحبِ حیثیت تھے، سعد نے بھائی کے سامنے مال و اسباب کی پیشکش کی، عبدالرحمٰن نے کہا: مجھے ان سب کی ضرورت نہیں ؛ البتہ بازار کی رہنمائی چاہتا ہوں، سعد نے بنوقینقاع کے بازار کا راستہ بتایا، جہاں سناروں کی دُکانیں تھیں، دن بھر کی محنت کے بعد عبدالرحمٰن رات کو نفع میں کچھ پنیر اور گھی بچا کر لائے ، اور چند ہی دن میں اتنی حالت بہتر کر لی کہ شادی کا انتظام ہو گیا، اور شادی کر لی ۔(۱)

اصحابِ صفہ

مدینہ میں ایک اور گروہ کے معاشی مسائل کا حل بھی ایک اہم مسئلہ تھا، یہ مکہ مکرمہ اور دیگر مقامات سے مدینہ منورہ کی طرف اسلام کو قبول کرتے ہوئے اپنے وطن کو چھوڑ کر ہجرت کر کے آنے والے متعدد غریب الدیار افراد تھے، جن کے لئے رہنے سہنے کا کوئی ٹھکانہ اور کھانے پینے کا کوئی انتظام نہ تھا، اپنے وطن میں انھوں نے گھر بار، مال و دولت اور اسباب چھوڑا تھا، ان نو وارد افراد کے لئے مدینہ میں فوراً کسی کام میں جڑنے کی گنجائش نہ تھی ، مدینہ کی معیشت کا اصل دار و مدار کھیتی باڑی اور نخلستانوں پر تھا، جب کہ مکہ سے آنے والے تجارتی پس منظر رکھتے تھے، نیز ان کے پاس کوئی سرمایہ بھی نہ تھا کہ اس کے ذریعہ کاروبار شروع کر سکتے ، انصار مدینہ نے ان مہاجرین کی دلداری اور امداد میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی ، اس کے باوجود بعض مہاجرین کو ٹھکانہ نہ مل سکا ، غزوۂ خندق سے پہلے تک مہاجرین کی آمد کا سلسلہ مستقل طور پر جاری رہا۔

(۱) صحیح بخاری، عن عبدالرحمٰن بن عوف: ۲۰۴۸۔

دائمی طور پر نقل مکانی کرنے والوں کے علاوہ مدینہ طیبہ کی طرف علم اور دین کو حاصل کرنے والے وفود کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا، یہ وہ افراد تھے، جو اپنے قبیلوں کے نمائندوں کے طور پر یا خود ذاتی شوق و رغبت سے طلب علم کے لئے حضور ﷺ کے پاس آتے، (۱) ان میں متعدد واردین ایسے ہوتے جن کی جان پہچان مدینہ کے کسی قبیلہ سے نہ ہوتی؛ چنانچہ ان کو بھی مستقل یا محدود مدت کے لئے ٹھکانہ فراہم کرنے کی ضرورت تھی، رسول اللہ ﷺ ان تمام افراد کی رہائش اور ضروریات کو پورا کرنے کی فکر کرتے تھے۔

مدینہ آنے کے سولہ ماہ بعد جب قبلہ بیت المقدس سے مکہ مکرمہ کی طرف پھیر دیا گیا، تو مسجد نبوی کی پچھلی دیوار جو قبلہ کی تھی، خالی ہوگئی، رسول ﷺ کے حکم سے اس پر چھت ڈال دی گئی، اس کے اطراف میں کوئی آڑ نہ تھی، جس کی وجہ سے دھوپ، سردی، گرمی اور ہواؤں سے بچاؤ نہیں ہوتا تھا، یہ ایک وسیع چبوترہ تھا، جو بڑی تعداد میں لوگوں کے لئے کافی تھا، حضرت ابو ہریرہؓ ان کے امیر بنائے گئے تھے، اور وہ تمام اہل صفہ کو ان کے حالات اور عبادت کے اعتبار سے پہچانتے تھے، ان غریب الدیار حضرات کے پاس کبھی تن ڈھانکنے کے لئے پورا کپڑا بھی نہ ہوتا تھا، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اصحابِ صفہ میں سے ستر افراد کو اس حال میں بھی دیکھا ہے کہ ان کے پاس کپڑے کا پورا جوڑا نہیں تھا، یا تو اوپر کی چادر تھی، یا نیچے کی چادر تھی، جس کو انھوں نے گردن سے باندھ لیا ہوتا، کسی کی ٹخنے تک اور کسی کی پنڈلیوں تک ستر پوشی ہوتی، چادر کو بیچ میں اپنے ہاتھ سے پکڑ لیتے؛ تاکہ بے ستری نہ ہو۔ (۲)

رسول اللہ ﷺ ان کی مختلف طریقوں سے خبر گیری فرماتے، ان کے پاس بیٹھتے، ان کی دلجوئی فرماتے، ان کو خود قرآن سکھاتے، ان سے مزاح فرماتے، ٹھکانہ تو چبوترہ پر مل چکا تھا؛ لیکن سب سے اہم مسئلہ ان کے کھانے کی فکر کا تھا، حدیث اور سیرت کی کتابوں میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے لئے حضور ﷺ نے مستقل نظام بنایا تھا، جس سے ان کے خورد ونوش کی ضروریات پوری ہوتی رہتیں۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے نماز مغرب کے بعد اعلان کیا: جس کے پاس دو آدمی کا کھانا ہے وہ تیسرے کو اپنے ساتھ لے جائے، اگر چار آدمی کا کھانا ہو تو پانچویں شخص کو اور پانچ کا

(۱) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب نوم الرجال فی المساجد۔ (۲) صحیح بخاری: ۴۴۲۔

ہے تو چھٹے آدمی کو لے جائے ، اور اپنا مہمان بنائے ، حضرت ابو بکرؓ نے تین آدمی کو مہمان بنایا ، اورخود رسول اللہ ﷺ نے دس آدمیوں کے کھانے کا انتظام کیا۔(۱)

ایک روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا مغرب کی نماز کے بعد اہل صفہ کے پاس تشریف لے جاتے ، اور انصار ومہاجرین میں سے جو لوگ نماز میں موجود ہوتے ان کے ساتھ اصحاب صفہ میں سے ایک ایک فرد کو روانہ کرتے ، فرماتے: اے فلاں! تم اس آدمی کے ساتھ جاؤ، اور تم فلاں آدمی کے ساتھ جاؤ، صفہ کے ایک فرد کہتے ہیں: میں پانچ افراد کے ساتھ بچ گیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سب میرے ساتھ آؤ، ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے ، اور اماں جان عائشہؓ کے پاس پہنچے، یہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: عائشہ! کھانا کھلاؤ، انھوں نے ثرید کی قسم کا کھانا پیش کیا، آپ ﷺ نے مزید طلب کیا، انھوں نے دوسرا کھانا پیش کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: پینے کے لئے کچھ لاؤ، انھوں نے دُودھ کا بڑا برتن پیش کیا، جب کھا پی چکے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چاہو تو میرے گھر میں سو جاؤ، چاہو تو مسجد چلے جاؤ، مہمانوں نے مسجد جانا پسند کیا۔(۲)

حضرت ابو ہریرہؓ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں بھوک کی وجہ سے اپنا جگر زمین سے چمٹا کر پڑا رہتا، اور کبھی اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا، ایک دن میں راستہ میں بیٹھ گیا، حضرت ابو بکرؓ کا اِدھر سے گذر ہوا، تو ان سے قرآن کی ایک آیت کے بارے میں سوال کرنے لگا، مقصد یہ تھا کہ وہ ساتھ لیتے جائیں گے، اور کچھ کھلا دیں گے؛ لیکن انھوں سوال کا جواب دیا اور چلے گئے، پھر حضرت عمرؓ کا اِدھر سے گذر ہوا، تو ان سے بھی میں نے قرآن کے بارے میں سوال کیا، مقصد یہ تھا کہ ساتھ لیتے جائیں گے، اور کچھ ضیافت کر دیں گے؛ لیکن انھوں نے بھی ساتھ نہ لیا، پھر حضرت محمد ﷺ کا گذر ہوا، آپ نے چہرے سے دل کا حال پہچان لیا، اور کہا: ابو ہریرہ! ساتھ چلو، میں ساتھ ہو لیا، گھر میں جا کر حضور ﷺ نے میرے لئے اجازت لی اور اندر بلایا، گھر میں ایک پیالہ دُودھ آیا تھا، پوچھا: یہ کہاں سے آیا، جواب ملا: فلاں صاحب نے آپ کے لئے ہدیہ بھیجا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: ابو ہریرہ! جاؤ، اہل صفہ کو بلا لاؤ، ابو ہریرہ کہتے ہیں: اہل صفہ اسلام کے مہمان تھے، جن کا نہ گھر بار تھا،

(۱) صحیح بخاری، عن عبدالرحمٰن بن ابی بکر: ۶۰۲۔ (۲) سنن ابی داؤد: ۵۰۴۰، سنن کبریٰ نسائی: ۶۵۸۶۔

نہ ٹھکانہ، حضور ﷺ کے پاس جب کہیں سے صدقہ کا مال آتا تو ان کے پاس روانہ کرتے، اور جب کوئی ہدیہ بھیجتا تو ان کو بلاتے، اور خود بھی تناول فرماتے، ان کو بھی شریک کرتے، مجھے اس موقع پر انھیں یاد کرنا اچھا نہ لگا، میں نے دل میں کہا: اتنا ذرا سا دودھ اہل صفہ کے کیا کام آئے گا، مجھے ہی دو گھونٹ میسر ہو جاتا تو بدن میں کچھ قوت آ جاتی، جب وہ آئیں گے تو مجھے ہی پلانے کا حکم ہوگا، پھر میرے لئے کیا بچے گا؛ لیکن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے چارہ کار نہ تھا، میں گیا، اور ان کو بلا لایا، اہل صفہ آئے، اور اجازت لے کر بیٹھ گئے، حضور ﷺ نے فرمایا: ابو ہریرہ! میں نے کہا: لبیک یا رسول اللہ، فرمایا: اُٹھو اور سب کو دُودھ پیش کرو، میں نے پیالہ لیا، ایک ایک کر کے پیش کیا، مہمان پیالہ لیتے، اور آسودہ ہو کر نوش کرتے، پھر مجھے پیالہ واپس کر دیتے، میں دوسرے کو دیتا، وہ بھی سیر ہو کر پیتے اور واپس کرتے، میں سب سے فارغ ہو کر حضور ﷺ تک پہنچا، سب لوگ آسودہ ہو چکے تھے، آپ ﷺ نے پیالہ ہاتھ میں لیا، مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا، اور کہا: ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ! فرمایا: صرف میں اور تم باقی رہ گئے!! میں نے کہا: بے شک صرف میں اور آپ ہی باقی رہ گئے، فرمایا: بیٹھو اور پیو، میں نے بیٹھ کر پیا، فرمایا: اور پیو، میں نے پھر پیا، حضور ﷺ بار بار فرماتے رہے: پیو، یہاں تک کہ میں نے عرض کیا: خدا کی قسم اب مزید کی گنجائش نہیں، فرمایا: مجھے دو، میں نے پیش کیا، آپ نے اللہ کی تعریف کی، بسم اللہ پڑھی، اور سب کا بچا ہوا نوش فرمایا۔(۱)

حضرت ابو ہریرہؓ ایک اور مرتبہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں: تین دن گذر گئے اور مجھے کھانے کا دانہ نہ مل سکا، میں صفہ کی طرف چل دیا، کمزوری کی وجہ سے راستہ میں گرا جا رہا تھا، اور بچے مجھے دیکھ کر پکار رہے تھے، ابو ہریرہ کو جنون ہو گیا، میں کہتا؛ بلکہ تم کو جنون ہو گیا ہے، اسی حال میں صفہ پہنچا، دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کے پاس ثرید کا پیالہ رکھا ہوا تھا، اور اہل صفہ ثرید کھا رہے تھے، میں بھی بھیڑ میں اوپر اُٹھ کر جھانکنے لگا؛ تا کہ مجھ بھی بلا لیں، سب حضرات فارغ ہو کر چلے گئے، اور پیالہ کے اندر کچھ کھانا لگا رہ گیا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو سمیٹا تو ایک لقمہ بن گیا، اسے لے کر مجھے دیا اور کہا: اللہ کا نام لے کر کھا لو، میں نے اسے کھایا، اور اللہ کی قسم! میں آسودہ ہو گیا۔(۲)

طلحہ بن عمروؓ کہتے ہیں: جب کوئی شخص مدینہ آتا، تو شہر میں اگر اس کا کوئی واقف کار ہوتا تو

(۱) صحیح بخاری: ۶۴۵۲۔ (۲) صحیح ابن حبان: ۶۵۳۳۔

اس کے پاس قیام کرتا، اور اگر واقف کار نہ ہوتا تو صفہ میں قیام کرتا، میں جب مدینہ آیا تو میری جان پہچان کسی سے نہ تھی، صفہ میں ایک شخص کے ساتھ رہنے لگا، رسول اللہ ﷺ کے پاس سے روز آنہ ایک مد کھجور آجاتی، اور ہم تقسیم کر لیتے۔(۱)

انصار کے بعض افراد نے تو اپنے آپ کو اہل صفہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا، جو صرف اہل صفہ کے کھانے کا انتظام کرنے کے لئے محنت کر کے کمائی کرتے، ان کی تعداد ستر تھی، یہ لوگ مدینہ میں اپنا گھر بار ترک کر کے اصحاب صفہ کے ساتھ ہو گئے تھے، اور قراء کہلاتے تھے، مسجد میں قرآن کی تلاوت کرتے تھے، دن کو لکڑیاں کاٹ کر لاتے، اور بازار میں فروخت کر کے اصحابِ صفہ اور فقراء کے لئے کھانے کا انتظام کرتے، مسجد میں پانی کا انتظام کرتے، اور رات کو تعلیم کے حلقے لگا کر سیکھتے اور سکھاتے۔(۲)

غرباء کے لئے مسجد نبوی میں کھجور کی شاخیں

مدینہ منورہ میں جو غرباء اور مساکین تھے، ان کے لئے رسول اللہ ﷺ نے انصار کے مشورہ سے ایک انتظام یہ کیا کہ مسجد میں ان کے لئے کھجور کی شاخ لٹکا دی جاتی، اور جو حاجت مند چاہتا اس میں سے کھجوریں جھاڑ کر اپنا پیٹ بھر لیتا، اس سلسلہ کو دراز کرنے کے لئے یہ بات طے ہوئی کہ انصار مدینہ اپنی باری مقرر کر لیں، ہر شخص باری کے دن اپنے باغ سے خوشہ لا کر مسجد نبوی کے ستون سے لٹکا دیتا، اور اس کام کی ذمہ داری حضرت معاذ بن جبلؓ کو دی گئی، (۳) کھجوریں لٹکانے کے لئے انھوں نے دو ستونوں کے درمیان ایک رسی باندھ دی تھی، (۴) حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ذمہ داری سے مراد اس کی حفاظت یا تقسیم کا کام تھا۔(۵)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: باغ والے اپنی حیثیت کے مطابق کھجوریں لاتے، کوئی ایک کوئی دو خوشے لاتا، اور مسجد میں لٹکا دیتا، اہل صفہ کے کھانے کا کوئی مستقل انتظام نہ تھا، جو شخص بھوکا ہوتا، وہ آکر لکڑی سے کھجوریں جھاڑ لیتا، کچی پکی کھجوریں گرتیں اور وہ کھا لیتا، (۶) ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زکوۃ کی کھجوریں ہوتیں تھیں، اور ان کا نصاب رسول اللہ ﷺ نے

---

(۱) مسند احمد: ۱۵۹۸۸، صحیح ابن حبان: ۶۶۸۴۔ (۲) صحیح بخاری: ۳۰۶۴، صحیح مسلم عن انس: ۶۷۷۔
(۳) فتح الباری: ۱/۵۱۶۔ (۴) وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ: ۲/۵۱۔
(۵) فتح الباری: ۱/۵۱۶۔ (۶) سنن الترمذی: ۲۹۸۷۔

مقرر کر دیا تھا، ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر دس وسق کھجور میں سے ایک خوشہ مسجد میں مساکین کے لئے لٹکانے کا حکم دیا تھا۔(۱)

اس طرح کی اجتماعی ضرورتوں کی تکمیل کے ساتھ آپ ﷺ انفرادی طور پر پیش آنے والی ضرورتوں کو بھی پورا کرتے رہتے تھے، یہ انفرادی ضروریات کئی طرح کی ہوتی تھیں، جن میں مہمانوں کی ضیافت، یتیموں کے ساتھ حسن سلوک اور سماج کے دبے کچلے لوگوں، مثلاً: بیواؤں اور غلاموں کی ضرورتوں کی تکمیل شامل تھی۔

مہمانوں کے ساتھ حسن سلوک

رسول اللہ ﷺ کے پاس مہمانوں کی آمد کا سلسلہ لگا رہتا، رسول اللہ ﷺ ان کے کھانے کا انتظام کرتے، اور رات کو ٹھہراتے، پھر صبح کو وہ اپنے راستہ پر روانہ ہو جاتا۔

ایک صحابی حضرت مقدادؓ کہتے ہیں کہ میں اور میرے دو ساتھیوں کا بھوک اور مشقت سے بُرا حال ہو گیا تھا، ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے، آپ ہم کو لے کر اپنے گھر تشریف لے گئے، وہاں تین بکریاں تھیں، آپ نے وہ ہمارے حوالے کر دیں، ہم کئی دن حضور ﷺ کے پاس رہے، بکریوں کا دُودھ نکالتے، اپنا حصہ پی کر حضور کے لئے الگ رکھ دیتے تھے، اور حضور ﷺ اپنے کاموں سے فارغ ہو کر آتے، اور اپنا حصہ نوش فرماتے۔(۲)

ایک مرتبہ ایک غیر مسلم شخص آپ کا مہمان بنا، آپ ﷺ نے اپنی ایک بکری کا دُودھ اس کو پیش کیا، اس نے پی لیا، پھر دوسری بکری کا دُودھ نکال کر پیش کیا، وہ بھی پی لیا، اس طرح یکے بعد دیگرے سات بکریوں کا دُودھ پیا۔(۳)

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ کے پاس کچھ نہ ہوتا، تو آپ اپنے صحابہ میں سے کسی کو مہمان کی ضیافت کا حکم دیتے، حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا، آپ نے اپنے گھروں میں کھانے کے لئے کہلا بھیجا، وہاں سے جواب آیا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں، یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: کون اس مہمان کی آج ضیافت کرے گا اور اللہ کی

---

(۱) سنن ابی داؤد، عن جابر: ۱۶۶۲۔

(۲) صحیح مسلم، عن مقداد بن الاسود: ۲۰۵۵۔

(۳) صحیح مسلم، عن ابی ہریرہؓ: ۲۰۶۳۔

رحمت میں داخل ہوگا؟ ایک صحابی حضرت ابوطلحہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں کروں گا، یہ کہہ کر وہ مہمان کو اپنے گھر لے گئے، اور پوچھا: کچھ ہے؟ بیوی نے جواب دیا: صرف بچوں کے لئے کچھ ہے، انھوں نے کہا: بچوں کو بہلا کر سلا دو، اور جب مہمان کھانے بیٹھیں تو چراغ بجھا دینا، اور ہم اس طرح ظاہر کریں گے جیسے کھا رہے ہوں، اس طرح مہمان نے بیٹھ بھر کر کھایا، اور سب نے بھوکے رات گذاری۔(۱)

یتیموں کے ساتھ حسن سلوک

آپ ﷺ کی تعلیمات میں ہم کو یتیموں کا خاص خیال رکھنے کی تاکید بار بار ملتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''أَنَا وَكَافِلُ اليَتِيمِ فِي الجَنَّةِ هَكَذَا'' یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں میرے ساتھ اس طرح ہوگا، یہ کہہ کر آپ نے دو انگلیوں کی طرف اشارہ کیا۔(۲)

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے، مدینہ میں ایک شخص تھے جن کا نام ابولبابہ بن عبد المنذر تھا، ان کی پرورش میں ایک یتیم بچہ تھا، جس نے کھجور کے ایک درخت کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ابولبابہؓ کی شکایت کی، حضور ﷺ نے دونوں کی بات سن کر ابولبابہؓ کے حق میں فیصلہ کر دیا، یہ سن کر بچہ رونے لگا، اس کی حالت دیکھ کر حضور ﷺ نے ابولبابہؓ سے کہا: یہ درخت مجھے دے دو؛ تاکہ میں اسے یتیم کے حوالہ کر دوں؛ لیکن وہ دینے پر راضی نہ ہوا، حضور ﷺ نے اس سے کہا کہ اچھا اگر تم خود اس یتیم کو دیدو تو تم کو جنت میں اس کے بدلہ ایک کھجور کے درخت کا وعدہ کرتا ہوں، اس پر بھی ابولبابہؓ تیار نہ ہوئے، ایک صحابی وہاں یہ سب دیکھ رہے تھے، وہ حضور ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا اگر میں یہ درخت خرید کر بچہ کو دیدوں تو مجھ کو بھی جنت میں ایسا ہی درخت ملے گا، حضور ﷺ نے کہا: ہاں، یہ سن کر وہ ابولبابہ کے پاس گئے، اور اپنے پورے باغ کے بدلے وہ ایک درخت خرید لیا اور لا کر اس یتیم کو ہبہ کر دیا۔(۳)

سماج کے کمزور طبقات کی خدمت کو آپ ﷺ نے خدا کی عبادت میں رات دن لگے رہنے والے اور اپنی جان کو راہِ خدا میں قربان کرنے والے سے زیادہ ثواب کا عمل قرار دیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) صحیح مسلم، عن ابی ہریرہؓ: ۲۰۵۴۔ (۲) صحیح بخاری، عن سہل بن سعدؓ: ۶۰۰۲۔

(۳) صحیح ابن حبان، عن انسؓ: ۷۱۵۹۔

بیواؤں اور مسکینوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا ثواب میں اللہ کے
راستہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے، اور مسلسل نماز پڑھنے والے
اور بے تکان روزہ رکھنے والے کی طرح ہے۔(۱)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی عبد اللہ بن ابی اوفیؓ ہیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف ذکر فرماتے ہوئے کہتے ہیں :

كَانَ رَسُولُ اللهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ الذِّكْرَ ، وَيُقِلُّ اللَّغْوَ ، وَيُطِيلُ الصَّلَاةَ ، وَيُقَصِّرُ الْخُطْبَةَ ، وَلَا يَأْنَفُ أَنْ يَمْشِيَ مَعَ الْاَرْمَلَةِ ، وَالْمِسْكِينِ فَيَقْضِيَ لَهُ الْحَاجَةَ ۔(۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے ، بے کار باتوں سے پرہیز کرتے، لمبی نماز پڑھتے، خطبہ مختصر دیتے، بیوہ عورت یا مسکین آدمی کسی کام کے لئے چلنے کا تقاضا کرتا تو اس کے ساتھ جانے میں ذلت محسوس نہ کرتے؛ بلکہ ان کے ساتھ جا کر ان کا کام پورا کر دیتے۔

ہندوستان کے مشہور شاعر مولانا الطاف حسین حالیؒ نے اپنے اشعار میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان صفات کو اس طرح بیان کیا ہے :

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

● ● ●

(۱) صحیح بخاری، عن ابی ہریرہؓ: ۲۹۸۲۔ (۲) سنن نسائی: ۱۴۱۴۔

سلسلۂ رسائل سیرت

۸

غیر مسلموں کے ساتھ
پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلوک

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ناشر

المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

طبع اول ۱۴۳۷ھ — ۲۰۱۶ء

کتاب : غیر مسلموں کے ساتھ پیغمبر اسلام ﷺ کا سلوک

مؤلف : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

صفحات : ۲۸

کمپیوٹر کتابت : محمد نصیر عالم سبیلی فون نمبر : +91 9959897621
(العالم اُردو کمپیوٹرس، کوتہ پیٹ، بارکس، حیدرآباد)

سن طباعت : ۱۲/ جمادی الاول ۱۴۳۷ھ، مطابق: ۲۱/ فروری ۲۰۱۶ء

ناشر : المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

ملنے کے پتے

- المعہد العالی الاسلامی، شاہین نگر، حیدرآباد۔
- کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، ضلع سہارنپور یوپی۔
- ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرس پرانی حویلی، حیدرآباد۔
- العالم اُردو کمپیوٹرس، کوتہ پیٹ، حیدرآباد۔

پیش لفظ

قرآن مجید نے اپنے لانے والے کی جو تصویر پیش کی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں، نہ آپ کی رحمت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے، نہ عربوں کے ساتھ، نہ کسی خاص رنگ ونسل کے لوگوں کے ساتھ؛ یہاں تک کہ آپ کی رحمت وشفقت بنی نوع انسان تک بھی محدود نہیں ہے؛ بلکہ آپ ﷺ نے دوسری مخلوقات کے ساتھ بھی رحم وکرم کی تعلیم دی ہے؛ مگر افسوس کہ غیر مسلم بھائی سیرت محمدی کے اس پہلو سے واقف نہیں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ صرف مسلمانوں کے پیغمبر اور محسن ہیں، مغربی مصنفین اگر بہت مہربان ہوں تو زیادہ سے زیادہ آپ ﷺ کو عربوں کا نبی قرار دیتے ہیں۔

اسی پس منظر میں سہ روزہ بین الاقوامی سیرت نبوی سیمینار — جو ۱۲-۱۴ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق: ۲۱-۲۳ / فروری ۲۰۱۶ء کو المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں منعقد ہورہا ہے — کی مناسبت سے ۱۶ / رسائل کی ترتیب کا منصوبہ بنایا گیا، جس میں رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر رحمۃ للعالمینی کو پیش کیا جائے اور برادرانِ وطن کے درمیان آپ ﷺ کا صحیح تعارف کرایا جائے، کوشش کی گئی ہے کہ یہ رسائل مختصر ہوں، زبان آسان ہو اور ہر بات معتبر حوالہ سے کہی جائے، انشاء اللہ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ تک کوشش کی جائے گی کہ انگریزی اور ہندوستان کی تمام علاقائی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوجائے اور اسے بڑی تعداد میں برادرانِ وطن تک پہنچایا جائے۔

اسی سلسلہ کا ایک حصہ یہ رسالہ ''غیر مسلموں کے ساتھ پیغمبر اسلام ﷺ کا سلوک'' ہے، جس کو اس حقیر نے مرتب کیا ہے، اس کا مقصد غیر مسلم بھائیوں کے لئے آپ ﷺ کے ان ارشادات کو پیش کرنا ہے، جن میں اخلاق ومحبت کی تعلیم اور شائستہ زندگی کے لئے بہترین ہدایت ورہنمائی ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اس کے مقصد کے اعتبار سے مفید بنائے اور رسول اللہ ﷺ کے تعارف کی جو ذمہ داری اس اُمت پر ہے، اس کا کوئی حصہ اس کوشش کے ذریعہ ادا ہو سکے، ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم۔

۱۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ — **خالد سیف اللہ رحمانی**

۲۱؍ فروری ۲۰۱۶ء — (خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

○ ○ ○

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ ربط وتعلق کے سلسلہ میں اسلام نے دو بنیادی تصور دیا ہے، ایک یہ کہ تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں :

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۔ (۱)

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اورتم کو قبائل اور خاندانوں میں اس لئے تقسیم کیا ہے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے مختلف ارشادات میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو: ''کلکم من آدم و آدم من تراب'' ۔(۲) آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطبہ میں اپنی تعلیمات کا خلاصہ دو جملوں میں پیش فرمایا: ''إن الھکم واحد وإن اباکم واحد'' (۳) یقیناً تمہارا خدا ایک ہے اورتمہارے باپ بھی ایک ہی ہیں، تمام انسانوں کی ایک ماں باپ سے پیدائش کے تصور سے دوسرا تصور انسانی اُخوت کا پیدا ہوتا ہے کہ تمام انسان، چاہے وہ کسی مذہب کے ماننے والے ہوں، کسی خاندان سے ان کا تعلق ہو، کالے ہوں یا گورے، سب بھائی بھائی ہیں؛ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک موقعہ پر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تمام بنی آدم بھائی بھائی ہیں، (۴)

—— دوسرا بنیادی تصور یہ ہے کہ انسان بحیثیت انسان قابل احترام ہے، اور دنیا کی جو بے شمار نعمتیں ہیں، چاہے ان کا تعلق خشکی سے ہو یا سمندر سے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جو بھی پاک غذائیں پیدا کی ہیں، ان سب میں تمام انسانوں کا حق ہے، ایسا نہیں ہے کہ وہ صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص ہیں :

---

(۱) الحجرات: ۱۳۔

(۲) مجمع الزوائد، حدیث نمبر: ۱۳۰۸۹۔

(۳) کنز العمال، حدیث نمبر: ۵۶۵۲۔

(۴) ابوداؤد، کتاب الوتر، حدیث نمبر: ۱۵۱۰۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۔ (۱)

ہم نے بنی آدم کو باعزت بنایا ہے، ہم نے ان کو خشکی میں اور سمندر میں سوار کیا ہے اور انھیں پاکیزہ روزی عطا کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے مختلف ارشادات میں انسان کی فطری شرافت و وقار کا ذکر فرمایا ہے، (۲) گویا اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے نزدیک یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ کوئی شخص مسلمان ہو یا غیر مسلم، وہ انسان ہونے کی حیثیت سے قابل احترام اور باعزت ہے اور کائنات میں اللہ تعالیٰ نے جو وسائل رکھے ہیں، ان پر صرف مسلمانوں کا حق نہیں ہے؛ بلکہ تمام انسانوں کا حق ہے۔

یہ دو بنیادی اُصول ہیں، جن پر اسلامی نقطۂ نظر سے مسلم وغیر مسلم تعلقات کی بنیاد ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے اخلاق واُصول کے ذریعہ اس کے عملی نمونے پیش کئے ہیں۔

اکرام واحترام

رسول اللہ ﷺ غیر مسلم حضرات کے ساتھ ہمیشہ باہمی احترام واکرام کا معاملہ فرماتے تھے، آپ نے متعدد غیر مسلم بادشاہوں اور سرداروں کو خطوط لکھے اور انھیں اسی لقب سے مخاطب کیا، جس لقب سے ان کی رعایا ان کا ذکر کیا کرتی تھی، جیسے روم کے بادشاہ ہرقل کے لئے 'عظیم الروم' ایران کے بادشاہ کسریٰ کے لئے 'عظیم الفارس' اور حبش کے بادشاہ نجاشی کے لئے 'عظیم الحبش' (۳) عظیم سے مراد عظمت والی شخصیت، باعزت ہستی، ظاہر ہے کہ اس میں مخاطب کا احترام ہے، ابوجہل آپ کا بدترین دشمن تھا، اس نے آپ کو تکلیف پہنچانے اور بُرا بھلا کہنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی؛ چوں کہ اس کے اندر فیصلہ کرنے اور لوگوں کے معاملات کو حل کرنے کی خاص صلاحیت تھی؛ اس لئے اہل مکہ اس کو 'ابوالحکم' کہتے تھے، آپ ﷺ نے بھی اس کو ابوالحکم کے لفظ ہی سے مخاطب فرمایا کرتے تھے۔ (۴)

---

(۱) بنی اسرائیل: ۷۰۔ (۲) کنز العمال، حدیث نمبر: ۳۴۶۲۱۔

(۳) بخاری، باب کیف کان بدء الوحی، حدیث نمبر: ۱، کنز العمال، حدیث نمبر: ۱۱۳۰۲، نصب الرایہ: ۴/۵۰۰۔

(۴) سیرت ابن ہشام: ۱/۳۸۹۔

ابوسفیان ایمان نہیں لائے تھے اور وہ اہل مکہ کے سردار تھے، جب مکہ فتح ہوا اور حضور نے عمومی معافی کا اعلان فرمایا تو آپ نے کہا: جو لوگ اپنے گھر میں داخل ہو جائیں، ان کے لئے امن ہے: ''من دخل دارہ فھو اٰمن'' آپ کے اس ارشاد میں ابوسفیان کا گھر بھی داخل تھا؛ لیکن ابوسفیان کے اعزاز و اکرام کے لئے آپ ﷺ کے خصوصی طور پر اعلان فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، اس کے لئے امن ہے: ''من دخل دار ابی سفیان فھو آمن''۔(۱)

آپ ﷺ نے مکہ سے ہجرت کرنے سے پہلے چاہا کہ کعبۃ اللہ میں دو رکعت نماز پڑھنے کا موقع مل جائے، کعبہ کی کنجی قبیلہ بنوشیبہ کے پاس رہا کرتی تھی اور اس وقت یہ کنجی اس قبیلہ کے ایک شخص عثمان بن طلحہ شیبی کے پاس تھی، کسی شخص کے پاس کعبۃ اللہ کی کنجی کا ہونا اس کے لئے بہت اعزاز کی بات سمجھی جاتی تھی؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے خاندان بنوہاشم کے لوگ چاہتے تھے کہ کنجی انھیں مل جائے؛ تاکہ ان کے اعزاز میں اضافہ ہو، ان کی طرف سے حضرت علیؓ —— جو آپ کے چچازاد بھائی بھی تھے اور داماد بھی —— نے درخواست کی کہ کلیدِ کعبہ بھی ہمیں دے دی جائے؛ تاکہ کعبۃ اللہ کی خدمت ''سقایہ'' (پانی پلائی) تو پہلے سے بنوہاشم کے پاس ہے، یہ دوسرا اعزاز 'حجابہ' (کلید برداری) بھی بنوہاشم کو مل جائے، جب آپ ﷺ کعبۃ اللہ سے باہر تشریف لائے تو آپ نے عثمان شیبی کو طلب کیا اور انھیں یہ کہتے ہوئے کنجی واپس فرما دی کہ آج کا دن حسن سلوک کا اور عہد کو نباہنے کا دن ہے،(۲) یہ عربوں کے معاشرہ میں غیر معمولی اعزاز کی بات تھی اور اس اعزاز و اکرام کا معاملہ آپ نے ایک ایسے شخص کے ساتھ فرمایا، جو ابھی مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے اور جنھوں نے آپ کو آپ کی خواہش کے باوجود کعبہ میں دو رکعت نماز تک پڑھنے کی اجازت نہیں دی تھی۔(۳)

آپ ﷺ نے زندگی میں ہی نہیں؛ بلکہ مرنے کے بعد بھی اس تکریم و احترام کو پیش نظر رکھا؛ چنانچہ حضرت سہل بن حنیفؓ اور قیس بن سعدؓ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ دونوں قادسیہ (ایران کے مقام کا نام) —— میں بیٹھے ہوئے تھے —— سامنے سے جنازہ گذرا تو یہ دونوں

(۱) مسلم، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۱۷۸۰۔

(۲) سیرت ابن ہشام: ۲/۴۱۲۔

(۳) الخصائص الکبریٰ: ۱/۴۴۶۔

حضرات کھڑے ہوگئے، کہا گیا: یہ کسی مسلمان کا جنازہ نہیں ہے، غیر مسلم کا جنازہ ہے، ان حضرات نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے جنازہ گذرا تو آپ بھی کھڑے ہوگئے تھے، آپ سے عرض کیا گیا تھا: یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا وہ انسان نہیں تھا؟ ''الیست نفساً''۔(۱)

اسی طرح آپ ﷺ نے اپنے سے بڑی عمر والوں کی عزت وتوقیر کا حکم دیا ہے، (۲) اس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں۔

غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ

مسلمانوں کے جو غیر مسلم رشتہ دار ہوں، ان کے ساتھ ہمدردی اور حسن سلوک کی تاکید کی گئی، قرآن مجید میں بارہ مواقع پر رشتہ وقرابت کا لحاظ رکھنے کا حکم فرمایا گیا ہے، نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرابت دار کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں دوہرا ثواب ہے، صدقہ کا بھی اور صلہ رحمی کا بھی، (۳) ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو چاہتا ہے کہ اس کی روزی میں کشادگی ہو اور اس کی عمر دراز ہو تو اس کو رشتوں کا خیال رکھنا چاہئے، (۴) ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو برابر سرابر کا معاملہ کرنے والا ہو، وہ رشتوں کا پاس ولحاظ کرنے والا نہیں؛ بلکہ پاس ولحاظ رکھنے والا وہ ہے کہ جو اس کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ نہیں کرے، وہ اس کے ساتھ بھی صلہ رحمی کا معاملہ کرے۔(۵)

صلہ رحمی کی بنیاد مذہب پر نہیں ہوتی، رشتہ وقرابت پر ہوتی ہے، رشتہ دار چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم، آپ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، حضرت اسماء بنت ابی بکر جو آپ ﷺ کی نسبتی ہمشیرہ تھیں، ان کی والدہ ان کے پاس مدینہ آئیں، حضرت اسماء نے حضور ﷺ سے دریافت کیا: کیا میں ان کو کچھ دے سکتی ہوں؛ حالاں کہ ابھی وہ مشرک تھیں، تو آپ نے ان کے

---

(۱) بخاری، کتاب الجنائز حدیث نمبر: ۱۲۵، مسلم، کتاب الجنائز، باب القیام للجنازۃ، حدیث نمبر: ۹۶۱۔

(۲) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، حدیث نمبر: ۱۹۲۱۔

(۳) ترمذی، عن سلیمان بن عامر، حدیث نمبر: ۶۱۸۔

(۴) بخاری، عن انس، حدیث نمبر: ۹۹۱۔

(۵) بخاری، عن عبداللہ بن عمرو بن العاص، حدیث نمبر: ۵۹۴۶۔

ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم فرمایا،(۱) اسی طرح مختلف صحابہ کے والدین یا ماں باپ میں سے کوئی ایک غیر مسلم تھے، جیسے حضرت ابوبکرؓ کے والد حضرت قحافہ مکہ فتح ہونے تک مسلمان نہیں ہوئے تھے؛ لیکن حضرت ابوبکرؓ ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہے، حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ ایمان نہیں لائی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کو بُرا بھلا کہتی تھیں، پھر بھی آپ ان کو اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتے تھے، (۲) اسی طرح کا معاملہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی والدہ کا بھی تھا، آپ نے ان کے ساتھ بھی بہتر سلوک جاری رکھنے کی تلقین فرمائی، مدینہ کے کئی انصاری صحابی اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کی مالی مدد کیا کرتے تھے، اِن مسلمانوں نے اپنے اُن رشتہ داروں کو اسلام لانے کی دعوت دی، مگر وہ مسلمان ہونے کو تیار نہیں ہوئے، تو انھوں نے ان کی مدد روک دی، ان کے اس طرز عمل کو قرآن نے منع کیا، (۳) کہ ان کی ہدایت تمہارے ذمہ نہیں ہے، اللہ جس کو چاہتے ہیں، ہدایت دیتے ہیں: ''لیس علیک ھداھم ولکن اللہ یھدی من یشاء'' (۴) حضرت ابو طالب ایمان نہیں لائے؛ لیکن آپ ﷺ ان کی مدد کرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ حضرت علیؓ کی پرورش کا ذمہ آپ نے قبول فرمالیا اور آپ ہی کی توجہ دہانی پر ان کے ایک اور صاحبزادہ حضرت عقیلؓ کی پرورش کی ذمہ داری حضرت عباسؓ نے قبول فرمائی، اہل مکہ قریب قریب سبھی آپ کے رشتہ دار تھے اور آپ ہمیشہ ان کے ساتھ حسن سلوک کا خیال رکھتے تھے؛ چنانچہ — جیسا کہ آگے آرہا ہے — جب مکہ میں شدید قحط پڑا تو آپ ﷺ نے ان کا خطیر مالی تعاون فرمایا۔

غیر مسلم پڑوسی

جیسے رشتہ داری کا تعلق ایک قریبی تعلق ہوتا ہے، اسی طرح کا تعلق پڑوس کا ہے، قرآن مجید میں دو طرح کے پڑوسیوں کا ذکر کیا گیا ہے، ایک: رشتہ دار پڑوسی، دوسرے: اجنبی پڑوسی، (۵)

(۱) بخاری، کتاب الجزیہ، حدیث نمبر: ۳۰۱۲۔
(۲) الدر المنثور: ۶/۵۲۱۔
(۳) تفسیر قرطبی: ۳/۳۳۷۔
(۴) البقرۃ: ۲۷۲۔
(۵) النساء: ۳۶۔

جس کو 'الجار الجنب' سے تعبیر فرمایا گیا ہے، بعض مفسرین نے تو اس سے خاص طور پر غیر مسلم پڑوسی ہی مراد لیا ہے، (۱) اور ان دونوں پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر اس کی تاکید فرمائی — آپ نے فرمایا: وہ شخص صاحب ایمان نہیں — جس کا پڑوسی اس کے شر سے مطمئن نہ ہو، یہ بات آپ نے تین بار قسم کھا کر ارشاد فرمائی، (۲) پڑوسی سے مراد وہ شخص ہے جس کا مکان اس کے مکان سے قریب ہو، اس میں آپ نے مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا، رسول اللہ ﷺ کی ان ہی تعلیمات کا اثر تھا کہ آپ کے صحابہ غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا خاص خیال رکھتے تھے، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے یہاں ایک بکری ذبح کی گئی، جب وہ گھر تشریف لے گئے تو دریافت کیا: کیا میرے فلاں یہودی پڑوسی کو گوشت بھیجا گیا؟ پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمایا کرتے تھے، (۳) پڑوسی کی ایک اور قسم ''وقتی پڑوسی'' کی ہے، جیسے: ٹرین یا ہوائی جہاز یا بس کا ساتھی، اس کو قرآن مجید کی اس آیت میں ''صاحب الجنب'' کہا گیا ہے، اور ان سے اچھے سلوک اور بہتر برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے، اس حکم میں بھی مسلمان و غیر مسلم دونوں شامل ہیں۔

خوشی و غم میں شرکت

ایک دوسرے کے ساتھ خوشگوار تعلق کا تقاضا ہے کہ خوشی و غم میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہوں، رسول اللہ ﷺ اس کا بھی خیال رکھتے تھے، اگر کوئی غیر مسلم بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت کیا کرتے تھے، ایک یہودی نوجوان جو آپ کے ساتھ آمد و رفت رکھتا تھا اور محبت کے ساتھ آپ کی خدمت بھی کیا کرتا تھا، بیمار پڑ گیا تو آپ نے اس کی عیادت فرمائی، (۴) غیر مسلم اہل تعلق کی آخری رسومات میں بھی آپ نے شرکت فرمائی ہے؛ چنانچہ حضرت ابو طالب کے جلوس جنازہ میں آپ تشریف لے گئے اور مقام تدفین تک پہنچے، (۵) اسی طرح آپ نے حضرت علیؓ کو

---

(۱) تفسیر ابن کثیر، آیت مذکورہ۔

(۲) بخاری، عن ابی شریح، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۵۶۷۰، حدیث نمبر: ۶۰۱۶۔

(۳) ابوداؤد، عن ابن عمر، کتاب الادب، باب فی حق الجوار، حدیث نمبر: ۵۱۵۴۔

(۴) صحیح بخاری، باب عیادۃ المشرک، حدیث نمبر: ۵۶۵۷۔

(۵) سنن بیہقی، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۶۴۵۹۔

اپنے والد ابوطالب کی تجہیز وتکفین کا حکم دیا، جو مسلمان نہیں ہوئے تھے، (۱) آپ کی ان ہی تعلیمات کا اثر تھا کہ آپ کے رفقاء بھی اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کے جلوس جنازہ میں شریک ہوا کرتے تھے۔

تعزیت کے معنی پرسہ دینے کے ہیں، اس کی بھی اجازت ہے، اگرچہ آپ ﷺ کا صریح عمل اس سلسلہ میں منقول نہیں ہے؛ لیکن آپ نے عمومی طور پر غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ جس حسن سلوک کی تعلیم دی ہے، اس کی روشنی میں شریعت اسلامی کی شارحین نے غیر مسلم بھائیوں کی تعزیت کرنے کی تلقین ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مریضوں کی عیادت کیا کرو، جو مریض کی عیادت کرتا ہے، وہ گویا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں رہتا ہے، (۲) اس ہدایت میں آپ نے مسلمان اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں کیا، عیادت کا یہ حکم تمام مریضوں کے لئے ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے مصیبت زدہ لوگوں کی دلداری اور ان کی خبر گیری کی تلقین فرمائی: ''**من عزی مصاباً فله مثل اجره**'' (۳) یہاں بھی آپ نے پرسہ دینے اور تعزیت کرنے میں مسلمان اور غیر مسلم کا فرق نہیں رکھا؛ اس لئے یہ احکام تمام لوگوں کے لئے ہیں، خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔

ایفاءعہد

اخلاقی نقطۂ نظر سے جو احکام آپ ﷺ نے دیئے ہیں، وہ عام ہیں اور اس میں مسلمان وغیر مسلم دونوں شامل ہیں، مثلاً شریعت کا ایک اہم حکم ہے: وعدہ کو پورا کرنا، تو جیسے مسلمانوں سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنا ضروری ہے اور وعدہ خلافی گناہ ہے، اسی طرح غیر مسلموں کے ساتھ بھی وعدہ خلافی گناہ ہے اور وعدہ کو پورا کرنا واجب ہے، رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اس کے واضح نمونے ملتے ہیں، آپ نے ایسے موقع پر بھی ایفاءعہد کا خیال رکھا ہے، جب کہ عام طور پر نہیں رکھا جاتا اور ایسے حالات میں بھی رکھا، جن میں وعدہ کو پورا کرنا مسلمانوں کے لئے نقصان کا سبب بن سکتا تھا،

(۱) اعلاء السنن: ۸/۲۴۲، باب ما یفعل المسلم، اذ مات له قریب کافر۔

(۲) مسلم، باب فضل عیادۃ المریض، حدیث نمبر: ۲۵۶۸۔

(۳) ترمذی، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۱۰۷۳۔

اس کی دو مثالیں ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی، مکہ کے مشرکین جو حملہ آور تھے، وہ تقریباً ایک ہزار تھے، ان حالات میں مسلمانوں کے لئے ایک ایک فرد کی اہمیت تھی، جنگ شروع ہونے سے پہلے حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور ان کے والد حضرت حُسَیل دشمنوں کی فوج کے پیچھے کی طرف سے آرہے تھے؛ تاکہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں، اہل مکہ کو اس کا اندازہ ہوگیا، انھوں نے ان دونوں کو پکڑ لیا اور اس شرط پر چھوڑا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک نہیں ہوں گے، وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور ان کی خواہش تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوجائیں؛ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ چاہے جو بھی ہو، معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہئے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو جہاد میں شریک نہیں فرمایا۔(۱)

اس کی دوسری مثال صلح حدیبیہ ہے، صلح حدیبیہ میں یہ بات طے پائی تھی کہ مکہ سے جو لوگ مسلمان ہوکر مدینہ جائیں گے، مسلمان انھیں واپس کردیں گے، ابھی یہ معاہدہ طے ہی پارہا تھا کہ حضرت ابوجندلؓ پابہ زنجیر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ان کو اپنے ساتھ لے چلیں، مسلمان بھی ان کی حالت دیکھ کر اور فریاد سن کر بے چین ہوگئے اور آپ نے اپنے ذاتی تعلق کا حوالہ دے کر سہیل بن عمرو کو راضی کرنے کی پوری کوشش کی؛ لیکن وہ تیار نہیں ہوا؛ چنانچہ آپ نے ان کو واپس کردیا اور فرمایا کہ اللہ ہی ان کے لئے کوئی راستہ نکالیں گے۔(۲)

دعوت دینا اور قبول کرنا

سماجی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعلق کا ایک مظہر دعوت دینا اور دعوت قبول کرنا ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ غیر مسلم حضرات کو مدعو کیا کرتے تھے، جب آپ اللہ کے نبی بنائے گئے تو آپ نے بنو ہاشم کو کھانے پر مدعو کیا اور تمام لوگوں کو جمع فرمایا، ان کی تعداد تیس نقل کی گئی ہے، کھانا کھلانے کے بعد آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام کا تعارف پیش فرمایا۔(۳)

---

(۱) صحیح مسلم، باب الوفاء بالعہد، حدیث نمبر: ۱۷۸۷۔
(۲) سیرت ابن ہشام: ۲/ ۳۰۲۔
(۳) البدایہ والنہایہ: ۳/ ۴۰۔

اسی طرح ۷ ہجری میں آپ ﷺ نے عمرۃ القضاء فرمایا اور اسی موقع پر اُم المومنین حضرت میمونہؓ سے آپ کا نکاح ہوا، آپ نے ولیمہ میں اہل مکہ کو مدعو کیا؛ لیکن انھوں نے دعوت قبول نہیں کی۔(۱)

اسی طرح آپ ﷺ نے مہمان نوازی کی ترغیب دی ہے اور مہمانوں کا اکرام کرنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے، اس میں مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، آپ کے پاس مختلف قبائل کے سردار اور وفود آیا کرتے تھے اور آپ ان کی ضیافت فرمایا کرتے تھے، بدر کی لڑائی میں جو لوگ قید کئے گئے؛ حالاں کہ وہ حملہ آور تھے؛ لیکن آپ نے اپنے رفقاء کو ترغیب دی کہ ان کے کھانے پینے کا بہتر انتظام کریں؛ اسی لئے بہت سے صحابہ خود معمولی کھانا کھا کر ان کو بہتر کھانا کھلایا کرتے تھے۔(۲)

آپ ﷺ غیر مسلم بھائیوں کی دعوت قبول بھی فرمایا کرتے تھے، اسی طرح کے ایک واقعہ میں ایک یہودی خاتون نے آپ ﷺ کو مدعو کیا، اور بکرے کے دست کے حصہ — جس کا گوشت آپ ﷺ کو زیادہ مرغوب تھا — میں زہر ملا دیا، جس کی تکلیف کا اثر آپ کو مرض وفات تک رہا۔(۳)

سلام

رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسرے سے ملاقات کے لئے جو جملہ مقرر کیا ہے، وہ ہے: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' (تم پر سلامتی ہو یعنی تم محفوظ رہو، اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں) — سلامتی کے معنی ہیں محفوظ رہنا، اس میں ہر طرح کی سلامتی شامل ہے، گناہوں سے، بیماریوں سے اور اللہ کی نافرمانیوں سے، رحمت میں اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں شامل ہیں، مال واولاد، اور آخرت کی نجات، برکت سے مراد یہ ہے کہ جو نعمتیں حاصل ہیں، وہ زیادہ سے زیادہ حاصل ہوں اور زیادہ دنوں تک باقی رہیں، غرض کہ یہ ایک دُعاء ہے اور دُعاء مسلمان کے لئے بھی

---

(۱) سیرت ابن ہشام: ۲/۲۷۳۔

(۲) مجمع الزوائد: ۶/۱۱۵، حدیث نمبر: ۱۰۰۰۷۔

(۳) صحیح بخاری، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۴۴۵۲۔

جائز ہے اور غیر مسلم کے لئے بھی؛ اس لئے غیر مسلم کو بھی سلام کرنا جائز ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد مسلمان نہیں تھے؛ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو سلام کیا، خود قرآن مجید میں اس کا ذکر موجود ہے: ''قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ''(۱) رسول اللہ ﷺ نے ایسے مجمع کو سلام فرمایا ہے، جس میں مسلمان بھی تھے، مشرکین بھی اور یہودی بھی، (۲) اور جب کسی مجمع کو سلام کیا جاتا ہے، اور سلام کرنے والے نے کسی کی تخصیص نہیں کی ہو تو سبھی حضرات مخاطب ہوتے ہیں۔

مدینہ کے یہودی جب رسول اللہ ﷺ سے یا مسلمانوں سے ملتے تو زبان دبا کر 'السام علیکم' کہتے، یعنی سننے والے کو تو محسوس ہوتا کہ وہ سلام کر رہے ہیں؛ لیکن حقیقت میں وہ اس کی بجائے 'السام علیکم' کہا کرتے تھے، جس کے معنی ہیں: ''تم پر موت آجائے'' ان کی اس شرارت کی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ان کو سلام نہ کیا کرو اور اگر وہ 'السام علیکم' کہیں تو صرف 'وعلیکم' کہہ دو، یعنی تمہارے ہی ساتھ ایسا ہو، (۳) —— یہ ممانعت خاص طور پر ان یہودیوں کے لئے تھی، جو 'السام علیکم' کے لفظ کا غلط استعمال کیا کرتے تھے، عام غیر مسلم حضرات کو سلام کرنے کی یا ان کے سلام کا جواب دینے کی ممانعت نہیں۔

تحفہ کا لین دین

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دوسرے کو تحفہ دیا کرو کہ اس سے محبت بڑھتی ہے اور کدورتیں دُور ہوتی ہیں، (۴) اس میں آپ ﷺ نے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں کوئی فرق نہیں کیا ہے؛ بلکہ عمومی طور پر ہدیہ دینے کی ترغیب دی ہے، حضرت عمرؓ کو آپ ﷺ نے ایک حلہ (دو چادروں کا لباس) عطا فرمایا، جس کو آپ نے خود اپنے لئے اس کے قیمتی ہونے کی وجہ سے پسند نہیں فرمایا، حضرت عمرؓ نے عرض کیا: جب آپ ﷺ نے اس کو اپنے لئے پسند نہیں کیا تو مجھے کیوں عنایت فرمایا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے یہ تم کو اس لئے نہیں دیا ہے کہ تم خود استعمال کرو؛

---

(۱) مریم: ۴۷۔ (۲) صحیح بخاری، باب التسلیم فی مجلس فیہ، حدیث نمبر: ۵۸۹۹۔

(۳) بخاری، باب کیف الرد علی اہل الذمہ بالسلام؟ حدیث نمبر: ۵۹۰۲۔

(۴) معجم کبیر للطبرانی: ۲۵/ ۱۶۲، حدیث نمبر: ۳۱۳، عن اُم حکیم۔

بلکہ تم اسے بیچ دو یا کسی اور کو دے دو، حضرت عمرؓ کے ایک بھائی ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے اور مکہ میں مقیم تھے، آپ نے ان کو عنایت فرمادیا۔(۱)

اہل مکہ نے مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی؛ لیکن جب مکہ میں قحط پڑا، یہاں تک کہ لوگ مردار کھانے پر مجبور ہو گئے تو آپ نے مکہ کے قحط زدہ غیر مسلموں کے لئے پانچ سو دینار بھیجے؛ حالاں کہ اس وقت مدینہ کے مسلمان خود سخت مالی مشکلات سے دو چار تھے، پانچ سو دینار کی قدر کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ بیس دینار ساڑھے ستاسی گرام سونے کے برابر ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ پانچ سو دینار بہت بڑی رقم ہوئی اور یہ رقم آپ نے سردارانِ قریش ابوسفیان اور صفوان ابن اُمیہ کو بھیجی کہ وہ اسے تقسیم کردیں، جو اس وقت اہل مکہ کے قائدین تھے اور مسلمانوں کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔(۲)

مکہ سے ایک 'مطربہ' یعنی گانا بجانا کرنے والی عورت مدینہ آئی اور رسول اللہ ﷺ سے مالی مدد کی طلب گار ہوئی، آپ نے خود بھی اس کا تعاون فرمایا اور اپنے خاندان کے دوسرے لوگوں سے بھی اس کی مدد کرائی؛ حالاں کہ وہ مسلمان نہیں تھی اور گانا گایا کرتی تھی، جس کو اسلام نے پسند نہیں کیا ہے۔(۳)

اس لئے آپ ﷺ نے رحم اور حسن سلوک کی عمومی تعلیم دی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم ان لوگوں پر رحم کرو، جو زمین میں ہیں تو تم پر وہ ذات رحم کرے گی، جو آسمان میں ہے،(۴) ظاہر ہے کہ اس میں مسلمان اور غیر مسلم یہاں تک کہ جانور بھی شامل ہیں، ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا ہر جاندار کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کی خدمت کرنے میں اجر ہے،(۵) نیز ارشاد ہے: مسلمان درخت لگائے اور اس میں سے کوئی انسان یا جانور کھائے تو اس کو صدقہ کا ثواب ملے گا: ''فأكل منه انسان او دابة إلا كان له صدقة''(۶) اور اس کے مقابلہ میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص انسان پر مہربانی نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ بھی اس پر مہربانی نہیں فرمائیں گے: ''لا يرحم الله من لا يرحم الناس''۔(۷)

---

(۱) بخاری، کتاب الھبہ، حدیث نمبر:۲۶۷۴۔ (۲) ردالمحتار:۳/ ۳۰۲، باب المصرف۔
(۳) بخاری، حدیث نمبر:۳۹۳۹۔ (۴) ترمذی، حدیث نمبر:۱۹۲۴۔
(۵) بخاری، حدیث نمبر:۶۰۰۹۔ (۶) مسلم، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبھائم، حدیث نمبر:۵۶۶۶۔
(۷) بخاری، کتاب التوحید، حدیث نمبر:۶۹۴۱۔

جیسے آپ ﷺ نے غیر مسلم حضرات کو تحفے عنایت فرمایا کرتے تھے، اسی طرح ان کے تحفے قبول بھی کیا کرتے تھے؛ چنانچہ روم کے بادشاہ ہرقل نے آپ کو تحفے بھیجے، جس میں نفیس کپڑا بھی تھا، (۱) اور سونٹھ بھی تھی، (۲) آپ نے ان تحائف کو قبول فرمایا اور اپنے رفقاء کو بھی اس میں سے عنایت فرمایا، ایک اور سردار اُکَیدِر دُوْمَہ نے بعض تحائف بھیجے، جن میں کپڑے بھی تھے اور بعض دوسری اشیاء بھی تھیں، آپ نے قبول کیا اور اپنے رفقاء کو بھی اس میں سے عنایت فرمایا، (۳) حضرت علی کی روایت میں شاہ ایران کے بھی تحفہ بھیجنے اور آپ ﷺ کے قبول کرنے کا ذکر آیا ہے۔ (۴)

جان و مال کا احترام

غیر مسلموں کے جان و مال کے احترام کو آپ ﷺ نے وہی درجہ دیا، جو مسلمانوں کی جان و مال کا ہے، آپ نے اس سلسلہ میں اُصول بیان فرمادیا کہ ان کے خون ہمارے خون کی طرح ہیں اور ان کے مال ہمارے مال کی طرح: ''دمائهم كدمائنا وأموالهم كأموالنا'' (۵) ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة ، و إن ريحها يوجد من مسيرة أربعين عاماً۔ (۶)

جس نے کسی معاہد (وہ غیر مسلم جس سے پر اُمن زندگی گذارنے کا معاہدہ ہو) کو قتل کیا، وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا؛ حالاں کہ اس کی بُو چالیس سال کے فاصلہ سے محسوس کی جاسکتی ہے۔

عہد نبوی میں مسلمان نے ایک غیر مسلم شخص کو قتل کردیا تو وہ مسلمان بھی اس کے قصاص میں قتل کیا گیا، (۷) آپ ﷺ کے اسی اُسوہ کا اثر تھا کہ آپ ﷺ کے بعد آپ کے صحابی حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں ایک غیر مسلم کے قتل پر یہی حکم جاری کیا، (۸) اور حضرت علیؓ نے بھی اپنے عہد حکومت میں اسی طرح کا عمل فرمایا۔ (۹)

---

(۱) ابوداؤد، کتاب اللباس، حدیث نمبر: ۴۰۳۹۔ (۲) لابن أبی حاتم، حدیث نمبر: ۹۰۶۔
(۳) مسند احمد، عن انس: ۴۶-۱۲۲۴۵۔ (۴) ترمذی، باب ماجاء قبول ہدایا المشرکین، حدیث نمبر: ۱۵۷۶۔
(۵) نصب الرایہ: ۳/۳۸۱۔ (۶) بخاری، عن عبداللہ عمرو، حدیث نمبر: ۳۱۶۶۔
(۷) سنن دارقطنی، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۶۵۔ (۸) سنن بیہقی: ۸/۳۰، حدیث نمبر: ۱۵۷۰۴۔
(۹) سنن بیہقی: ۸/۱۵۷۱۲۔

قاتل پر مقتول کے قتل کے بدلے یا تو قصاص واجب ہوتا ہے یا دیت، یعنی خون بہا واجب ہوتی ہے، آپ نے غیر مسلم شخص کے قتل کی وہی دیت رکھی، جو دیت مسلمانوں کے قتل کی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک غیر مسلم کی وہی دیت ادا کی جو دیت مسلمان کی ہوتی ہے، (۱) اس طرح آپ ﷺ کی نظر میں غیر مسلم کا مال بھی مسلمان ہی کے مال کی طرح قابل احترام ہے، آپ نے ارشاد فرمایا :

> الامن ظلم معاهدا او انتقصه أو كلفه فوق طاقته أو اخذ منه شيئاً بغير طيب نفس ، فأنا حجيجه يوم القيامة ۔ (۲)
>
> آگاہ ہوجاؤ! جس نے کسی معاہد پر ظلم کیا، اس کی حق تلفی کی، یا اسے اس کی رضامندی کے بغیر لے لیا، تو میں قیامت کے دن اس کا فریق ہوں گا۔

اور تو اور آپ جنگ کے موقع پر بھی اس کا لحاظ رکھتے تھے کہ جب دشمن ہتھیار ڈال دیں یا صلح پر راضی ہوجائیں تو ان کی املاک کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے، فتح خیبر کے موقع سے بعض مسلمان فوجیوں نے یہودیوں کے جانور ذبح کردیئے اور کچھ پھل کھا لئے، رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے اس عمل پر ناگواری ظاہر کی اور فرمایا کہ یہ تمہارے لئے حلال نہیں ہے، (۳) یہودیوں کے پاس ایک کنواں 'بیئر روما' نام کا تھا، جس سے پینے کا پانی حاصل ہوا کرتا تھا، جس سے تمام لوگ پانی لیا کرتے تھے، وہ یہودی مسلمانوں سے پانی روک لیا کرتا تھا؛ حالاں کہ آپ اس کو سلطنت کی عمومی مصلحت کے لئے عوامی مفاد کے پیش نظر بحق حکومت ضبط کرسکتے تھے؛ لیکن آپ ﷺ نے ایک مالدار مسلمان ساتھی حضرت عثمانؓ سے خواہش کی کہ وہ اس کو خرید کرلیں، انھوں نے بارہ ہزار درہم میں کنویں کا آدھا حصہ خرید کرلیا اور اس کو عام نفع کے لئے وقف کردیا۔ (۴)

---

(۱) دارقطنی، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۴۹۔
(۲) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۰۵۳۔
(۳) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۰۵۰۔
(۴) زادالمعاد: ۵/ ۷۱۳- ۷۱۴۔

کاروباری تعلق

تجارتی اور کاروباری تعلق میں آپ ﷺ نے مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی، ابوسفیان اور جُبَیر بن مُطعِم مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس وقت بھی آپ ان کو اپنا سرمایہ تجارت کے لئے دیا کرتے تھے کہ وہ اسے تجارت میں لگائیں، اور جو نفع ہو، اس میں آپ کو بھی شریک کریں، مدینہ کے مسلمانوں کی تجارت عام طور پر یہودیوں خاص کر بنو قینقاع ہی کی مارکٹ میں ہوا کرتی تھی۔

آپ ﷺ غیر مسلموں سے خرید وفروخت بھی فرمایا کرتے تھے، آپ کی وفات کے وقت بھی آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی؛ کیوں کہ آپ نے ان سے اُدھار تین صاع (عرب کا ایک پیمانہ) جَو خرید فرمائی تھی، (۱) اسی طرح آپ ﷺ غیر مسلم حضرات کو اپنے یہاں ملازم بھی رکھا کرتے تھے، جب آپ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو اس وقت آپ کو ایک ایسے قابل اعتماد شخص کی ضرورت تھی، جو ریگستان میں راستہ بتائے، اس خدمت کے انجام دینے والے کو 'دلیل' کہا جاتا تھا، یعنی: راستہ بتانے والا، آپ ﷺ نے اِس اہم اور نازک خدمت کے لئے اُجرت دے کر ایک غیر مسلم کی خدمت حاصل کی۔ (۲)

غرض کہ غیر مسلم حضرات کے ساتھ آپ کا اور آپ کے رفقاء کا ہر طرح کا کاروباری تعلق ہورہا کرتا تھا۔

عدل وانصاف

پیغمبر اسلام ﷺ نے جن باتوں کی تعلیم دی ہے، ان میں ایک بنیادی بات عدل وانصاف کا قیام ہے، اس میں آپ کے نزدیک مسلمان اور غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہ تھا، آپ ﷺ کے ایک صحابی کا نام ابن ابی حَدْرَدْ اسلمی تھا، ان کے ذمہ ایک یہودی کے چار درہم باقی تھے، یہودی نے حضور ﷺ سے شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اس کا حق ادا کردو، انھوں نے عرض کیا: میں ابھی ادا کرنے پر قادر نہیں ہوں، آپ ﷺ نے پھر دوبارہ فرمایا: ان کو ان کا حق

---

(۱) بخاری، باب ما قیل فی درع النبیؐ اِلٰی آخرہ، حدیث نمبر: ۲۷۵۹۔

(۲) احکام اہل الذمہ لابن قیم: ۲۰۷۔

دے دو، انھوں نے عرض کیا: میں ابھی ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا، آپ نے فرمایا تھا کہ آپ مجھے کسی خدمت پر خیبر بھیجیں گے، مجھے اُمید ہے کہ اس وقت آپ کچھ عطا فرمائیں گے تو اس وقت میں ان کو ان کا حق بھی ادا کر دوں گا، آپ نے تیسری بار بھی فرمایا کہ اسے اس کا حق دے دو، رسول اللہ ﷺ جب کسی بات کا حکم تین بارے دے دیتے تھے تو صحابہ خاموش ہو جایا کرتے تھے، ابن ابی حدرد کے سر پر عمامہ تھا اور ایک چادر کو تہبند کے طور پر لپیٹے ہوئے تھے؛ چنانچہ عمامہ کو تہبند بنالیا اور تہبند والی چادر کو بازار میں چار درہم میں فروخت کر کے اور یہودی کا قرض ادا کیا۔(۱)

یہ معاملہ صرف اپنے رفقاء ہی کے حق میں نہیں تھا، خود اپنی ذات کے معاملہ میں بھی آپ عدل کا پورا پورا خیال رکھتے تھے، اگر کسی شخص کا کوئی حق باقی ہوتا تو آپ اسے تقاضا کرنے کی اجازت دیتے تھے اور اگر وہ اس میں سخت کلامی سے کام لیتا تو اس کو بھی گوارا فرماتے تھے؛ چنانچہ زید بن سَعْنَہ نامی ایک یہودی کا آپ ﷺ پر دین تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کا دامن تھام کر کھینچنے لگا اور سخت سست باتیں کہنے لگا: ''اے محمد! تم میرا حق ادا نہیں کرو گے، تم بنی عبد المطلب ہو ہی ٹال مٹول کرنے والے'' حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے کہ اسے دھکا دے کر ہٹا دیں، آپ ﷺ نے منع فرما دیا اور کہا: عمر! مجھے بھی اور اسے بھی تمہارے اس عمل کی بجائے دوسرے عمل کی ضرورت تھی، تم مجھے کہتے کہ میں بہتر طور پر ادا کر دوں، اور اس سے کہتے کہ تم صحیح طریقہ پر تقاضا کرو؛ اس لئے تم جاؤ اس کا حق بھی ادا کرو اور تم نے اس کو جو ڈرایا ہے، اس کے بدلہ بیس صاع کھجور بڑھا کر دے دو،(۲) آپ ﷺ کی اس انصاف پسندی اور حق گوئی سے زید بن سَعْنَہ اتنے متاثر ہوئے کہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

مذہبی معاملات

نہ صرف سماجی بلکہ مذہبی معاملات میں بھی آپ ﷺ غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کا پہلو اختیار کرتے تھے اور دوسروں پر ان کی مرضی کے بغیر اسلام کو تھوپنے کے قائل نہیں تھے؛ اس لئے مکہ مکرمہ میں آپ نے اہل مکہ سے یہی خواہش کی کہ اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے تو نہ کرو؛ لیکن

---

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۵۵۲۸، عن ابی حدرد۔

(۲) مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابہ، حدیث نمبر: ۶۵۴۷۔

اسلام کی دعوت میں رکاوٹ بھی نہ بنواور سب لوگوں کو اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے دو، اسی کو قرآن مجید نے فرمایا: ''لکم دینکم ولی دین''(۱) ہجرت کر کے جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ابتدائی مرحلہ میں آپ نے جن کاموں کو انجام دیا، ان میں ایک اہم کام مدینہ کے تمام قبائل —— جن میں مسلمان بھی تھے، یہودی بھی اور اکا دُکا مشرکین بھی —— کے درمیان معاہدۂ امن کرانا تھا، اس معاہدہ کی بنیاد دو باتوں پر تھی، ایک: مشترکہ، دفاع، دوسرے: ہر گروہ کی حیثیت کو تسلیم کرنا اور ان کا اپنے مذہبی معاملات میں آزاد ہونا؛ چنانچہ اس معاہدہ کے الفاظ حسبِ ذیل تھے :

> یہودی مسلمانوں کی طرح ایک قوم سمجھی جائے گی، جو کوئی ان سے لڑے، مسلمان ان کے مقابلہ یہود کی مدد کریں گے، مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات خیر اندیشی، نفع رسانی، نیکی کے ہوں گے، یہودیوں کے حلیف بھی اس معاہدہ میں اس کے ساتھ شریک ہوں گے، مظلوم کی ہمیشہ مدد کی جائے گی۔(۲)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا، آپ ﷺ نے ان سے معاہدہ کرتے ہوئے ان کے لئے جو دستاویز لکھوائی، وہ حسبِ ذیل ہے :

> اہل نجران کو خدا کی حفاظت اور محمد رسول اللہ کی امان حاصل ہوگی، ان کی جان، مذہب، ملک اور اموال کے متعلق تمام موجود اشخاص اور غیر موجود افراد، اور ان کی قوم، نیز ان کے پیرو اس امان میں شامل ہوں گے، ان کی موجودہ حالت تبدیل نہیں کی جائے گی، ان کے حقوق میں سے کوئی حق بدلا نہ جائے گا اور جو کچھ تھوڑا یا زیادہ ان کے قبضہ میں ہے، اس میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا۔(۳)

مذہبی اُمور کی انجام دہی کے سلسلہ میں آپ ﷺ کی وسیع القلبی کا حال یہ تھا کہ عیسائیوں

---

(۱) کافرون:٦۔

(۲) سیرت ابن ہشام:۱/۱۷۸۔

(۳) فتوح البلدان، بلاذری:۱/۷۷۔

کے اس گروہ نے اپنے طریقے پر اور اپنے قبلہ یعنی مشرق کی طرف رُخ کر کے مسجد ہی میں عبادت کرنی چاہی ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا ؛ بلکہ انھیں اجازت دی اور اپنے رفقاء سے فرمایا کہ انھیں روکو نہیں ۔(۱)

اسی طرح مذہبی مقدس شخصیات کی نسبت سے بھی آپ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ کوئی ایسی بات نہ کہی جائے جو ان پر ایمان رکھنے والوں کے لئے دل آزاری کا باعث بن جائے ، مدینہ میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک یہودی بازار میں قسم کھا رہا تھا: ''اس ذات کی قسم! جس نے موسیٰ کو تمام انسانوں میں چن لیا ہے ، یعنی انھیں تمام انسانیت پر فضیلت عطا کی ہے'' مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں اور تمام پیغمبروں پر فضیلت عطا کی گئی ہے ؛ اس لئے ایک انصاری مسلمان سے یہ بات برداشت نہ ہوسکی ، انھوں نے یہودی کو برا بھلا کہا اور مارے غصے کہ اس یہودی کے چہرہ پر تھپڑ مار دیا ، وہ یہودی آپ کی خدمت میں آیا اور ان انصاری کی شکایت کی ، آپ نے ان انصاری سے کہا : انبیاء کے درمیان ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دو ، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک خصوصی فضیلت کا ذکر فرمایا جو قیامت کے دن ظاہر ہوگی ، (۲) —— غرض کہ آپ نے حکمت کے ساتھ اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک جزوی فضیلت کا ذکر فرما دیا ؛ تا کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی وجہ سے اس کے ماننے والوں کی دل آزاری نہ ہو اور یہ چیز لوگوں کو مقدس شخصیتوں کی بے احترامی کی طرف نہ لے جائے ۔

عفوو درگذر

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے نمایاں وصف ' عفوو درگذر ' تھا ، آپ دوستوں کو تو معاف کرتے ہی تھے اور سادہ لوحی یا بھول چوک میں ان کی طرف سے ہونے والے خطاؤں کو نظر انداز فرما دیتے تھے ؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بدترین دشمنوں اور ہر طرح کی ایذا پہنچانے والے کو بھی معاف فرما دیا کرتے تھے ، اس سلسلہ میں یہاں چند واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے :

● مکہ میں سخت قحط پڑا ، لوگ مردار کھانے پر مجبور ہوگئے ، یہی لوگ تھے جنھوں نے

(۱) البدایہ والنہایہ ، لابن کثیر : ۵/۵۶ ۔

(۲) بخاری ، عن ابی سعید خدری ، کتاب الخصومات ، حدیث نمبر : ۲۴۱۲ ۔

آپ ﷺ کا اور مسلمانوں کا ایسا بائیکاٹ کیا تھا کہ ان پر ایک ایک دانہ روک دینے کی پوری کوشش کی تھی، چار سال تک مسلمان اس تکلیف دہ بائیکاٹ سے گذرے تھے؛ لیکن جب قحط کے موقع سے اہل مکہ نے آپ سے کہا کہ آپ تو قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیا کرتے ہیں اور آپ کی قوم ہلاک ہورہی ہے؛ اس لئے آپ اپنے خدا سے اس قحط کو دُور کردینے کی دُعا فرمادیجئے تو آپ ﷺ نے ان کے لئے دُعا فرمائی اور پھر مکہ میں خوب بارش ہوئی۔(۱)

● مکہ میں نجد کی طرف سے غلہ آیا کرتا تھا، وہاں کے سردار ثُمامہ بن اُثال جب مسلمان ہوئے تو انھوں نے مکہ کی طرف غلہ کی ترسیل بند کردی اور کہا: رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر ایک دانہ بھی مکہ جانے نہیں دیا جائے گا؛ لیکن آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمادیا۔(۲)

● صلح حدیبیہ کے موقع سے آپ ﷺ حدیبیہ میں مسلمانوں کو ساتھ لے کر فجر کی نماز ادا کررہے تھے، ستر اسّی لوگ تنعیم نامی پہاڑی کی طرف سے چھپ کر آ گئے؛ تاکہ نماز کے درمیان مسلمانوں پر حملہ کردیں؛ لیکن یہ سب گرفتار کرلئے گئے، آپ ﷺ نے ان کو کوئی سزا دیئے اور کوئی فدیہ لئے بغیر رہا کردیا۔(۳)

● ابوجہل آپ کا بدترین دشمن تھا، ان کے لڑکے عکرمہ کو یہ دشمنی میراث ملی تھی، فتح مکہ کے موقع سے یہ بھاگ کر یمن چلے گئے، ان کی بیوی اُم حکیم بنت حارث ابوجہل کی بھتیجی تھیں، وہ مسلمان ہوگئیں اور اپنے شوہر کے لئے معافی چاہی، آپ ﷺ نے معاف کردیا، یہ خود یمن گئیں اور شوہر سے ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو معاف کردیا ہے، انھیں بڑا تعجب ہوا کہ آپ ﷺ نے ان کے جیسے بدترین دشمن کو کیوں کر معاف کردیا؟ بہر حال وہ اپنی بیوی کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے کھڑے ہوکر استقبال کیا اور ان کو اپنے گلے سے لگالیا؛ چنانچہ وہ مسلمان ہوگئے اور ہمیشہ کے لئے غلامانِ محمد میں شامل ہوگئے۔(۴)

● ہَبّار بن اسود وہ شخص تھا، جس نے آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب کو ہجرت

---

(۱) بخاری، کتاب الاستسقاء، حدیث نمبر: ۹۷۴۔

(۲) سیرت ابن ہشام: ۶۳۸/۲۔

(۳) مسلم، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۱۸۰۸۔

(۴) مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابہ، حدیث نمبر: ۵۰۵۵۔

کرتے وقت ایسی تکلیف پہنچائی کہ ان کا حمل ساقط ہوگیا، فتح مکہ کے کچھ عرصہ بعد اچانک آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: میں گنہگار اور قصور وار ہوں اور مجھ سے زیادتی ہوئی ہے، پھر اس نے خود ہی 'لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پڑھا، آپ ﷺ نے اس کی ایسی زیادتی کو بھی معاف فرما دیا، اس کو کوئی سزا نہیں دی۔(۱)

● اُحد کی لڑائی میں وَحشی بن حَرب نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا، حضور ﷺ کو حضرت حمزہؓ کی شہادت سے بے حد رنج ہوا تھا، آخر وہ حاضر خدمت ہوا اور مسلمان ہوگیا، رسول اللہ ﷺ نے اسے معاف کردیا؛ البتہ فرمایا کہ تم میرے سامنے نہ آیا کرو کہ تمہیں دیکھ کر چچا کا غم تازہ ہوجاتا ہے۔(۲)

● اسلام کے بدترین دشمنوں میں 'صفوان بن اُمیہ' بھی تھے، جن کا شمار اہل مکہ کے قائدین میں تھا، جب مکہ فتح ہوا تو بھاگ کر یمن جا رہے تھے، عُمَیر بن وَہب نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے لئے امن کی درخواست کی، آپ نے نہ صرف اپنے سخت دشمن کے لئے ان کی درخواست قبول فرمائی؛ بلکہ اپنی طرف سے نشانی کے طور پر اپنا عمامہ بھی عنایت فرمایا، یہ جا کر ان کو واپس لائے، صفوان نے آکر حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا یہ درست ہے کہ آپ نے مجھے معاف کردیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! کہنے لگا؛ لیکن مجھے اسلام قبول کرنے کے لئے دو مہینے کی مہلت دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: دو نہیں، چار ماہ کی مہلت ہے۔(۳)

● عُتبہ مکہ کے ان سرداروں میں تھے، جو اسلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے، اس کی بیٹی ہندہ کو یہ عداوت گویا ترکہ میں ملی تھی، غزوۂ اُحد کے موقع سے اس نے آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبا ڈالا تھا اور ان کی لاش کی ایسی بے حرمتی کی تھی کہ لاش دیکھی نہ جاتی تھی، فتح مکہ تک آپ ﷺ سے دشمنی میں اس کی کوئی کمی نہیں آئی تھی، فتح مکہ کے بعد چہرہ چھپا کر حاضر خدمت ہوئی، اسلام قبول کیا اور اس وقت بھی آپ سے بعض تیکھے سوالات کئے، آپ ﷺ نے ان کو بھی معاف فرما دیا۔(۴)

● ایک سفر کے دوران آپ ایک جگہ درخت سے تلوار لٹکا کر لیٹ گئے، ایک شخص آیا،

---

(۱) المعجم الکبیر: ۱۰۵۱۔ (۲) سیرت ابن ہشام: ۲/۷۰۔

(۳) مؤطا امام مالک، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۱۳۲۔ (۴) الرحیق المختوم: ۱/۳۹۳۔

اس نے تلوار اپنے ہاتھ میں لی اور حضور سے کہنے لگا: تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ کی آنکھ کھل گئی، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ! یہ کہنا تھا کہ وہ کانپنے لگا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی، آپ ﷺ نے تلوار ہاتھ میں لی اور دریافت فرمایا: اب تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے حضور ﷺ کے رحم وکرم کی دہائی دی، اور آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔(۱)

● مدینہ میں ایک گروہ منافقین کا تھا، یہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے؛ لیکن حقیقت میں مسلمان نہیں تھے اور کبھی یہودیوں سے اور کبھی اہل مکہ سے مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے، اس گروہ کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا، وہ ایک سفر کے موقع پر مہاجرین اور انصار کے درمیان اختلاف پیدا کرتے ہوئے کہنے لگا: اب جب ہم لوگ مدینہ پہنچیں گے تو ہم میں سے باعزت لوگ ان لوگوں کو نکال باہر کریں گے، جو ذلیل ہیں، اس سے اس کا اشارہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی طرف تھا، اس کے صاحبزادے مخلص مسلمان تھے، ان کو اپنے والد کی یہ بات بہت ناگوار گذری؛ چنانچہ جب یہ قافلہ مدینہ کے پاس پہنچا، تو وہ کھڑے ہو گئے اور انھوں نے اپنے والد سے کہا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہیں دیں گے، آپ مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے، جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ ان کے صاحبزادے ان کا راستہ روکے ہوئے ہیں تو آپ نے منع فرمادیا اور فرمایا کہ انھیں مدینہ آنے دو۔(۲)

جب عبد اللہ بن اُبی کا انتقال ہوا تو باوجودیکہ وہ مسلمان نہیں تھے؛ لیکن ان کے صاحبزادے کی خواہش پر آپ ﷺ نے ان کے کفن کے لئے اپنا کرتا عنایت فرمایا۔(۳)

● ایک یہودی عورت نے آپ کو کھانے پر مدعو کیا، آپ ﷺ بکرے کا گوشت اور اس میں بھی دست کا حصہ زیادہ پسند فرماتے تھے، اس نے اس میں خوب اچھی طرح زہر ملا دیا، آپ نے جیسے ہی منھ میں لقمہ رکھا، اندازہ ہو گیا، اس کی تکلیف کا اثر آپ کو وفات تک رہا، آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ اس نے کہا: میں نے سوچا کہ اگر آپ سچے نبی ہوں گے تو اللہ آپ کو بچالے گا، اللہ آپ کو مطلع کر دے گا، اور اگر آپ نے جھوٹا دعویٰ کیا ہوگا تو

---

(۱) مسلم، کتاب المسافرین، حدیث نمبر: ۸۴۳۔

(۲) سیرت ابن ہشام: ۲/۲۹۰۔

(۳) بخاری، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۱۲۱۰۔

لوگوں کو آپ سے نجات مل جائے گی، رسول اللہ ﷺ نے اسے معاف کردیا؛ لیکن آپ کے ایک اور ساتھی بھی اس کھانے میں شریک تھے، جن کی اسی زہر کی وجہ سے موت ہوگئی تھی، ان کے قصاص کے طور پر وہ عورت قتل کی گئی؛ کیوں کہ قصاص معاف کرنے اور نہ کرنے کا تعلق اصل مقتول کے وارث سے ہوتا ہے، کوئی اور شخص اسے معاف نہیں کرسکتا۔(۱)

● صفوان بن اُمیہ کے اُکسانے پر عمیر بن وہب ایک سازش کے تحت آپ ﷺ کو قتل کرنے کے لئے مدینہ آیا، وہ اس حال میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ تلوار اپنی گردن میں لٹکائے ہوا تھا، بظاہر عقیدت وارادت کے ساتھ آیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کے آنے کا مقصد پوچھا تو اس نے کچھ اور سبب بتایا، پھر آپ ﷺ نے اس کی سچائی کو واضح کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم نے فلاں کے ساتھ مل کر سازش نہیں کی اور کیا تم فلاں نیت سے نہیں آئے ہو؟ آخر اسے اقرار واعتراف کرنا ہی پڑا، وہ اس وقت آپ کے قابو میں تھا؛ لیکن آپ ﷺ نے اسے معاف کردیا۔(۱)

● غزوۂ بدر کے موقع پر سہیل بن عمرو گرفتار ہوا، وہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی بڑی بدگوئی کیا کرتا تھا اور تقریر کرنے میں ماہر تھا، آپ نے جب ان کو رہا کرنے کے لئے فرمایا تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا: سہیل کے اگلے دونوں دانت نکال دیئے جائیں؛ تاکہ آئندہ پھر وہ کبھی آپ کے خلاف تقریر نہ کرسکیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں اس کا مُثلہ نہیں کروں گا، کہیں اللہ تعالیٰ میرا مُثلہ نہ فرمادیں؛ حالاں کہ میں نبی ہوں،(۳) مُثلہ' اعضاء کے کاٹ دینے کو کہتے ہیں۔

آپ ﷺ کے عفو ودرگذر کے کتنے ہی واقعات ہیں، اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو مستقل کتاب ہوجائے، یہی آپ ﷺ کا نمایاں وصف تھا؛ لیکن اس سلسلہ کا سب سے بڑا واقعہ فتح مکہ کے موقع پر دی جانے والی عام معافی ہے، غور کیجئے کہ اہل مکہ نے کونسی تکلیف تھی، جو آپ ﷺ کو اور آپ کے رفقاء کو نہیں پہنچائی تھی؟ کمزور مسلمانوں کو قتل کیا، انھیں آگ پر لٹایا گیا، ریت پر گھسیٹا گیا، آگ جلا کر دھواں دیا گیا، کوڑے لگائے گئے، بائیکاٹ کرکے پورے قبیلہ بنو ہاشم وبنو مطلب

---

(۱) ابوداؤد، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۱۲۔

(۲) سیرت ابن ہشام: ۱/۶۶۱۔

(۳) کنز العمال، حدیث نمبر: ۳۷۱۳۷۔

کو فاقہ پر مجبور کیا گیا اور خود آپ کو کیا کچھ تکلیفیں نہیں پہنچائی گئیں، پاگل اور جادوگر کہا گیا، آپ ﷺ پر کچڑا پھینکا گیا، پتھر برسائے گئے، صاحبزادیوں کو طلاق دلوائی گئی، صاحبزادی پر ایسا حملہ کیا گیا کہ حمل ساقط ہوگیا، عین صحن کعبہ میں پھانسی دینے کی کوشش کی گئی، قتل کی سازشیں کی گئی، مجبور ہو کر آپ ﷺ کو مکہ چھوڑنا پڑا، پھر مدینہ میں بھی مسلسل مسلمانوں پر جنگ تھوپی گئی، محبوب چچا کا کلیجہ چبایا گیا، خود آپ ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے اور خون کا فوارہ بہنے لگا، غرض اذیت رسانی کی کوئی ایسی صورت نہیں تھی، جو اختیار نہیں کی گئی۔

آج یہ سب مجرمین نظروں کے سامنے تھے اور قابو میں تھے، دس ہزار جاں نثاروں کا لشکر آپ کے ساتھ تھا، وہ آپ کے ایک ایک حکم کو بجالانے کے لئے بے قرار تھا؛ لیکن آپ نے ان پر ایک غضبناک نظر بھی نہیں ڈالی، ان کی شرمناک اور ظالمانہ حرکتوں کا ذکر بھی زبان مبارک پر نہیں آیا، صرف دریافت فرمایا: تم آج مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا: آپ شریف بھائی اور شریف بھائی کی اولاد ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: میں آج تم سے وہی کہتا ہوں، جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا: ''انتم الطلقاء لا تثریب علیکم الیوم'' کہ تم آزاد ہو، تم پر کوئی پکڑ نہیں، گویا حضرت یوسف علیہ السلام کا حوالہ دے کر آپ ﷺ نے اس بات کی طرف لطیف اشارہ فرمادیا کہ اگرچہ عداوت ودشمنی نے تمہارے اندر اُخوت وقرابت کے احساس کو مردہ کردیا؛ لیکن میں تم کو پہلے بھی اپنا بھائی سمجھتا تھا اور اب بھی سمجھتا ہوں —— کیا تاریخ عالم میں ایک طاقتور فاتح کی اپنے مفتوحین کے ساتھ حسن سلوک کی ایسی کوئی اور مثال بھی ملے گی؟؟

جہاد میں بھی رحم دلی

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اسلام نے کافروں سے قتال کرنے کا حکم دیا ہے؛ لیکن یہ صحیح تعبیر نہیں ہے، جہاد کے معنی کوشش اور جدوجہد کرنے کے ہیں؛ اسی لئے جہاد زبان سے بھی ہوتا ہے، قلم سے بھی اور مال سے بھی، اور اس کی ایک آخری شکل تلوار سے جہاد کرنے کی بھی ہے؛ لیکن تلوار سے جہاد کافروں سے نہیں ظالموں سے ہے، اگر کوئی مسلمان گروہ آمادۂ ظلم ہو تو اس سے بھی جہاد کیا جائے گا، عہد صحابہ میں بھی ایسی مثال موجود ہے کہ مسلمانوں نے خود مسلمانوں سے

جہاد کیا ہے؛ اس لئے کہ وہ دوسرے فریق کو ظالم تصور کرتے تھے، قرآن مجید نے بطور اُصول جو بات بیان کی ہے، وہ یہ ہے :

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۔ (۱)

اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو، جو تم سے جنگ کرتے ہوں اور زیادتی نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

یعنی ان لوگوں سے جہاد کی اجازت دی گئی ہے، جو مسلمانوں سے آمادۂ جنگ ہوں؛ لیکن جب جنگ کرنے کا جواز ہو تو اس موقع پر بھی آپ ﷺ نے کچھ اخلاقی حدود بتائے اور اس کی رعایت کرنے کو لازم ٹھہرایا؛ چنانچہ آپ ﷺ نے حکم دیا :

لا تقتلوا شیخا فانیاً ولا طفلاً صغیراً ولا إمرأۃ ۔ (۲)

کسی بوڑھے ضعیف شخص کو یا چھوٹے بچے کو یا عورت کو قتل نہ کرو۔

ایک موقع پر اسلامی فوج کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولیدؓ کو آپ ﷺ نے ہدایت دی: ''لا تقتلن امراۃ ولا عسیفاً'' (۳) ''عورت اور مزدور کو قتل نہ کرو'' ایک موقع پر فرمایا: ''لا تقتلوا أصحاب الصوامع'' (۴) غیر مسلم عبادت گاہوں کے متعلقین کو قتل نہ کرو، گویا مذہبی شخصیتوں کو بھی جنگ میں قتل سے مستثنیٰ رکھا گیا، آپ نے اس بات سے بھی منع فرمایا کہ کسی زخمی شخص پر حملہ کیا جائے، جنگ میں جو شخص بھاگ رہا ہو، اس کا پیچھا کیا جائے، جو فوجی قید میں آ گیا ہو، اس کو قتل کیا جائے اور جو اپنے گھر کے دروازہ کو بند کرلے، اس پر حملہ کیا جائے :

لا تجهزن على جريح ولا يتبعن مدبر ولا يقتلن اسير ولا من اغلق بابه فهو آمن ۔ (۵)

---

(۱) البقرۃ: ۱۹۰۔

(۲) ابوداؤد، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۲۶۱۴۔

(۳) ابوداؤد، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۲۶۶۹۔

(۴) السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب السیر، حدیث نمبر: ۱۷۹۳۳۔

(۵) فتوح البلدان: ۴۷۔

کسی مجروح پر حملہ نہ کیا جائے، کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے،
کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور نہ اس کو جو اپنے گھر کا دروازہ بند
کرلے، وہ (سب) امان میں ہیں۔

آپ ﷺ نے اس بات سے بھی منع فرمایا کہ کسی کو آگ کی سزا دی جائے: ''لا ینبغی أن یعذب بالنار إلا رب النار'' (۱) اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ شدید مجبوری کے بغیر آتشیں اسلحہ کا استعمال جائز نہیں، عرب کے لوگ جب غلبہ حاصل کرتے تھے تو اپنے دشمن کو نہ صرف قتل کرتے تھے؛ بلکہ ان کی لاش کا مثلہ بھی کر دیتے تھے، یعنی ان کے اعضا کاٹ دیتے تھے، آپ نے اس سے منع فرمایا: ''نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من النھبی والمثلۃ'' (۲) ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ اگر دشمن پکڑ میں آجاتا تھا تو اس کو تکلیف دے دے کر قتل کرتے تھے، آپ ﷺ نے اس طرح باندھ کر مارنے سے منع فرمایا: ''نھی عن قتل الصبر''۔ (۳)

غرض کہ اولاً تو آپ ﷺ امن وسلامتی کو پسند کرتے تھے، جنگ سے بچنا چاہتے تھے؛ لیکن اگر مخالفین کی طرف سے ایسے حالات پیدا ہو جاتے کہ جنگ کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ ہو تب بھی آپ ﷺ نے جنگ کے مہذب اُصول مقرر فرمائے اور بہت سے غیر انسانی طریقوں — جو اس وقت عربوں میں یا ان کے پڑوسی ملکوں میں مروج تھے — کو ختم کیا۔

● ● ●

---

(۱) ابوداؤد، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۲۶۷۷۔
(۲) بخاری، کتاب المظالم، باب النہی بغیر اذن صاحبہ، حدیث نمبر: ۲۳۴۲۔
(۳) ابوداؤد، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۲۶۸۹۔

سلسلۂ رسائل سیرت
۹

مذہبی رواداری اور اُسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مولانا محمد نافع عارفی

ناشر
المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

پیش لفظ

قرآن مجید نے اپنے لانے والے کی جو تصویر پیش کی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں، نہ آپ کی رحمت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے، نہ عربوں کے ساتھ، نہ کسی خاص رنگ و نسل کے لوگوں کے ساتھ؛ یہاں تک کہ آپ کی رحمت وشفقت بنی نوع انسان تک بھی محدود نہیں ہے؛ بلکہ آپ ﷺ نے دوسری مخلوقات کے ساتھ بھی رحم و کرم کی تعلیم دی ہے؛ مگر افسوس کہ غیر مسلم بھائی سیرت محمدی کے اس پہلو سے واقف نہیں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ صرف مسلمانوں کے پیغمبر اور محسن ہیں، مغربی مصنفین اگر بہت مہربان ہوں تو زیادہ سے زیادہ آپ ﷺ کو عربوں کا نبی قرار دیتے ہیں۔

اسی پس منظر میں سہ روزہ بین الاقوامی سیرت نبوی سیمینار — جو ۱۲-۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق: ۲۱-۲۳ر فروری ۲۰۱۶ء کو المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں منعقد ہو رہا ہے — کی مناسبت سے ۱۶ر رسائل کی ترتیب کا منصوبہ بنایا گیا، جس میں رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر رحمۃ للعالمینی کو پیش کیا جائے اور برادرانِ وطن کے درمیان آپ ﷺ کا صحیح تعارف کرایا جائے، کوشش کی گئی ہے کہ یہ رسائل مختصر ہوں، زبان آسان ہو اور ہر بات معتبر حوالہ سے کہی جائے، انشاء اللہ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ تک کوشش کی جائے گی کہ انگریزی اور ہندوستان کی تمام علاقائی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو جائے اور اسے بڑی تعداد میں برادرانِ وطن تک پہنچایا جائے۔

اسی سلسلہ کا ایک حصہ یہ رسالہ ''مذہبی رواداری اور اُسوۂ نبوی ﷺ'' ہے، جس کو جناب مولانا محمد نافع عارفی (خادم: معہد الولی الاسلامی ہرسنگھ پور، دربھنگہ، بہار) نے مرتب کیا ہے — **فجزاہ اللہ خیر الجزاء** — دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اس کے مقصد کے اعتبار سے مفید بنائے اور رسول اللہ ﷺ کے تعارف کی جو ذمہ داری اس اُمت پر ہے، اس کا کوئی حصہ اس کوشش کے ذریعہ ادا ہو سکے، **ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم**۔

خالد سیف اللہ رحمانی	۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
(خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)	۲۱ر فروری ۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمارا رب رب المسلمین نہیں ؛ بلکہ رب العالمین ہے، اس کے آخری فرستادہ ہمارے رسول صرف مسلمانوں کے رسول اوران کے لئے رحمت نہیں ؛ بلکہ وہ رحمۃ اللعالمین ہیں، ان کالایا ہوا دین دین رحمت ہے، ان پر اُتاری گئی کتاب قرآن کریم تمام آسمانی کتابوں کے تصدیق کے لئے اُتاری گئی ؛ خواہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل ہو یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات یا پھر کوئی اور کتاب جو دنیا کے کسی بھی حصے میں کسی بھی نبی پر اُتاری گئی، اس تصدیق کے بنا کوئی شخص اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ ہی نہیں کرسکتا۔

اللہ تعالیٰ کو کفر وشرک کسی قیمت پر برداشت نہیں، کافراور مشرک اس کے باغی ہیں، اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بات بڑی آسان تھی کہ کافر ومشرک کو اس صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا؛ لیکن یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں برابر کفر وشرک رہا، کافروں مشرکوں کو بے پناہ عروج حاصل بھی ہوتا رہا، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک اُمت بنا دیتا، سب کے سب ایک عقیدہ کے ماننے والے ہوتے: ''وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ''۔(النحل:۹۳)

لیکن اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملے میں زور زبردستی اور جبر واکراہ کو روا نہیں رکھا؛ بلکہ انسانوں کو کھلی چھوٹ دے دی گئی کہ ان کو جو جی میں آئے کریں، خواہ ایمان لائیں خواہ کفر کریں ''فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ '' (کہف:۲۹) اور کبھی ارشاد ہوا ''لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ''(دین میں کوئی زبردستی نہیں)۔(بقرہ:۲۵۶)

دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں آپ کو حکم ہوا'' آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اوراچھی نصیحتوں کے ذریعہ بلائیے، اوران کے ساتھ اچھے طریقوں سے بحث کیجئے'' (النحل:۱۲۵) اور ساتھ ہی آپ کے پیروکاروں کو یہ تلقین کی گئی کہ وہ جھوٹے خداؤں کو برا بھلا نہ کہیں، (انعام:۱۰۸) ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ اسلام کے پیام سے رُوگردانی کرنے والوں سے تعرض نہ کیا جائے ان پر کوئی جبر اور زبردستی نہ کی جائے۔

مکہ کے دس سالہ تبلیغی مہم میں آپ ﷺ نے یک طرفہ صبر اور درگذر سے کام لیا، ہر طرح کی ایذا رسانیوں کے جواب میں صرف زبان مبارک سے دُعا ہی نکلتی تھی، کبھی کسی صحابی نے کفار مکہ کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر ان پر بددُعا کی درخواست کی؛ تو جواب میں زبان مبارک سے دُعا نکلی، ایک موقع پر چند صحابیوں نے دشمن کے لئے بددُعا کی درخواست کی تو فرمایا: ''میں دنیا کے لئے لعنت نہیں؛ بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔(۱)

ایک موقع پر ابوسفیان جو رسول اللہ ﷺ کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھے؛ انہوں نے قحط سالی کے زمانے میں خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: ''محمد تماری قوم ہلاک ہورہی ہے، اللہ سے دُعا کیجئے کہ یہ مصیبت جاتی رہے، آپ نے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھایا اور اہل مکہ کو قحط سے نجات ملی''(۲) طائف والوں نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا آپ کو کس قدر تڑپایا اور ستایا؛ لیکن جب صحابہ نے ان پر بددُعاء کی درخواست کی تو زبان مبارک سے ان کے حق میں ایک خوبصورت دُعا نکلی ''اللھم اھدی ثقیفاًوائت بھم'' (اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو اسلام کا حلقہ بگوش بنا)(۳) اسی طرح قبیلۂ دوس کی زیادتی جب حد برداشت سے آگے بڑھ گئی، تو حضرت طفیلؓ دوسی نے ان پر بددُعا کی درخواست کی؛ لیکن رحمت عالم ﷺ نے ان کی ہدایت کے لئے دُعا فرمائی۔(۴)

قیدیوں کے ساتھ رواداری

جنگ بدر کے قیدیوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں نے بہت مشفقانہ، رحمدلانہ اور ہمدردانہ برتاؤ کیا، کچھ بلا معاوضے کے آزاد کردیئے گئے، چند قیدیوں نے اس شرط پر آزادی حاصل کرلی کہ انصار کے بچوں کو تعلیم دیں گے، اور کچھ نے چند سکوں کے عوض آزادی حاصل کی۔(۵)

---

(۱) مشکوٰۃ، باب اخلاق النبی ﷺ۔

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۴۵۴۳۲، تفسیر سورہ دخان، امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ، ط: پاکستان۔

(۳) السیرۃ النبویہ: ۴/ص: ۱۳۱، علامہ ابن ہشام، ط: بیروت۔

(۴) مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث نمبر: ۴۵۵۲، بخاری، باب الدعاللمشرکین بالھدی لیتألفھم، حدیث نمبر: ۲۹۳۷۔

(۵) سیرۃ النبی: ۱/ ۳۰۵۔

بدر کی شکست نے قریش کے جذبۂ انتقام کو بھڑکا دیا،قریش نے ۳ھ میں دوبارہ مدینہ پر حملہ کیا،بدقسمتی سے اس بار بازی قریش کے ہاتھ لگی اور اب دیکھئے قریش نے مسلمان مقتولوں کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا؟ حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کا مثلہ کیا گیا،ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے ان کی ناک کان کاٹے اور اس کا ہار بنا کر پہنا،قساوت کی انتہا کہ ان کا جگر نکال کر چبانے کی کوشش کی۔(۱)

جنگ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کا اُسوہ انسانیت کے لئے آبِ حیات ہے،اس غزوہ میں کافروں نے بطورِ خاص آپ ﷺ کو نشانہ بنایا اور کسی بھی طرح آپ ﷺ کو شہید کر دینا چاہتے تھے،دشمنوں کی تیروں کی بارش جب تیز تر ہوگئی،تو غیرت کے لہجے میں آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ حسرت ناک الفاظ نکلے :

کیف یصلح قوم شجوا نبیھم فنزلت " لیس لک من الامر شیٔ او یتوب علیھم "۔ (۲)

کیسے وہ قوم فلاح پاسکتی ہے، جو اپنے پیغمبر کو زخمی کرتی ہے، رب کائنات کو رحمت عالم کی یہ آہ بھی پسند نہ آئی اور ارشاد ہوا کہ آپ کو اس معاملہ میں کچھ اختیار نہیں۔

صلح حدیبیہ اور نبی اکرم ﷺ کی رواداری

مسلمانوں نے مدینے میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی،ان کی تعداد اور قوت بڑھ چکی تھی، جنگی سامان بھی بہ نسبت پہلے کے بہتر تھے،آپ ﷺ نے اپنے چودہ سو جانثاروں کے ساتھ عمرہ کے اردے سے احرام باندھا تاکہ مکہ والوں کو جنگ کا شبہ نہ ہو؛لیکن اس کے باوجود خدا کے رسول کو خدا کے گھر کی زیارت سے روک دیا گیا،گفت وشنید کے متعدد دور کے بعد جو شرائط نبی کریم ﷺ نے منظور کئے وہ بظاہر پورے طور پر مسلمانوں کے خلاف تھے،حضرت عمرؓ جیسے بعض صحابہ کو اس صلح میں مسلمانوں کی کمزوری نظر آئی؛لیکن نبی ﷺ نے رواداری اور صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے

(۱) سیرت ابن ہشام: ۲/۹۱،ط:السقا۔

(۲) بخاری،باب لیس لک من الامر شیٔ: ۳/۱۱۰۵،کتاب المغازی۔

ہوئے قریش کی انتہائی نامناسب شرطوں کو بھی قبول کرلیا، معاہدہ نامہ کے الفاظ جس وقت قلم بند کئے جارہے تھے اس وقت قریش کا سفیر سہیل بات بات پر اڑتا تھا؛ لیکن رسول اللہ ﷺ رواداری میں اس کی ساری باتیں تسلیم کرتے گئے حضرت علیؓ نے ابتداء میں 'بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' لکھا، سہیل نے کہا میں اس جملے کو نہیں، جانتا اس کے بجائے 'باسمک اللّٰھم' لکھو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے کہا یہ لکھ دو، آپ نے اپنے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھوایا، سہیل اس پر بھی بضد ہوا رسول اللہ نہ لکھا جائے آپ نے معاہدہ میں محمد بن عبداللہ لکھنا تسلیم کیا، غرض کہ معاہدے کی ہر شق مسلمانوں کے خلاف پڑی؛ لیکن رسول اللہ ﷺ نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے قبول کیا۔(۱)

فتح مکہ اور آپ ﷺ کی رواداری

اللہ تعالیٰ نے فاتحین کے رویے اور ان کی جارحانہ کارروائیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے :

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۔ (النمل:۳۴)

بلقیس کہنے لگی کہ والیان ملک کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تہہ وبالا کردیتے ہیں اور اس میں رہنے والوں میں جو عزت دار ہیں ان کو ذلیل کیا کرتے ہیں اور یہ بھی ایسا ہی کریں گے۔(۲)

لیکن ایک نظر مکہ کے فاتح پر بھی ڈالئے، ۸ھ میں رسول اللہ ﷺ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے قریش سے چھوٹی موٹی جھڑپیں ضرور ہوئیں؛ لیکن مسلمانوں کے سامنے انھوں نے ہتھیار ڈال دیئے، راستے میں حضرت سعد ابن عبادہؓ جو انصار کے دستے کے امیر تھے، نے ابوسفیان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''الیوم یوم الملحمه الیوم تستحل الکعبه''(۳)(آج کا دن جنگ کا دن ہے، آج کعبہ کو حلال کرلیا جائے) نبی اکرم ﷺ کو جب یہ خبر ہوئی تو آپ نے انتہائی ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ آج کا دن تو نیکی اور وفا کا دن ہے،(۴) آج آپ

---

(۱) بخاری کتاب الشروط:۱۶۲۸/۳۔

(۲) بیان القرآن:۵۷/۳۔

(۳) بخاری، حدیث نمبر:۲۴۸۰۔

(۴) سیرت ابن ہشام:۴۹/۴۔

کے سامنے قریش کے وہ تمام سرکش سردار کھڑے تھے، جنھوں نے آپ کی ایذا رسانی، قتل اور مسلمانوں کی خون ریزی، غارت گری میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تھی، اگر آپ چاہتے تو مکہ کی گلیوں میں خونی سیلاب لا سکتے تھے؛ لیکن رحمت عالم ﷺ نے حکم دیا اس وقت تک کسی پر ہاتھ نہ اُٹھایا جائے جب تک کوئی شخص خود ان پر حملہ آور نہ ہو، ابوسفیان جو آپ کی دشمنی میں ہمیشہ اول رہے، آپ نے ان کے گھر میں داخل ہونے والوں کو پناہ کا مژدہ سنایا، اعلان عام ہوا کہ جو کعبہ میں داخل ہو جائے اس کی جان اور آبرو محفوظ ہے، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اسے بھی امان ہے، دشمنوں کے ساتھ ایسی رواداری کی مثال آسمان نے کہیں دیکھی ہے، پیغمبر اسلام کی رواداری کا نقشہ کھینچتے ہوئے علامہ شبلی تحریر کرتے ہیں :

> آپ ﷺ نے مجمع کی طرف دیکھا تو جبارانِ قریش سامنے تھے، ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کو مٹانے میں سب کے پیش رو تھے، وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ ﷺ پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں، وہ بھی تھے جن کی تیغ و سنان نے پیکر قدسی کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں وہ بھی تھے جنھوں نے آنحضرت ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنحضرت ﷺ کی ایڑیوں کو لہولہان کر دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خون نبوت کے سوا کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی، وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آ آ کر ٹکراتا تھا، وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی آگ پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے، رحمت عالم ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھا تم کو کچھ معلوم ہے میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟ وہ لوگ اگرچہ ظالم تھے شقی تھے، بے رحم تھے؛ لیکن مزاج شناس تھے، پکار اُٹھے کہ تو شریف بھائی ہے اور شریف برادر زادہ ہے، ارشاد ہوا، تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو، کفار مکہ نے تمام مہاجرین کے مکانات پر قبضہ کر لیا تھا،

اب وہ وقت تھا کہ ان کو ان کے حقوق دلائے جاتے ؛ لیکن آپ ﷺ نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ اپنی مملوکات سے دست بردار ہوجائیں۔(۱)

کیا مذہبی رواداری کی اس سے بہتر بلکہ اس سے کم تر مثال کسی اور مذہبی رہنما کی صحیفۂ زندگی میں مل سکتی ہے، یا کوئی اور مذہب ایسی مثال پیش کرسکتا ہے؟

غزوۂ حنین اور آپ ﷺ کی رواداری

فتح مکہ کے بعد حنین کا غزوہ پیش آیا، اس غزہ میں مسلمانوں کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی، فتح کے بعد ہوازن اور قبیلۂ ثقیف کے چھ ہزار قیدی، چوالیس ہزار اونٹ، چوالیس ہزار سے زائد بھیڑ بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی مسلمانوں کو بطور غنیمت حاصل ہوا، آپ ﷺ نے اسیران جنگ اور مالِ غنیمت کو جعرانہ میں جمع کرنے کا حکم دیا، کئی دن انتظار کے بعد جب کوئی قیدیوں کو لینے نہ آیا؛ تو آپ ﷺ نے اسے مسلمانوں میں تقسیم کردیا؛ لیکن پھر ہوازن وثقیف کے سرداران قیدیوں کی شفارس کی درخواست لے کر حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ نے خود ہی قیدیوں کی رہائی کا طریقہ بتایا اور تمام چھ ہزار قیدی بلا کسی معاوضہ کے آزاد کردیئے گئے۔(۲)

جنگوں میں نبی کریم ﷺ کی رواداری اور عفودرگذر کی داستان سے تاریخ کے صفحات اٹے پڑے ہیں، اب یہاں اختصار کے ساتھ دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے روادارانہ سلوک اور عفودرگذر کی مقدور بھر تصویر اُتارنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق

سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی ہمارے نبی کریم ﷺ ہیں، آپ پر اُتاری گئی کتاب دنیا کے نام خدا کا آخری پیغام ہے، نبی کریم ﷺ اس لئے تشریف لائے ؛ تاکہ پوری دنیا تک خدا کا آخری پیغام پہنچادیں، آپ ﷺ نے اپنے پیش رونبیوں کی شریعت کی تکمیل کی، اس کی تصدیق کی اوران پر ایمان لانے کی دعوت دی، اللہ کی اُتاری ہوئی تمام کتابوں کی تصدیق کی، خواہ وہ کتاب

(۱) سیرت النبی:۱/ ۴۷۵۔

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے: سیرت ابن ہشام: ۳۲، ۳۳، ۳۴۔

دنیا کے کسی قوم اور کسی گوشے میں کسی فرد پر اُتاری گئی ہو، ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ قرآن کریم پر ایمان کے ساتھ ساتھ تمام آسمانی صحیفوں پر ایمان لائے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم اس بات کا اقرار کرو۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۔ (۱)

آپ کہہ دیجئے کہ ہم اللہ پر، اس کتاب پر جو ہم پر نازل کی گئی، ان کتابوں پر جو ابراہیم ، اسماعیل ، اسحاق ، یعقوب اور یعقوب کی اولاد پر اتاری گئیں، اور جو کتابیں موسیٰ ،عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے عطا فرمائی گئیں، ان سب پر ایمان لائے، ہم (ایمان لانے میں) ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے، اور ہم تو اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں۔

اس طرح کا مضمون سورہ بقرہ میں بھی موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے بعض نبیوں اور کتابوں کا ذکر صراحت سے کیا ہے اور بعض نبیوں کا ذکر نہیں کیا ہے؛ لیکن ان تمام کتابوں اور صحیفوں اور نبیوں کی تصدیق ایمان کی شرط قرار دی ہے۔

اس سلسلے میں علامہ سید سلیمان ندوی کی یہ تحریر بڑی چشم کشا ہے :

حقیقت میں اسلام کی یہ تعلیم دنیا کی مہتم بالشان تعلیمات میں سے ہے، جس کا وجود کسی دوسرے مذہب میں نہ تھا، یہ رواداری ، بے تعصبی اور عام انسانی اُخوت کی سب سے بڑی تعلیم ہے، یہودی اپنی کتاب کو چھوڑ کر تمام دوسری آسمانی کتابوں سے انکار کر کے بھی نجات کا منتظر رہ سکتا ہے، عیسائی تورات اور تمام دوسرے صحیفوں کا انکار کر کے بھی آسمانی بادشاہی کا متوقع ہوسکتا ہے، پارسی اوستا کے سوا

(۱) آل عمران: ۸۴۔

دوسری ربانی کتابوں کو باطل مان کر مینو (جنت) کا استحقاق پیدا کرسکتا ہے، ہندو اپنے ویدوں کے سوا دنیا کی ہر آسمانی کتاب کو دجل وفریب مان کر بھی آواگون سے نجات حاصل کرسکتا ہے، بودھ مت والے اپنے سوا دنیا کی تمام وحیوں کا انکار کر کے بھی نروان حاصل کر سکتے ہیں؛ مگر مسلمان جب تک قرآن کے ساتھ تمام دنیا کی آسمانی کتابوں کو من جانب اللہ نہ تسلیم کریں، جنت کا مستحق نہیں ہوسکتا۔(۱)

رواداری اور تعلیماتِ نبوی

مسلمانوں کے علاوہ دنیا میں تین نظریات کے حاملین بستے ہیں :

(۱) اہل کتاب، یعنی وہ لوگ جو قرآن کریم پر تو ایمان نہیں رکھتے؛ لیکن ان کتابوں میں سے کسی ایک کو تسلیم کرتے ہیں، جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے، یعنی یہودی وعیسائی۔

(۲) وہ لوگ جو کسی آسمانی کتاب پر تو یقین نہیں رکھتے؛ لیکن خود اپنے لئے آسمانی کتاب پر ایمان لانے کے مدعی ہیں، جیسے صابی، مجوسی، ہندوؤں اور بدھوں کو بھی اس میں شامل کیا جاسکتا ہے، انھیں بھی اسلامی حکومت میں وہ تمام حقوق اور رعایتیں حاصل ہیں، جو اہل کتاب کو دی گئی ہے۔

(۳) کفار اور مشرکین ہیں، یعنی وہ لوگ جن کے پاس نہ کوئی آسمانی کتاب ہے اور نہ ہی وہ کسی مذہب کی پیروی کے دعویدار ہیں، اسلامی حکومت میں ان کو بھی امن دینے کی تعلیم دی گئی ہے؛ چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے :

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۔ (۲)

---

(۱) سیرت النبی: ۴/ ۵۹۸، ۵۹۹۔

(۲) التوبۃ: ۶۔

> اور اگر مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ کا طالب ہو تو اسے پناہ دے دیا کریں؛ تا کہ وہ اللہ کا کلام سنے، پھر اس کو اس کی امن کی جگہ پہنچا دیں، یہ اس لئے کہ یہ ناواقف لوگ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تمام پر امن شہریوں کے ساتھ، خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب وعقیدہ سے ہو، حسن سلوک اور صلہ رحمی کا حکم دیا ہے، علامہ سید سلیمان ندویؒ نبی کریم ﷺ کی مذہبی رواداری کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

> اس تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم نے دنیا میں امن وامان اور مسلمانوں میں مذہبی رواداری کے پیدا کرنے میں کتنا عظیم الشان حصہ لیا ہے، یہی وہ نظریہ تھا، جس نے مسلمانوں کو اپنے مذہبی عقائد وشریعت کی سخت پیروی کے باوجود دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ مشارکت اور میل جول کے لئے آمادہ کیا، مجوسیوں، صابیوں، یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر مختلف ملکوں میں، ان ملکوں کے مناسب مختلف تمدنوں کی بنیاد رکھنے کی، ان میں قوت پیدا کی۔(۱)

یہودیوں کے ساتھ آپ ﷺ کی رواداری

قرآن کریم نے متعدد مقامات پر یہودیوں کی بدنیتی، بدکرداری اور مسلمانوں کے تئیں ان کی تنگ نظری نفرت اور بغض وحسد کا تذکرہ کیا ہے؛ لیکن ان تمام نفرت انگیز برائیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا، کہ جب وہ تمہارے پاس فیصلے کے لئے آئیں، تو تمہیں اختیار ہے کہ فیصلہ کرو، یا ان سے کنارہ کش رہو، وہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے؛ لیکن اگر فیصلہ کرو، تو انصاف کے ساتھ کرو؛ کیوں کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔(۲)

اس سے بڑھ کر مذہبی رواداری کا کیا درس دیا جا سکتا ہے اور اس کا عملی ثبوت نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ میں موجود ہے۔

---

(۱) سیرت النبی: ۴/۱۰۶۔ (۲) المائدۃ: ۴۲۔

میثاق مدینہ — مذہبی رواداری کی بنیاد

۱ر ہجری رسول اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے، یہودیوں کی شر انگیزیوں اور بد طینتی سے واقفیت کے باوجود ان سے خوشگوار تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی، مدینہ کے یہودیوں سے ایک معاہدہ کیا، جس کی شرطیں یہ تھیں :

(۱) خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے رائج ہے، وہ باقی رہے گا۔

(۲) یہودیوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔

(۳) یہود اور مسلمان آپس میں دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔

(۴) فریقین جنگوں میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

(۵) کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔

(۶) کوئی بیرونی طاقت مدینہ کے پر حملہ کرے گی، تو دونوں مل کر مدافعت کریں گے۔

(۷) کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا، تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا؛ البتہ مذہبی جنگیں اس سے مستثنیٰ رہیں گے۔(۱)

یہ معاہدہ رسول اکرم ﷺ کی مذہبی رواداری کی ایسی مثالیں ہیں، جن پر دنیا ناز کرسکتی ہے، یہ معاہدہ اسلام کے مقصد ''پر امن بقائے باہم'' مثالی مذہبی رواداری، امن وآشتی اور انسانی قدروں کے تحفظ کی عکاسی کرتا ہے۔

لیکن عنایات وکرم اور رواداری وہمدردی کے باوجود یہود اپنی فطری خباثت سے باز نہ آئے، خود نبی کریم ﷺ کے ساتھ بھی گستاخیاں کیا کرتے تھے، ایک موقع پر یہود کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں آئی، تو آپ کو موت کی بدُعا دی، حضرت عائشہؓ برداشت نہ کرسکیں اور فرمایا: تم پر اللہ کی لعنت ہو۔

رحمت عالم ﷺ کو حضرت عائشہؓ کا یہ انداز پسند نہ آیا اور نرمی برتنے کی ہدایت فرمائی؛(۲) لیکن ان سب کے باوجود، یہود اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے، مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچانے کا کوئی موقع کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام: ۱؍۲۷۸، ۲۷۹، سیرت النبی: ۱؍۲۷۵۔ (۲) بخاری: ۶۰۲۴، باب الرفق فی الامر کلہ۔

رسول اللہ ﷺ نے بیت المقدس کے بجائے کعبۃ اللہ کو قبلہ بنایا، تو یہودیوں کو بڑا دکھ پہنچا اور انھوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی اعلانیہ طور پر کرنی شروع کردی، وہ مدینہ کے بت پرستوں اور منافقوں سے ساز باز کرنے لگے، جب مکہ کے مشرکین نے مدینہ پر حملہ کیا، تو دفاع کے بجائے خوشی کے شادیانے بجانے لگے، انھوں نے اسلام کی بیخ کنی اپنا شعار بنالیا تھا۔

مدینہ میں آباد یہودی قبیلوں میں بنوقینقاع بڑے طاقتور تھے، اس قبیلہ کے ایک فرد نے ایک انصاری خاتون کے ساتھ بدتمیزی کی، اس پر ایک غیرت مند انصاری نے اس یہودی کو قتل کردیا، یہودیوں نے مل کر اس انصاری کو شہید کردیا، رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی، تو آپ ﷺ یہودیوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا اللہ سے ڈرو، ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی بدر والوں کی طرح عذاب نازل ہو، انھوں نے جواب دیا کہ ہم قریش نہیں ہیں، ہم سے واسطہ پڑے گا، تو ہم دکھلا دیں گے کہ جنگ کس طرح لڑی جاتی ہے؟ گویا انھوں نے اعلان جنگ کردیا، رسول اللہ ﷺ بھی ان کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آچکے تھے، اس لئے مجبوراً ان پر حملہ کیا، وہ قلعہ بند ہوگئے پندرہ دنوں کے محاصرے کے بعد انھوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے کہ رسول اللہ ﷺ جو فیصلہ فرمائیں گے، انھیں منظور ہوگا رسول اللہ ﷺ چاہتے تو ان کے ایک اشارے پر بنوقینقاع قتل کر دیئے جاتے؛ لیکن آپ ﷺ نے انتقام کے بجائے شام کے زرخیز علاقوں کی طرف انھیں جلاوطن کردیا۔(۱)

یہودیوں کے ایک دوسرے قبیلے بنونضیر نے تو حد کردی، رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش رچی، ہوا یوں کہ ان پر دو آدمیوں کے قتل کا خون بہا واجب تھا، آپ ﷺ دیت کے مطالبے کے لئے ان کے پاس تشریف لے گئے، تو ایک یہودی نے چھت سے ایک بڑا پتھر گرانے کی کوشش کی؛ تاکہ آپ ﷺ شہید ہوجائیں، بذریعہ وحی آپ کو اطلاع ہوگئی اور آپ ﷺ فوراً واپس ہوگئے، چند دنوں کے بعد یہودیوں میں سے بنوقریظہ نے گذشتہ معاہدوں کی تجدید کرلی؛ لیکن بنونضیر اپنی ضد پر اُڑے رہے، ان کی سرکشی سے مجبور ہوکر، ان کا محاصرہ کیا، پندرہ دنوں کے بعد انھوں نے اس شرط پر صلح کرلی کہ انھیں اپنے مال ومتاع کے ساتھ خیبر جانے کی اجازت دے دی جائے، رسول اللہ ﷺ نے اس کو اجازت دے دی۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام ج:۳/امر بنی قینقاع، سیرت النبی:۱/۱۷۳۔

ایک طرف نرمی اور رواداری اپنے انتہا پر تھی ،تو دوسری طرف شر پسندی ، فتنہ سازی اور شازشیں عروج پر تھی ، بنوقریظہ نے گو کہ معاہدہ کی تجدید کر لی تھی ؛لیکن وہ در پردہ بنونضیر کے ساتھ مل کر، سازشیں رچ رہے تھے ، یہ دونوں قبیلے قریش مکہ کے ربط میں بھی تھے ؛ چنانچہ بنونضیر، بنو قریظہ اور دوسرے قبیلوں نے مل کر چوبیس ہزار کی فوج اکٹھی کی اور مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دی ، رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے اردگرد خندق کھود کر ان کا مقابلہ کیا ،اس لئے اس غزوہ کا نام غزوۂ خندق ہے، جنگ احزاب یا خندق کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ؛لیکن بنوقریظہ نے رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے دشمن حیی بن اخطب کو اپنے ساتھ ملا لیا اور جب آپ ﷺ نے ان سے باز پرس کی ،تو عہد شکنی پر نادم ہونے کے بجائے آنحضور ﷺ کو گالیاں دینی شروع کی ، نبی کریم ﷺ نے ان کے قلعہ کا محاصرہ کیا ، پھر جب انھوں نے ہتھیار ڈال دی ،تو ان کے بدعہدی کی سزا تورات کے حکم کے مطابق دی گئی۔

اب یہودیوں کی اسلام دشمنی کا مرکز خیبر بن چکا تھا جو مدینہ سے دوسو میل کے فاصلے پر ہے، یہودیوں نے خیبر کو اپنا مرکز بنا کر اسلام کی بیخ کنی کا بیڑا اُٹھایا ، بنونضیر یہاں جلا وطن ہو کر آئے ،تو یہاں کے یہودیوں کے ساتھ مل کر اسلام کے خلاف بغاوتیں شروع کیں ،قریش مکہ کو انھوں نے جنگ پر اُبھارا ، رسول اللہ ﷺ کی چراگاہ سے اونٹنیاں چرا کر لے گئے ، اونٹنیوں کی حفاظت کرتے ہوئے حضرت ابوذرؓ کے صاحبزادے شہید ہو گئے ، پھر بھی رسول اللہ ﷺ پہلو تہی کرتے رہے اور عفو ودرگذر سے کام لیتے رہے ؛ لیکن جب ان کی سازشوں نے خطرناک صورتیں اختیار کر لی ،تو آپ ﷺ نے اعلان جنگ کیا۔

خیبر کی فتح میں حضرت علیؓ نے جان کی بازی لگا دی ، فتح کے بعد خیبر کی زمینوں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا ، یہودیوں نے درخواست کی کہ زمینیں ان ہی کے قبضہ میں رہنے دی جائے ، وہ پیداوار کا نصف حصہ ادا کیا کریں گے ،رحمت دوعالم ﷺ نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ، یہودیوں کی اس التجا کو منظور کر لیا۔(۱)

اس غزوہ میں رئیس خیبر کی صاحبزادی حضرت صفیہؓ گرفتار ہوئیں اور حضرت دحیہ کلبیؓ کے

(۱) فتوح البلدان: ۲۷،تاریخ اسلام: ۱/ ۶۵،شاہ معین الدین احمد ندوی۔

حصے میں آئیں، انھوں نے آپ کو ہدیہ کردیا، آپ نے حضرت صفیہؓ کو پہلے آزاد کیا، پھر اپنے نکاح میں لے لیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے، تو انھیں اپنی باندی بنا کر رکھ سکتے تھے؛ لیکن آپ نے ان کی عزتِ نفس کا خیال کرتے ہوئے، ان سے شادی کی، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی دلجوئی بھی کی اوران کے مرتبے کا بھی لحاظ رکھا، اُم المومنین حضرت صفیہؓ کی شادی پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ شبلیؒ تحریر کرتے ہیں :

> یہ ظاہر ہے کہ حضرت صفیہؓ تباہ ہونے کے بعد، خاندان سے باہر، بیوی یا کنیز بن کر رہتیں، وہ رئیس خیبر کی بیٹی تھیں، ان کا شوہر بھی قبیلۂ بنونضیر کا رئیس تھا، باپ اور شوہر دونوں قتل کئے جا چکے تھے، اس حالت میں ان کے پاسِ خاطر حفظ مراتب اور رفع غم کے لئے اس کے سوا اور کوئی ترکیب نہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو اپنے عقد میں لے لیں، وہ کنیز ہو کر بھی رہ سکتی تھیں؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی خاندانی عزت کے لحاظ سے ان کو آزاد کردیا اور پھر نکاح پڑھایا، حسن خلق، رحم اور مصیبت زدہ کی چارہ نوازی کے علاوہ سیاسی اور مذہبی حیثیت سے بھی یہ کارروائی نہایت موزوں اور بجا تھی، اس قسم کے طرز عمل سے عرب کو اسلام کی طرف رغبت اور کشش ہوتی تھی کہ اسلام اپنے دشمن کے ورثہ کے ساتھ بھی اس قسم کا محسنانہ اور ہمدردانہ سلوک کرتا ہے۔(۱)

عزت وآبرو، جان ومال اور مذہب کے دشمن سے رشتہ جوڑنا، خطرہ سے خالی نہ تھا؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کی دلداری کی خاطر یہ رواداری اور فراخ دلی دکھائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت صفیہؓ سے بڑی محبت تھی، ہمیشہ ان کی دل جوئی فرمایا کرتے تھے، ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لائیں تو دیکھا کہ وہ رورہی ہیں، وجہ دریافت کی، تو انھوں نے عرض کیا کہ عائشہؓ اور زینب کہتی ہیں کہ وہ آپ کی چچازاد بہن بھی ہیں، اس لئے وہ تمام ازواج میں

(۱) سیرت النبی: ۱/ ۴۹۲۔

افضل ہیں، آپ نے فرمایا: تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ حضرت ہارون میرے باپ اور حضرت موسیٰ میرے چچا اور محمد میرے شوہر ہیں، پھر تم کیوں کر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کے جان و مال اور امن و امان کی ضمانت دی؛ لیکن وہ اپنی شر انگیزی سے باز نہ آئے، ایک یہودی عورت نے آپ کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا، آپ کے ساتھ بشر بن براء بھی تھے، زہر آلود کھانا کھانے کی وجہ سے ان کی موت ہو گئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرط کرم میں اس یہودی خاتون کی دعوت قبول کی تھی؛ لیکن اس نے آپ کے قتل کی کوشش کی، یہ زینب نامی خاتون یہودی سردار مرحب کی بھانجی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لئے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا کرتے تھے؛ لیکن حضرت بشر بن براء کے قصاص میں اس یہودیہ کو قتل کیا گیا۔(١)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہودیوں سے لین دین بھی کیا کرتے تھے، یہودی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سختی اور گستاخی سے پیش آتے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ نرمی اور محبت سے جواب دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ زید نامی ایک یہودی سے آپ نے قرض لیا اور وقت سے پہلے ہی قرض کی واپسی کا مطالبہ کیا اور نہایت ہی سختی، تندی اور گستاخانہ لب ولہجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کی، حضرت عمر برداشت نہ کر سکے اور انھوں نے کہا: کہ او دشمن خدا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شان میں گستاخی کرتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا: عمر! تم سے کچھ اور امید تھی، اس کو سمجھانا چاہئے تھا کہ نرمی سے تقاضہ کریں اور مجھ سے کہنا چاہئے تھا کہ میں قرض ادا کر دوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہودی کی قرض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اسے بیس صاع کھجور زائد دی۔(٢)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کے ساتھ ہمیشہ رواداری نرم دلی حسن سلوک کیا، یہودیوں کی تمام تر شرارتوں کے باوجود آپ ہمیشہ ان سے درگذر کرتے رہے۔

عیسائیوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رواداری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیسائیوں سے بھی متعدد معاہدے کئے، ان معاہدوں سے عیسائیوں نے جو مراعات حاصل کیں، وہ مذہبی رواداری کی شاندار مثال ہے، ٦ ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سینا

(١) سیرت ابن ہشام: ١٤٩/٤، امر الشاۃ المسمومہ۔
(٢) سیرت النبی: ٣٥٨/٢۔

پہاڑی کے عیسائی راہبوں کو جو سینٹ کیتھرائن کی خانقاہ میں رہتے تھے، بڑی مراعات دیں، اس معاہدے نامے میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کی طرف سے یہ ضمانت دی کہ عیسائیوں کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے گا، گرجے اور پادریوں کی رہائش گاہوں کی پوری حفاظت کی جائے گی، ان پر غیر ضروری اور نامناسب ٹیکس نہیں لگائے جائیں گے، کوئی بشپ اپنے منصب سے معزول نہیں کیا جائے گا، کسی بھی عیسائی کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کسی راہب کو اس کی خانقاہ سے نہیں نکالا جائے گا، عیسائیوں کے مقدس مقامات کا مسلمان احترام کریں گے، کسی بھی گرجا گھر کو منہدم نہیں کیا جائے گا نہ ہی مسجد میں تبدیل کیا جائے گا، یہاں تک رعایت آپ ﷺ نے دی کہ جو عیسائی عورتیں مسلمانوں کے نکاح میں ہیں، انھیں اپنے مذہب پر باقی رہنے کی مکمل آزادی حاصل رہے گی، ان پر مذہب بدلنے کا دباؤ نہ ڈالا جائے گا، اگر عیسائیوں کو ان کے گرجوں اور خانقاہوں اور دیگر مذہبی عمارتوں کی مرمت کے لئے امداد کی ضرورت ہوگی تو مسلمان مالی تعاون پیش کریں گے، ان شرائط کی خلاف ورزی اگر کوئی مسلمان کرے گا، تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔(۱)

اس چارٹر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عیسائیوں کے ساتھ کس قدر حسن سلوک کیا، مسلمانوں پر آپ نے خود اپنی نکاح میں آئی عورتوں کو تبدیلئ مذہب پر مجبور نہ کرنے کی شرط لگائی، اس سے بڑھ کر مذہبی رواداری کی مثال شاید تاریخ انسانی میں ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتی ہے۔

حاتم طائی کے بیٹے عدی اپنے عیسائی قبیلے کے سردار تھے، جب اسلامی فوجوں نے یمن پر حملہ کیا، تو یہ فرار ہو کر شام چلے گئے؛ لیکن ان کی بہن گرفتار ہو کر مدینہ منورہ آئیں، نبی کریم ﷺ نے ان کے مرتبے کا لحاظ کرتے ہوئے، بڑے ادب واحترام اور اعزاز کے ساتھ انھیں واپس کر دیا، وہ نبی کریم ﷺ کے اخلاق سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ اپنے بھائی کو مدینہ منورہ جانے پر مجبور کیا، اسی حسن اخلاق نے حضرت عدی کا دل موہ لیا اور انھوں نے خدمت اقدس میں آ کر اسلام قبول کیا۔(۲)

---

(۱) Ameer Ali, 1A Short histry of the Sar essence, P14, 15 بحوالہ اسلام میں مذہبی رواداری، سید صباح الدین عبدالرحمٰن، ط: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ، فروری ۱۹۸۷ء۔

(۲) سیرت ابن ہشام، اسلام عدی بن حاتم: ۱۷۵/۴، سیرت النبی: ۴۱/۲، ۴۲۔

عیسائیوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی مراعات ان کی دلداری، ہمدردانہ اور مشفقانہ سلوک اور رواداری کی ایک خوبصورت مثال وفد نجران کا واقعہ ہے۔

۹ھ ہجری نجران کے عیسائیوں کا وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس میں ساٹھ آدمی تھے، جن میں چودہ سرداران نجران بھی شامل تھے، چند پادری بھی شریک وفد تھے، جو اپنے علم وفضل کی وجہ سے عیسائی دنیا میں بڑی عزت وتکریم کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، اس وفد کو نبی کریم ﷺ نے مسجد نبوی میں اُتارا، جس وقت یہ مدینہ پہنچے تھے، نماز عصر ہو چکی تھی، کچھ دیر بعد ان کی نماز کا وقت آیا، تو انھوں نے مسجد نبوی ہی میں نماز پڑھنی چاہی، بعض صحابہؓ نے روکنا چاہا؛ لیکن آپ ﷺ نے صحابہؓ کو منع کیا اور انھوں نے مشرق کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کی، (۱) اس موقع پر نبی کریم ﷺ سے اس وفد نے متعدد سوال وجواب کئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات پر بحث کی، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

جب پورا جزیرۂ عرب آپ ﷺ کے زیر نگیں آ گیا اور آپ ﷺ کی حکومت کا دائرہ نجران تک پھیل چکا تھا، تو نبی ﷺ نے عیسائیوں کو جو رعایتیں دی، وہ یہ تھیں: نجران کے اطراف کے باشندوں کی جانیں، ان کا مذہب اور ان کے مال اور ان کی زمینیں، ان کے حاضر وغائب، ان کے قافلے، ان کے سفراء اور ان کی مورتیں اللہ اور اس کے رسول کی ضمانت میں ہیں، ان کی موجودہ حالت میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی اور نہ ان کے حق میں سے کسی حق پر دست درازی کی جائے گی اور نہ ہی ان کے بت توڑیں جائیں گے، کوئی راہب، کلیسا کا کوئی منتظم اپنے عہدے سے برخاست نہیں کیا جائے گا، جو بھی کم یا زیادہ اس کے قبضے میں ہے، وہ اسی طرح باقی رہیں گے، کسی سابقہ جرم یا خون کا بدلہ نہیں لیا جائے گا، ان سے فوجی خدمت نہیں لی جائے گی، ان پر عشر نہیں لگایا جائے گا، اسلامی فوج ان کی سرزمین کو پامال نہیں کرے گی، ان میں سے ہر شخص کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔ (۲)

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ایلہ کے عیسائیوں کو بھی بڑی مراعات دیں اور ان کے لئے امن وامان اور مذہبی آزادی کی ضمانت دی، اس معاہدہ کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ابن ہشام تحریر کرتے ہیں :

---

(۱) فتح الباری علامہ ابن حجر عسقلانی: ۸/۳۷، باب قصۃ نجران۔

(۲) فتوح البلدان، بلاذری: ۷۶، ط: مصر، کتاب الخراج امام ابو یوسفؒ۔

هذه امنة من الله و محمد النبی رسول الله لیحنه ابن روبه واهل ایله ، سفنهم و سیارتهم فی البر والبحر لهم ذمة الله و ذمة رسول الله ، ومن کا ن معه من اهل شام واهل الیمن و اهل البحر فمن أحدث منهم حدثا فأنه لا یحول ماله دون نفسه وأنه طیب لمن أخذه من الناس و أنه لا یحل أن یمنع مایرده ولا طریقا یریدونهم من بر او بحر ۔ (۱)

یہ امان ہے اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے یُحَنَّہ ابن رَوْ بَہ اور ایلہ والوں کے لئے ، ان کی کشتیوں اور ان کے قافلوں کے لئے خشکی اور تری میں، ان کے لئے اللہ اور محمد جو اس کے نبی ہیں کا ذمہ ہے اور یہ امان کا پروانہ ان کے اہل شام ، اہل یمن اور سمندر کے کنارے رہنے والے حلیفوں کے لئے بھی ہے تو ان میں سے جنھوں نے نئ بات پید کی (معاہدہ شکنی کی) تو اس کا مال لوگوں کے لئے جائز ہوجائے گا اور اہل ایلہ و یُحَنَّہ ابن رَوْ بَہ کسی کو پانی لینے سے منع نہ کریں اور جن راستوں پر وہ سفر کرتے ہیں ان پر چلنے سے کسی کو منع نہ کریں، خواہ یہ راستے خشکی کے ہوں یا پانی کے۔

نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک، ان کی عزت نفس کا خیال، مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے مذہبی معتقدات ونظریات کے احترام، ان کی مذہبی آزادی، ان کے رسم ورواج کی آزادی کی نہ صرف تعلیم دی؛ بلکہ اس پر عمل کر کے دکھایا۔

ایک دفعہ آپ کے سامنے سے ایک جنازہ گذرا، تو آپ ﷺ اس جنازے کے احترام میں کھڑے ہو گئے، کسی نے عرض کیا کہ حضرت یہ یہودی کا جنازہ ہے، تو آپ نے فرمایا کیا یہودی کو جان نہیں ہوتی ؟(۲)

---

(۱) سیرت ابن ہشام: ۱۴۹/۴۔

(۲) مسلم، حدیث نمبر: ۹۶۱، بخاری، حدیث نمبر: ۱۳۱۲۔

سفیروں کے ساتھ سلوک

دورِ جاہلیت میں سفیروں کا قتل کر دینا عام سی بات تھی، آج کی طرح سفیروں کے لئے کوئی خاص پروٹوکول (Protocol) نہیں تھا، پہلی مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ہی سفیروں کے لئے خاص قانون وضع کیا اور ان کے قتل کی ممانعت فرمائی، مسیلمہ کذاب جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اس کا سفیر آپ ﷺ کے پاس آیا، مسیلمہ کذاب کے سفیر نے آپ سے بڑی گستاخانہ گفتگو کی؛ لیکن آپ ﷺ نے اس سے درگذر فرمایا اور صرف اتنا کہا کہ اگر سفیروں کا قتل ممنوع نہ ہوتا، تو میں تمہاری گردن اُڑا دیتا۔

قوانین جنگ وصلح میں رواداری

جنگ وصلح کا جو قانون نبی کریم ﷺ نے وضع کیا ہے، اس پر بجا طور پر دنیا فخر کر سکتی ہے، جنگوں کی ریت رہی ہے کہ دشمن کو تباہ و برباد کر دیا جائے، ان کے لئے رحم کا لفظ بھی فاتحین مملکت کو گوارہ نہیں ہے، بس جنگی کامیابی کی دلیل یہی ہے کہ دشمن کی ہر چیز فنا کے گھاٹ اُتار دی جاتی، عزتیں پامال کرنا، بچوں کو تڑپتی ہوئی لاش میں تبدیل کر دینا، جنگوں کی روایت رہی ہے؛ لیکن نبی کریم ﷺ کے کرم ورحمت نے جنگوں کو بھی تہذیب عطا کیا اور یہ جنگیں مفتوحہ علاقوں اور قوموں کے لیے رحمت بن گئیں، اسلام کے قانونِ جنگ میں دشمنوں کے ساتھ حسن وسلوک، رواداری، محبت وشفقت اور انسانیت کا احترام کس قدر ملحوظ رکھا گیا ہے، اس پر ایک طائرانہ نظر اس پر ڈال لینا نامناسب نہیں ہوگا۔

(۱) زیادتی کرنے والوں سے جنگ کی جائے۔(۱)

(۲) جو لوگ دین کے بارے میں لڑیں ان سے بھی لڑائی کی جائے، جو لوگ گھروں سے نکال باہر کریں، ان سے اور ان کی مدد کرنے والوں سے بھی جنگ کی جائے۔(۲)

(۳) رسول اکرم ﷺ کسی مہم پر فوج روانہ فرماتے تو سردار لشکر کو چند حکم دیتے، ان میں ایک لازمی حکم یہ تھا کہ کسی بوڑھے، کسی بچے یا کسی عورت کو قتل نہ کیا جائے۔(۳)

---

(۱) الحجرات:۸۔ (۲) الممتحنہ، رکوع:۲۔

(۳) ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی دعاء المشرکین، سیرت النبی:۱/۶۰۸۔

(۴) جب دشمنوں سے لڑائی ہو، تو لشکر کی صفیں سیسہ پلائی ہوئی دیواروں کی طرح ہوں، (۱) اس سے یہ مراد ہے کہ صف آرائی میں پوری تنظیم ہو، تال میل میں کوئی کسر نہ ہو، عقیدے اور مقصد میں اتحاد ہو، سرفروشی اور جانبازی کا پورا جذبہ ہو۔

(۵) جنگ کے موقع پر دشمنوں کے علاقے میں جو تخریبی کارروائی کی جائے، اس کو فساد فی الارض سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ (۲)

(۶) جنگ کے زمانہ یا فتح کے بعد زمینوں، فصلوں اور نسلوں کو تباہ کرنا کسی حال میں جائز نہیں۔ (۳)

(۷) دوران جنگ دشمن کے مال اور خاندان کو لوٹنے کی سخت ممانعت کی گئی، آپ ﷺ نے یہ منادی کر رکھی تھی کہ جنگ کے موقع پر، جو دوسرں کے گھروں میں جا کر ان کے رہنے والوں کو تنگ کرے یا لوٹے مارے، تو اس کا جہاد قبول نہیں کیا جائے گا، (۴) یہ بھی فرمایا کہ جو شخص محض لوٹ مار کر کے مال غنیمت حاصل کرنے کی خاطر جہاد کرتا ہے، اس کو کوئی ثواب نہیں ملے گا، جہاد اس شخص کا ہے جو اس لئے کرتا ہے کہ اللہ کے کلمہ کا بول بالا ہو، (۵) ایک دفعہ ایک لڑائی میں صحابہ انتہائی تنگ حالی میں مبتلا ہو گئے، فاقہ کی نوبت آ گئی، بکریوں کا ایک ریوڑ نظر آیا، تو سب اس پر ٹوٹ پڑے، بکریوں کو ذبح کر کے گوشت پکانا شروع کیا، تو آپ ﷺ تشریف لائے اور اپنی کمان سے گوشت کی ہانڈی اُلٹ دی اور فرمایا لوٹ کا مال مردار گوشت کے برابر ہے۔ (۶)

(۸) مقتولوں کا سر کاٹ کر گشت کرانے یا دشمن کو گرفتار کر کے کسی چیز سے باندھ کر اس کو تیروں کا نشانہ بنانے یا تلوار سے قتل کرنے کی سخت ممانعت کی گئی۔ (۷)

---

(۱) سورۃ الصّف رکوع:۱۔

(۲) سورۃ الحشر، آیت:۵۔

(۳) سورۃ البقرۃ آیت:۲۰۵۔

(۴) ابوداؤد، کتاب الجہاد:۱/ ۳۵۲، سیرت النبی:۱/ ۶۱۲۔

(۵) بخاری، کتاب الجہاد، باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا، سیرت النبی:۱/ ۶۱۵۔

(۶) ابوداؤد، کتاب الجہاد:۲، باب فی النہی عن النہی، اذا کان فی الطعام قلۃ، نیز دیکھئے: سیرت النبی:۱/ ۶۱۰۔

(۷) المبسوط للسرخسی۔

(۹) جب دشمنوں سے مڈھ بھیڑ ہو، تو پہلا کام ان سے لڑ کر ان کو کچل کر رکھ دینا ہے، اس کے بعد قیدیوں پر مضبوطی سے قبضہ کر لینا ہے، (۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے دشمن کی جنگی طاقت توڑ دی جائے، پھر ان کے آدمیوں کو گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے۔

(۱۰) جنگ میں جو لوگ گرفتار ہوں، ان کے لئے اختیار دیا گیا ہے کہ ان پر احسان کیا جائے، یا ان سے فدیہ لیا جائے؛ لیکن ان کو قتل نہ کیا جائے، ایک بار چند قیدیوں کے قتل کئے جانے کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ملی، تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں مرغ کو بھی اس طرح مارنا جائز نہیں رکھتا۔ (۲)

ایک قیدی سہیل بن عمرو بڑا آتش بیان مقرر تھا، آپ ﷺ کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا، جب وہ قیدی بنا کر لایا گیا، تو آپ ﷺ سے کہا گیا، اس کے دانت توڑ دیئے جائیں، یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں اس کے دانت توڑ وادوں تو اللہ تعالیٰ میرے دانت توڑ دے گا، اگر چہ میں نبی ہوں، (۳) یمامہ کے سردار ثمامہ بن اثال جب گرفتار ہو کر آئے، تو حضور اکرم ﷺ کے حکم سے ان کو عمدہ کھانا اور دُودھ برابر دیا جاتا رہا، (۴) جنگ کے بدر کے قیدیوں کو رسول ﷺ نے مختلف صحابیوں کے سپرد کیا اور حسن سلوک کی تاکید فرمائی کہ ان کو کھانے پینے کی تکلیف نہ ہو؛ چنانچہ صحابہ خود کھجوریں کھا لیتے؛ لیکن قیدیوں کو پورا کھانا کھلاتے، حبش کی جنگ کے چھ ہزار قیدیوں کو آپ نے کپڑے کے چھ ہزار جوڑے دیئے، ذی قرد کی جھڑپ کے موقع پر حضرت سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ میں دشمنوں کو پیاسا چھوڑ کر آیا ہوں، اگر سو آدمی مل جائے، تو ایک ایک کو گرفتار کر لاتا ہوں، آپ ﷺ نے رحمت عام کے لحاظ سے فرمایا، قابو پا جاؤ، تو عفو و درگذر سے کام لینا۔ (۵)

---

(۱) سورۃ محمد، آیت: ۴۔

(۲) ابوداؤد: ۲/۱۰۔

(۳) تہذیب سیرت ابن ہشام: ۱۶۹-۱۷۰، ط: بیروت، ۱۳۷۴ھ۔

(۴) سیرت بن ہشام: ۲/۳۱۴، مصری ایڈیشن۔

(۵) سیرت النبی: ۱/۴۷۹۔

نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں منافقوں کا ایک بڑا گروہ بھی تیار ہو گیا، جو ہر وقت آپ کے درپے آزار رہتا تھا، مسلمانوں کی کھلیاں اُڑانا، ان پر پھبتیاں کسنا، ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا، اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف یہود اور مشرکین کو ورغلانا اور سازشیں رچا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں منافقوں کی شرارتوں، بدکرداریوں، ان کے دلوں کی کینہ کپٹ، بغض و عداوت اور اسلام کے تئیں ان کی نفرت کا ذکر متعدد مقامات پر کیا ہے، نبی اکرم ﷺ کو ان منافقوں کی شناخت معلوم تھی؛ لیکن اس کے باوجود آپ ہمیشہ ان کو طرح دیتے رہے، اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے ان کے ساتھ عفو درگذر کا معاملہ کرتے تھے، منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کے بیٹے حضرت عبداللہ —— جو آپ کے جانثاروں میں تھے —— نے ایک موقع پر اپنے باپ کو قتل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے منع فرما دیا، بعض صحابہ نے منافقوں کو قتل کرنے کی تجویز دی، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''لوگ کیا کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں'' ہمیشہ ہی نبی ﷺ ان منافقوں کو معاف کرتے رہے اور مثالی رواداری کا مظاہرہ کرتے رہے۔

غرض کہ نبی کریم ﷺ نے مذہبی رواداری، برداشت اور عفو درگذر کا جو اُسوہ چھوڑا ہے وہ پوری انسانیت کے لئے مشعل راہ ہے، اگر دنیا نبی اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے اُصولوں اور آپ کی زندگی کو آئیڈیل بنائے تو دنیا سے عدم رواداری ختم کی جاسکتی ہے، مختلف مذاہب کے درمیان جو خلیج حائل ہے وہ دُور کی جاسکتی ہے اور دلوں کی دوریاں نزدیکیوں میں تبدیل ہو سکتی ہیں۔

دشمنوں پر رحم، مظلومی میں صبر، مقابلے میں عزم، معاملے میں راست بازی، طاقت واختیار میں عفو درگذر اور رواداری انسانی تاریخ کے وہ نوادر ہیں جو کسی ایک کی زندگی میں اس طرح کبھی جمع نہیں ہوئے، آپ کی ذات کے علاوہ تاریخ انسانی ایک بھی نام پیش نہیں کرسکتی، برطانوی مصنفہ کارین آرم اسٹرانگ (Karen Arm Strang) اپنی کتاب Mohammed A western Attamp to understanding Islam میں اس تاریخی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتی ہیں :

> Mohammad.....found a religion and a tradition
> that was not based cultural on the sword

despite the western myth and whose name Islam signifies peace and reconciliation . (۱)

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسے مذہب اور تہذیب کے بانی تھے جس کی بنیاد تلوار پر نہ تھی ظ مغربی پروپیگنڈے اور افسانہ کے باوجود اسلام کا نام امن (رواداری) اور صلح کا مفہوم رکھنے والا ہے۔

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دُعائیں دیں

الحمد للہ اولاً واٰخراً لا اخیرا وصلی اللہ علی النبی الکریم ۔

● ● ●

(۱) Mohammed A western Attamp to understanding Islam:266

سلسلۂ رسائل سیرت

۱۰

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور معاشرہ کا کمزور طبقہ

مولانا اشرف علی قاسمی

ناشر

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

پیش لفظ

قرآن مجید نے اپنے لانے والے کی جو تصویر پیش کی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عالم کے لئے رحمت ہیں، نہ آپ کی رحمت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے، نہ عربوں کے ساتھ، نہ کسی خاص رنگ ونسل کے لوگوں کے ساتھ؛ یہاں تک کہ آپ کی رحمت وشفقت بنی نوع انسان تک بھی محدود نہیں ہے؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری مخلوقات کے ساتھ بھی رحم وکرم کی تعلیم دی ہے؛ مگر افسوس کہ غیر مسلم بھائی سیرت محمدی کے اس پہلو سے واقف نہیں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ صرف مسلمانوں کے پیغمبر اور محسن ہیں، مغربی مصنفین اگر بہت مہربان ہوں تو زیادہ سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عربوں کا نبی قرار دیتے ہیں۔

اسی پس منظر میں سہ روزہ بین الاقوامی سیرت نبوی سیمینار — جو ۱۲-۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق: ۲۱-۲۳/ فروری ۲۰۱۶ء کو المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں منعقد ہورہا ہے — کی مناسبت سے ۱۶/ رسائل کی ترتیب کا منصوبہ بنایا گیا، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمہ گیر رحمۃ للعالمینی کو پیش کیا جائے اور برادرانِ وطن کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحیح تعارف کرایا جائے، کوشش کی گئی ہے کہ یہ رسائل مختصر ہوں، زبان آسان ہو اور ہر بات معتبر حوالہ سے کہی جائے، انشاء اللہ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ تک کوشش کی جائے گی کہ انگریزی اور ہندوستان کی تمام علاقائی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوجائے اور اسے بڑی تعداد میں برادرانِ وطن تک پہنچایا جائے۔

اسی سلسلہ کا ایک حصہ یہ رسالہ ''پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور معاشرہ کا کمزور طبقہ'' ہے، جس کو جناب مولانا اشرف علی قاسمی (استاذ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد) نے مرتب کیا ہے — **فجزاه الله خير الجزاء** — دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اس کے مقصد کے اعتبار سے مفید بنائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعارف کی جو ذمہ داری اس اُمت پر ہے، اس کا کوئی حصہ اس کوشش کے ذریعہ ادا ہوسکے، **ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم**۔

۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
۲۱/ فروری ۲۰۱۶ء

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انسانی سماج میں کچھ ایسے بچے بھی مل جائیں گے جو شفقت پدری سے محروم ہیں، جن کے سر سے والد کا سایہ اُٹھ چکا ہے، عہد نبوی سے قبل — جس کو زمانۂ جاہلیت کہا جاتا ہے — میں روزمرہ کی قتل و غارت گری اور بد امنی کی وجہ سے یتیموں کی کثرت تھی؛ لیکن ان کی ذہنی وفکری اور اخلاقی ومذہبی تربیت کا کوئی انتظام تو دُور کی بات ہے تصور تک نہیں تھا، والد کی متروکہ جائداد پر دوسرے رشتہ دار زبردستی قبضہ کر لیتے تھے، مالِ مفت سمجھ کر جتنا جلد ہو سکے، اس پر قبضہ کر لیتے، یتیموں کو بے یار ومددگار چھوڑ دیتے، بڑے ہونے پر شادی بیاہ کی فکر کرنے والا کوئی نہ ہوتا، قرآن کریم نے ان کی اس سنگ دلی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا :

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ، فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۔ (١)

کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو روزِ جزا کا انکار کرتا ہے، تو یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔

بعض لوگ ایسا کرتے تھے کہ یتیم کا مال جتنا جلد ہو سکے، ختم کرنے کے لئے جلد سے جلد اسراف کے ساتھ مال خرچ کرتے؛ چنانچہ قرآن کہتا ہے :

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ، وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ، وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ، وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا۔ (٢)

ہرگز نہیں؛ بلکہ تم لوگ یتیموں کی عزت نہیں کرتے اور مسکینوں کے کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے اور (مُردوں) کی میراث سمیٹ سمیٹ کر کھاتے ہو اور مال کو جی بھر کر عزیز رکھتے ہو۔

---

(١) الماعون: ١-٢۔

(٢) الفجر: ١٧-٢٠۔

غرض کہ ہرطرف انسانیت کے اس کمزور طبقہ کے مفاد کا خیال رکھنے والا کوئی نہ تھا؛ بلکہ اُلٹا ان کی کمزوری و بے سہارگی کا غلط فائدہ اُٹھاتے ہوئے دُور کے رشتہ دار تو دُور کے ہوتے ہیں، ان کے مفاد کا خیال وہ کہاں سے رکھتے ؟ قریب کے رشتہ دار — جن سے ان بے سہارا و بے یار و مددگار طبقہ کے بارے میں کچھ ہمدردی و شفقت اور نصرت وحمایت کی بجا توقع ہوتی ہے — بھی ''مالِ مفت دلِ بے رحم'' کے مصداق بے رحمی کے ساتھ مال پر قابض ہوجاتے، اوران کی بے مائگی و بے سہارگی کی وجہ سے ان کا مال ہڑپ کر جاتے، عربوں میں تو یہ ظالمانہ و جابرانہ قانون تھا کہ جوتلوار اُٹھا سکے اور میدانِ جنگ میں دادشجاعت دے سکے، وہی میراث کا مستحق ہوتا تھا؛ چوں کہ عورتیں اس معیار پر کھڑا نہیں اُتر سکتی تھیں، اس لئے بچوں کے مقابلہ عورتیں اس ظالمانہ قانون کی بہت شکار ہوتی تھیں اوراسلام کے آنے تک یہ ظالمانہ سلسلہ چلتا رہا۔

جب اسلام کا آفتاب عالم تاب طلوع ہوا اور قدرت خداوندی دیکھئے کہ اسلام کے طلوع آفتاب کا ذریعہ ایسی ذات اقدس کو بنایا جن کے ظہورقدسی سے قبل ہی والد کا سایہ اُٹھ جاتا ہے، چھ ماہ بعد ہی والدہ محترمہ کا بھی انتقال ہوجاتا ہے اوراس دریتیم کی پرورش و پرداخت دادا کے ذریعہ اور پھر چچا کے ذریعہ ہوتی ہے، قرآن کریم میں اللہ پاک نے ان مصائب کو اور پھر اپنے احسانات کو ذکر کیا ہے :

> اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ، وَوَجَدَكَ ضَآ لًّا فَهَدٰی ، وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ، فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۔ (الضحیٰ:۶-۹)
>
> کیااس نے آپ کو یتیم نہیں پایا؟ پھر بھی ٹھکانہ دیا، آپ کو راستہ سے ناواقف پایا پھر راستہ دکھایا، آپ کو غریب پایا اور دولت مند کردیا، تو یتیم پر سختی نہ کیجئے۔

ظاہر ہے کہ یتیمی کا احساس اور یتیمی کے درد کی چبھن اس شخص کے علاوہ کس کو صحیح طور پر محسوس ہوسکتی ہے، جسے خود یتیمی کی کڑی دُھوپ میں جھلسنا پڑا اور ماں باپ کی محرومی کی تمازت جھیلنی پڑی ہو، اسی لئے آپ ﷺ کی تعلیم میں اوراسلام کے نظام حیات میں جو اہمیت وفضیلت اور ترغیب وتحریص، یتیموں کی پرورش کے بارے میں ہے، وہ دنیا کے کسی مذہبی فرماں روا اور مذہبی شخصیت کی تعلیم میں نہیں ملے گی۔

آج دنیالاکھ دارالایتام (Orphan House) بنالے، دارالمعمرین کا انتظام کرے؛ لیکن اپنے کمزوروں اور ضعیفوں کے استحصالی زمانہ میں ان کے حق میں آواز اُٹھانا آسان کام نہیں تھا اور پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کے حق میں نہ صرف آواز اُٹھائی ؛ بلکہ ممکن طور پر آپ ﷺ نے یتیموں کی دستگیری کی اور ان پر دست شفقت پھیرا۔

یتیم کی نگہداشت سے جنت میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت

اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا : میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح (قریب قریب) ہوں گے اور آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت اور بیچ والی انگلی سے اشارہ اور ان کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھ کر فرمایا ، (۱) مطلب یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کلمہ والی انگلی اور اس کے برابر والی انگلی اس طرح اُٹھایا کہ ان کے درمیان فاصلہ رکھ کر بتلایا کہ جتنا تھوڑا فاصلہ تم میری ان دو انگلی کے درمیان دیکھتے ہو، بس اتنا ہی فرق جنت میں میرے اور اس مردمومن کے مقام میں ہوگا، جو اللہ کے لئے اس دنیا میں کسی یتیم کی کفالت اور پرورش کا بوجھ اُٹھائے ، چاہے یتیم وہ اپنا ہو یا پرایا ہو، اس کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق ہو یا نہ ہو۔(۲)

یتیم کی کفالت سے جنت میں داخلہ

یتیم کی کفالت کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے جنت کی بشارت دی ہے؛ چنانچہ ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے جس مومن بندے نے کسی یتیم بچے کو گود لے لیا، اپنے کھانے پینے میں شریک کرلیا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں ضرور داخل فرمائیں گے، بشرطیکہ کوئی ایسا گناہ نہ کیا ہو، جو اللہ کے یہاں ناقابل معافی ہیں، جیسے شرک وکفر یا قتل ناحق ہو۔(۳)

اس حدیث شریف میں آپ ﷺ نے یتیم کی کفالت پر جنت کی بشارت کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ آدمی ایسے گناہ کا عادی نہ ہو جو اللہ کے نزدیک ناقابل معافی ہو، جیسے شرک وکفر اور ناحق خون وغیرہ ، اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن واحادیث میں فضیلت وبشارت کی جتنی حدیثیں آتی ہیں، ہر ایک کے لئے بنیادی شرط ہے کہ ناقابل معافی گناہ کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو۔

---

(۱) ترمذی، حدیث نمبر: ۲۰۴۲۔ (۲) معارف الحدیث: ۱۰۶/۶۔

(۳) ترمذی، حدیث نمبر: ۲۰۴۱۔

یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا

حضرت ابواُمامہؓ کی ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ صرف اللہ کو خوش کرنے کے لئے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا تو سر کے جتنے بال پر ہاتھ لگایا، اتنی نیکیاں لکھی جائیں گی،(۱) گویا یتیم کے ساتھ حسن سلوک خالصتاً لوجہ اللہ ہو، کوئی دنیوی مفاد پیش نظر نہ ہو تو اس کے لئے اتنی نیکیاں لکھی جائیں گی، جتنے بالوں پر اس نے دستِ شفقت رکھا ہے۔

جس گھر میں یتیم ہو، وہ سب سے بہتر

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ گھرانہ سب سے بہترین ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ بہتر سلوک کیا جاتا ہو اور سب سے بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ بُرا سلوک کیا جاتا ہو۔(۲)

اس طرح آپ ﷺ نے یتیم کے کسی گھر میں ہونے کو گھر میں خیر و برکت کی دلیل فرمایا اور گھر میں اس کے نہ ہونے کو نامسعود فرمایا۔

دل کی سختی کا روحانی علاج

یتیموں کے ساتھ شفقت و ہمدردی اس بات کی علامت ہے کہ انسان میں دردمندی کا اور رحمت وشفقت کا جذبہ موجود ہے، اگر کسی کا دل اس عظیم صفت سے خالی ہو، دل سخت ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ کسی یتیم کے سر پر دست شفقت پھیرے، دل کی سختی وقساوت دُور ہو جائے گی؛ چنانچہ ایک حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دل کی سختی کی شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکینوں اور حاجت مندوں کو کھانا کھلایا کرو۔(۳)

چنانچہ اس تعلیم نے عربوں کی کایا پلٹ دی، وہ دل جو یتیموں اور مجبوروں، بے کسوں کے سلسلہ میں زیادہ سخت تھے، موم سے زیادہ نرم ہو گئے اور ہر صحابی کا گھر یتیم خانہ ہو گیا، ایک ایک یتیم کی پرورش کے لئے کئی کئی ہاتھ بڑھنے لگے اور ہر صحابی یتیم کی پرورش کے لئے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۲۲۰۷۔ (۲) ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۳۸۱۰۔

(۳) مسند احمد، حدیث نمبر: ۹۰۱۸۔

چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کسی یتیم کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے،(۱) حضرت عائشہؓ کے بارے میں مؤطا امام مالک میں ہے وہ اپنے خاندان اور انصار وغیرہ کی یتیم لڑکیوں کو اپنے گھر لا کر پرورش کرتی تھیں۔(۲)

صحابہ کرام یتیموں کی پرورش ہی نہیں کرتے تھے؛ بلکہ مختلف طریقوں سے ان کی امداد اور دستگیری کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک یتیم نے آپ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص پر ایک نخلستان کا دعویٰ کیا، مگر اس کا ثبوت پیش نہ کر سکا، اس لئے آپ ﷺ نے مدعا علیہ سے فرمایا کہ تم یہ نخلستان اس کو دے دو، اللہ تم کو اس کے بدلہ میں جنت دے گا، وہ اس کے لئے آمادہ نہ ہوا، ایک صحابی حضرت ابوالدحداحؓ موجود تھے انھوں نے اس شخص سے کہا کہ تم اس نخلستان کو میرے نخلستان سے بدل سکتے ہو، وہ تیار ہو گیا، حضرت ابوالدحداحؓ نے اس کا نخلستان اپنے نخلستان سے بدل کر یتیم کے حوالہ کر دیا۔(۳)

مال کی حفاظت ونگرانی

جیسے ہی یتیم باپ کے سایۂ شفقت سے محروم ہوتا، زمانۂ جاہلیت میں اس کے باپ کے رشتہ دار اس کے مال پر قبضہ کر لیتے اور آج بھی تقریباً یہی کیفیت جاہلانہ سماج میں موجود ہے، رسول اللہ ﷺ کی رحمت وشفقت دیکھئے کہ اولیاء کو اس سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ یتیموں کے مال ان کے حوالہ کر دیں، اس میں کسی قسم کا ناجائز تصرف نہ کریں، قرآن کریم میں صاف اور واضح ہدایت ہے کہ :

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۔ (نساء:۲)

اور یتیموں کا مال ان کے حوالہ کر دو، ان کے اچھے مال کو اپنے بُرے مال سے نہ بدلو اور نہ ان کے مال میں اپنا مال ملا کر کھاؤ، یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

یہاں تک کہ یتیم کے مال کھانے کو آگ کا انگارہ کھانے کی وعید سنائی گئی اور فرمایا گیا کہ یہ لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے :

---

(۱) ادب المفرد، باب فضل من یعول یتیماً من بین ابویہ، حدیث نمبر: ۱۳۴۔

(۲) مؤطا امام مالک، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۵۸۶۔

(۳) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ذکر ابوالدحداح: ۴/۱۶۴۵۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا۔ (۱)

جو لوگ ظلماً یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں ، وہ دراصل آگ کا انگارہ کھا رہے ہیں اور وہ عنقریب دوزخ میں جائیں گے۔

اور کتنے ہی لوگ مال محفوظ تو رکھتے ہیں؛ لیکن اس ڈر سے کہ بڑے ہو جائیں گے تو یہ ہم سے مال کا مطالبہ کرنے لگیں گے، جلدی جلدی ان کی ذات پر خرچ کرتے ہیں، اس سے بھی منع فرمایا گیا: ''لَا تَأْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا''۔(۲)

مال کی نگرانی کا معاوضہ

رہ گئی یہ بات کہ یتیم اور اس کے مال کی نگرانی کا معاوضہ اور حق الخدمت، یتیم کے مال سے لیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ اہم مسئلہ تھا، قرآن نے اس سلسلہ میں صاف صراحت کردی کہ جو سرپرست مالدار ہو، خود کفیل ہو، اس کو یتیم کے مال سے بچنا چاہئے اور جو محتاج ہو وہ دستور کے مطابق لے سکتا ہے۔(۳)

یتیم لڑکیوں کی شادی

اس بے سہارا طبقہ کے ساتھ ایک بڑا ظلم یہ بھی تھا کہ بعض اولیاء خود ہی دولت مند یتیم لڑکیوں سے شادی کر لیتے تھے اور ان کے ساتھ بدسلوکی کرتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ اس بدسلوکی کے پس پردہ یہی جرأت کارفرما تھی کہ اس بدسلوکی و ناانصافی پر کون گرفت کرے گا؟

رسول اکرم ﷺ کے ذریعہ قرآن نے اس غلط سوچ کی تردید کی اور کہا کہ اگر تم ان یتیموں کو انصاف کے ساتھ نہیں رکھ سکتے اور اندیشہ ہو کہ ان کے بے سہارا ہونے کی وجہ سے تم سے ظلم و ناانصافی سرزد ہو سکتی ہے، تو پھر ان کے علاوہ دوسری غیر یتیم عورتوں سے نکاح کرلو کہ اس میں ان کے والدین اور رشتہ داروں کے خوف کی وجہ سے ناانصافی کے امکانات کم سے کم رہیں گے :

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ۔ (۴)

---

(۱) النساء:۱۰۔ (۲) النساء:۶۔ (۳) النساء:۹۔ (۴) النساء:۳۔

اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکو گے
(تو ان کو چھوڑ کر) دوسری عورتوں سے شادی کرو۔

مالِ غنیمت میں یتیموں کا حصہ

اسلام نے محض پرورش و پرداخت کی ہی ترغیب نہیں دی؛ بلکہ فئے اور مالِ غنیمت میں یتیموں کا حصہ مقرر کیا؛ چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے :

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ
وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۔ (۱)

اور مسلمانو! جان لو کہ تم کو جنگ میں سے جو مال غنیمت حاصل ہوا، اس کا
پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے اور قرابت داروں اور یتیموں،
محتاجوں اور مسافروں کا ہے۔

یتیم خانہ

اسلامی بیت المال میں دوسرے ابواب خیر کے ساتھ یتیموں کی امداد کے لئے بھی ایک مد رکھی گئی، اسلامی حکومتوں نے اس کے لئے مستقل یتیم خانے قائم کئے، جن میں یتیموں کی پرورش اور نگہداشت کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیم وتربیت کا پورا پورا انتظام ہوتا تھا۔

سب سے پہلے یتیم خانہ کی تعمیر

اس سلسلہ میں کسی اور مذہب کے پیروکاروں کو نہیں؛ بلکہ اسلام کے پیروکار کو ہی سب سے پہلے یتیم خانہ کی تعمیر کا کریڈٹ جاتا ہے، اس کے بعد اس کا سلسلہ برابر قائم رہا، ہر اسلامی حکومت میں یتیم خانہ ضرور ہوتا تھا، اور کتنے ہی اصحاب خیر تھے، جنھوں نے ذاتی یتیم خانہ قائم کر رکھا تھا، جو اس کے علاوہ تھے، ان کے لئے وہ بڑی بڑی جائدادیں وقف کرتے تھے — دیکھا جائے تو یتیم خانوں کی تعمیر و بنیاد درحقیقت مسلمانوں نے رکھی، جس کی تقلید دوسری قوموں اور حکومتوں نے کیا ہے، ان سے پہلے اس کی مثال نہیں ملتی۔ (۲)

---

(۱) الانفال: ۴۱۔ (۲) دین رحمت: ۱۵۴۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں :

آج دنیا کے شہر شہر میں یتیم خانے قائم ہیں، مگر اگر یہ سوال کیا جائے، کیا محمد رسول اللہ (ﷺ) سے پہلے بھی یہ بدقسمت گروہ اس نعمت سے نا آشنا تھا، تو تاریخ کی زبان سے جواب نفی میں ملے گا، اسلام پہلا مذہب ہے جس نے اس مظلوم فرقہ کی دادرسی کی، عرب پہلی سرزمین ہے، جہاں کسی یتیم خانہ کی بنیاد پڑی اور اسلام کی حکومت دنیا کی پہلی حکومت ہے جس نے اس ذمہ داری کو محسوس کیا، عرب، مصر، شام، عراق، ہندوستان، جہاں جہاں مسلمانوں نے اپنی حکومت کی بنیادیں ڈالیں، ساتھ ساتھ ان مظلوموں کے لئے بھی امن و راحت کے گھر بنوائے، ان کے لئے وظیفہ مقرر کئے، مکتب قائم کئے، جائدادیں وقف کیں اور دنیا میں ایک نئے انسٹی ٹیوشن کی طرح ڈالی اور قانوناً قاضیوں کا یہ فرض قرار دیا کہ وہ بے والی وسرپرست یتیموں کے سرپرست ہوں، ان کی جائدادوں کی نگرانی، ان کے معاملات کی دیکھ بھال اور ان کی شادی بیاہ کا انتظام کریں اور یہ وہ دستور ہے جس کی پیروی آج یورپ کے ملکوں میں کی جاتی ہے اور لندن کے لارڈ میر یا آفس آرٹ کے حکام مسلمان قاضیوں کے ان فرائض کی نقل کرتے ہیں۔(۱)

بیواؤں کے حقوق کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی تعلیمات

انسانی معاشرہ میں یتیموں کی طرح ایک مجبور اور کمزور طبقہ ان افراد کا بھی ہے، جن کو اللہ نے شوہر کے سایہ سے محروم کردیا ہے، ان کو بیوہ کہتے ہیں، بیواؤں کے حقوق کے سلسلہ میں دنیا کے دوسرے مذاہب میں عجیب وغریب تعلیمات ملتی ہیں، یہودی مذہب میں بیوہ عورت شوہر کے انتقال کے بعد شوہر کے دوسرے بھائی کی ملک ہوجاتی تھی، وہ جیسا چاہتا اس کے ساتھ سلوک کرتا، عیسائی مذہب میں گوکہ قانون نہیں تھا؛ لیکن کوئی صاف اور واضح حکم بھی ان کے بارے میں موجود نہیں ہے، آج کے خودغرض ماحول میں ایسی بے آسرا عورتوں کو سہارا ملنا مشکل ہوتا ہے، بالخصوص ہندوستان میں

(۱) سیرت النبی:۶/ ۱۴۴۔

کہ جہاں برادرانِ وطن کے ساتھ معاشرتی اختلاط کے نتیجہ میں تہذیبی اثرات قبول کرنے کی وجہ سے بیواؤں کے نکاح کا مسئلہ سنگین صورت اختیار کر گیا ہے؛ جب کہ اسلام نے نصیحت کے انداز میں نہیں؛ بلکہ صریحاً حکم کے انداز میں بیواؤں کا نکاح کرانے کا حکم دیا ہے: ''وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ''(۱) (اور اپنے میں سے بے شوہر عورتوں کا نکاح کر دو)۔

اور قربان جایئے پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات اقدس پر کہ اس حکم کے اُترنے سے پہلے؛ بلکہ نبوت سے پہلے اس کمزور اور قابل رحم طبقہ کی مدد کی طرف آپ ﷺ نے توجہ فرمائی اور اوجِ شباب کے زمانہ میں، اپنی عمر کے پچیسویں برس میں چالیس سال کی ایک ادھیڑ عمر خاتون سے عقد فرمایا، اور پچیس برس تک ان کے ساتھ کامل رفاقت اختیار فرمائی اور جب تک وہ حیات سے رہیں، کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا، ان کی وفات کے بعد دس عورتوں سے نکاح کیا، جن میں سے آٹھ (حضرت سودہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت زینبؓ، حضرت اُم المساکینؓ، حضرت اُم سلمہؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ، اور حضرت صفیہؓ) بیوہ تھیں، جن کی کفالت کا بار آپ ﷺ نے اپنے دوش مبارک پر اُٹھایا اور اپنے پیروکاروں کے سامنے اس کے لئے عملی نمونہ پیش فرمایا — نہ صرف عملی نمونہ بلکہ اپنے ارشادات کے ذریعہ بھی اس مظلوم طبقہ کی امداد کی ترغیب دلائی؛ چنانچہ فرمایا :

الساعی علی الارملة والمساکین ، کالمجاھد فی سبیل الله
او کالذی یصوم النھار ویقوم اللیل ۔ (۲)

بیوہ اور مساکین کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا یا اس کی طرح ہے جو دن میں روزہ رہتا ہے اور رات کو نماز پڑھتا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے :

الساعی علی الارملة والمساکین کالمجاھد فی سبیل الله
واحسبه قال : یشک القعنبی کالقائم لا یفتر وکالصائم
لا یفطر ۔ (۳)

---

(۱) النور:۳۲۔ (۲) بخاری، حدیث نمبر:۶۰۰۶۔
(۳) بخاری، ۶۰۰۷۔

بیوہ اور غریب کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا ، خدا کی راہ میں جہاد
کرنے والے کی طرح ہے (راوی کہتا ہے) میں گمان کرتا ہوں کہ
آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ ایسے نمازی کی طرح ہے جو نماز سے
نہیں تھکتا اور ایسے روزہ دار کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے بیوہ عورتوں کو جو حقوق عطا فرمائے، وہ حسب ذیل ہیں :

(۱) نکاح ثانی

اللہ تعالیٰ نے عام مردوں اور عورتوں کے لئے یہی پسند فرمایا کہ وہ نکاح کرکے ازدواجی زندگی گذاریں، خواہ مخواہ تجرد کی زندگی نہ گذاریں، اس طرح بیوہ عورتوں کے بارے میں بھی اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ وہ نکاح میں آجائیں، سابق کی طرح عزت وآبرو اور آسائش وحفاظت کے لئے دوسرا نکاح کرلیں، (النور: ۳۲) اگر کوئی عورت اپنے بچوں کی خیرخواہی کے لئے یا کسی اور شرعی عذر کی وجہ سے دوسرا نکاح نہ کرے تو اس کی اجازت ہے۔

غیر مسلم تہذیبی اثرات کی وجہ سے نکاح بیوگان ایک معیوب بات سمجھی جاتی ہے؛ لیکن یہ ایک طرح سے حلال چیز کو حرام کرنا ہے، جس کا گناہ سخت ترین ہے، حقیقت یہ ہے کہ نکاح بیوگان یا نکاح ثانی کی اجازت اللہ کی طرف سے ایک نعمت سے کم نہیں ہے۔

(۲) رشتہ منتخب کرنے کا اختیار

اس کا دوسرا حق نکاح کے انتخاب میں مکمل خود مختار ہونا ہے، کوئی اسے اپنی رائے کا پابند و مجبور نہیں کرسکتا، مرحوم شوہر کے رشتہ دار اور نہ اس کے اپنے کوئی رشتہ دار، رشتہ منتخب کرنے میں اس کو خود مختار رکھا گیا۔

(۳) زیب و زینت

بیوہ عورت جب اپنی عدت (یعنی چار مہینے دس دن) پوری کرلے تو وہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے زیبائش وآرائش سے کام لے، بیوہ کے بارے میں خیال رکھنا کہ اب اسے بننے، سنورے اور زیبائش وآرائش اختیار کرنے کا حق حاصل نہیں رہا، جاہلانہ خیال ہے، بیوہ کو بھی اچھا کھانے، اچھا پہننے اور خوش وخرم رہنے کا اتنا ہی حق حاصل ہے، جتنا دوسروں کو ہے۔

بیواؤں کے ساتھ حسن سلوک کی فضیلت

اسی لئے بیوہ خواتین کے ساتھ حسن سلوک اور ہمدردی کرنے کو بڑے اجر وثواب کا کام قرار دیا ہے، صحیح بخاری میں عمر بن میمونؓ کی روایت نقل کی گئی ہے کہ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ فرمایا: اگر خدا نے مجھے سلامت رکھا تو میں عراق کی بیواؤں کو اتنا خوش حال کر دوں گا کہ پھر میرے بعد وہ کبھی کسی کی محتاج نہیں ہوں گی، عمرو بن میمونؓ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے چوتھے دن ہی حضرت عمرؓ شہید کر دیئے گئے۔(۱)

حضرت زید بن اسلمؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطابؓ ایک جوان عمر کی ایک خاتون ملی اور کہنے لگی اے امیر المومنین! میرا شوہر مر گیا ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ گیا ہے، خدا کی قسم ان کے پاس بکری کا ایک پایہ بھی پکانے کے لئے نہیں، نہ ان کے پاس کھیتی ہے اور نہ دودھ والا جانور، مجھے خطرہ ہے کہ قحط انھیں ہلاک نہ کر دے اور میں خفاف بن ایماء غفاری کی بیٹی ہوں، میرا باپ صلح حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، حضرت عمرؓ ان کے پاس کھڑے ہو گئے اور آگے نہ گئے اور پھر فرمایا: مرحبا! تمہارا نسب تو میرے نسب سے ملتا ہے، پھر ایک توانا اونٹ جو گھر میں بندھا ہوا تھا، اس پر دو بوریاں رکھیں اور انھیں اناج سے بھر دیا، اور ان کے درمیان نقدی اور کپڑے رکھ دیئے اور اونٹ کی رسی عورت کے ہاتھ میں تھما دی اور فرمایا کہ اسے لے جاؤ، اس کے ختم ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اس سے بہتر عطا کر دے گا، اس پر ایک آدمی نے کہا، امیر المومنین! آپ نے اس عورت کو بہت دے دیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: تیری ماں تجھے کھوئے، خدا کی قسم! میں نے اس کے باپ اور بھائی کو دیکھا کہ انھوں نے ایک مدت تک ایک قلع کا محاصرہ کئے رکھا، یہاں تک کہ اسے فتح کر لیا۔(۲)

آخری بات

رسول کریم ﷺ کی تعلیمات صرف اللہ کی عبادت ہی تک محدود نہیں؛ بلکہ مخلوق کی خدمت اور خلق خدا کے حقوق کا لحاظ وخیال بھی آپ کی تعلیمات کا حصہ ہیں، آپ ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ

(۱) صحیح بخاری، کتاب اصحاب النبی ﷺ، حدیث نمبر: ۳۷۰۰۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۴۱۶۰۔

ہر انسان پر دوسرے انسانوں؛ بلکہ اس کو مزید وسعت دیا جائے تو حیوانوں اور دیگر جانداروں کے بھی حقوق ہیں اور جن کی ادائیگی ہر مسلمان کا بنیادی حق ہے، اس کے بغیر کوئی مسلمان حقیقی مسلمان ہی نہیں ہوسکتا، حقوق کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف قولی طور پر بلکہ عملی طور پر ان حقوق کو ادا فرمایا ہے، ان واقعات کو سپرد قلم کرنا ان تنگ دامن صفحات میں ناممکن ضرور ہے؛ لیکن ان تفصیلات کو پڑھ کر ہر سلیم الطبع، غیر متعصب سنجیدہ فکر رکھنے والا پڑھا لکھا شخص ضرور پکار اُٹھے گا: ''وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ''۔

آئے دنیا میں بہت پاک مکرم بن کر
مگر آیا نہ کوئی رحمت عالم بن کر

• • •

سلسلۂ رسائل سیرت

۱۱

خدمتِ خلق اور اُسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مولانا محمد انصار اللہ قاسمی

ناشر

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

پیش لفظ

قرآن مجید نے اپنے لانے والے کی جو تصویر پیش کی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں، نہ آپ کی رحمت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے، نہ عربوں کے ساتھ، نہ کسی خاص رنگ و نسل کے لوگوں کے ساتھ؛ یہاں تک کہ آپ کی رحمت و شفقت بنی نوع انسان تک بھی محدود نہیں ہے؛ بلکہ آپ ﷺ نے دوسری مخلوقات کے ساتھ بھی رحم و کرم کی تعلیم دی ہے؛ مگر افسوس کہ غیر مسلم بھائی سیرت محمدی کے اس پہلو سے واقف نہیں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ صرف مسلمانوں کے پیغمبر اور محسن ہیں، مغربی مصنفین اگر بہت مہربان ہوں تو زیادہ سے زیادہ آپ ﷺ کو عربوں کا نبی قرار دیتے ہیں۔

اسی پس منظر میں سہ روزہ بین الاقوامی سیرت نبوی سیمینار — جو ۱۲-۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق: ۲۱-۲۳؍ فروری ۲۰۱۶ء کو المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں منعقد ہو رہا ہے — کی مناسبت سے ۱۶؍ رسائل کی ترتیب کا منصوبہ بنایا گیا، جس میں رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر رحمۃ للعالمینی کو پیش کیا جائے اور برادرانِ وطن کے درمیان آپ ﷺ کا صحیح تعارف کرایا جائے، کوشش کی گئی ہے کہ یہ رسائل مختصر ہوں، زبان آسان ہو اور ہر بات معتبر حوالہ سے کہی جائے، انشاء اللہ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ تک کوشش کی جائے گی کہ انگریزی اور ہندوستان کی تمام علاقائی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو جائے اور اسے بڑی تعداد میں برادرانِ وطن تک پہنچایا جائے۔

اسی سلسلہ کا ایک حصہ یہ رسالہ ''خدمتِ خلق اور اُسوۂ نبوی ﷺ'' ہے، جس کو جناب مولانا محمد انصار اللہ قاسمی (استاذ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد) نے مرتب کیا ہے — **فجزاه الله خير الجزاء** — دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اس کے مقصد کے اعتبار سے مفید بنائے اور رسول اللہ ﷺ کے تعارف کی جو ذمہ داری اس اُمت پر ہے، اس کا کوئی حصہ اس کوشش کے ذریعہ ادا ہو سکے، **ربنا تقبل منا إنک أنت السميع العليم**۔

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

۱۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
۲۱؍ فروری ۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدمتِ خلق کا تصور اور اس کا مفہوم

خدمتِ خلق صرف خیر خیرات کرنے کا نام نہیں ہے اور نہ صرف رسمی و روایتی اور ہنگامی طور پر کچھ رفاہی وفلاحی کام کرنے کو خدمت خلق کہتے ہیں، خدمت خلق دراصل اس سوچ اور جذبہ کا نام ہے جس کی بنیاد پر ایک دردمند انسان نہ صرف اپنی ہی انسانی برادری کے مجبور، معذور، پریشان حال اور مفلوک الحال بھائیوں کے لئے بلکہ مصیبت زدہ جانوروں کے لئے بھی کچھ کرگذر جانے کا حوصلہ اپنے اندر رکھتا ہے، خدمت خلق کا کام صرف اور صرف انسانی بنیادوں پر ہوتا ہے اور ہونا چاہئے، اس میں محتاج وضرورت مندوں کی مدد کرنا، بے سہارا لوگوں کو آسرا دینا، مظلوموں کا ساتھ دینا، والدین کی خدمت کرنا، پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنا، بیماروں کی عیادت کرنا، دوستوں کے کام آنا غرض یہ کہ انسانیت نوازی، انسانی ہمدردی اور انسانیت کی فلاح و بہبودی کے تمام کام خدمت خلق کے کاز میں داخل وشامل ہیں، معلوم ہوا کہ خدمت خلق ایک محدود ومخصوص دائرہ کا نام نہیں، بل کہ اس کے معنی ومفہوم کی سرحدیں بہت وسیع ہیں۔

خدمتِ خلق اُسوۂ نبوی کی روشنی ہی میں کیوں؟

''خدمتِ خلق'' کام کی اہمیت اور اس کی حقیقت واضح ہونے کے بعد یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ جب یہ کام صرف اور صرف انسانیت کی بنیاد پر ہونے والا ہے تو اس کو ایک خاص جلیل القدر اور عظیم المرتبت ذات گرامی حضرت محمد ﷺ کے ساتھ ہی کیوں جوڑا جا رہا ہے؟ ان ہی کے واقعات اور تعلیمات کی روشنی میں خدمت خلق کے کام کو سمجھنا کیوں ضروری ہے؟ اس میں تو تمام انسانی ریفارمرس اور مصلحین کی تعلیمات اور واقعات کا حوالہ ہونا چاہئے، خدمت خلق کے کاز کو رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ مبارکہ سے جوڑنے کی معقول اور مضبوط وجوہات ہیں، ان کو سمجھنے کے لئے حسبِ ذیل اُمور پر غور کریں :

انسانی تاریخ میں جتنے بھی مصلحین اور ریفارمرس گذرے ہیں ان کے مشن کا دائرہ اپنے زمانہ اور علاقہ تک محدود رہا، ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں ساری انسانیت کی اصلاح وخدمت کے لئے آیا ہوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں بنی اسرائیل کی بھٹکی ہوئی بھیڑیوں کو راہ دکھانے آیا ہوں، یہودی مذہب میں ایک خاص نسل میں پیدا ہونے والوں کو ہی یہودی مذہب کا پیروکار سمجھا جاتا ہے، ہندو مذہب کے بارے میں خود ہندو رہنماؤں کا خیال ہے وہ مذہب نہیں، بل کہ ایک طرز زندگی کا نام ہے، پھراسی میں سے بدھ ازم، سکھ ازم اور جین ازم کے نام سے جو مذہبی افکار وخیالات وجود میں آئے، ان کا مشن اور پیغام بھی چند صدیوں اور علاقوں تک محدود رہا، ان سب کے برخلاف حضرت محمد ﷺ نے اپنے مقصد ومشن کا موضوع اور میدان کرۂ ارض کی پوری انسانیت کو بتایا اور بنایا، آپ ﷺ کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا: ''وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلاَّ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ، (الانبیاء:۱۰۷) اور ہم نے آپ کو سارے جہاں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، پس یہی وہ آفاقیت اور عالمیت ہے، جو حضرت محمد ﷺ کو دوسرے تمام مصلحین سے ممتاز کرتی ہے اس لئے انسانیت کی خدمت کو محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کے حوالہ سے سمجھنے کی کوشش کی گئی۔

رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دوسرے مصلحین کی تعلیمات میں کاملیت کا پہلو نہیں ہے، ان کی تعلیمات چند عبادات اور سماجی رسوم و روایات تک ہی محدود ہیں، زندگی کے دوسرے مسائل اور مراحل میں ان سے کوئی رہنمائی و رہبری حاصل نہیں ہوتی، اس کے برخلاف رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں زندگی کے تمام مسائل کا حل موجود ہے، پیدائش سے لے کے موت تک اور صبح سے شام تک ایک انسان کو زندگی کیسے گذارنا چاہئے؟ اس کی رہنمائی اُسوۂ نبوی میں ملتی ہے، یہ صرف خوش عقیدگی اور خوش فہمی کی بات نہیں، بل کہ حقیقت بیانی ہے، اس کو سمجھنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی پر لکھی گئی سیرت کی کتابیں پڑھیں اور دوسرے مصلحین کی سوانح حیات پر موجود کتابیں بھی پڑھیں، زندگی کی جو تفصیلات اور جزئیات ہمیں حضرت محمد ﷺ کے بارے میں معلوم ہوتی ہیں دوسرے مصلحین سے متعلق تحریروں میں وہ معدوم نظر آتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دیگر مصلحین انسانیت کی تعلیمات ہم تک محفوظ اور مستند طریقہ پر نہیں پہنچی، گرونانک صاحب کی گرنتھ، بھگوت گیتا، وید اور بائبل وغیرہ کے حوالہ سے جو کچھ بتایا

اور بیان کیا جاتا ہے، اس کی بنیاد اندازہ اور گمان پر ہے، بل کہ بعض کی حقیقت اور حیثیت تو دیو مالائی اور افسانوی اور فرضی واقعات کی ہے، ان مذہبی تعلیمات کا کوئی ٹھوس، مضبوط اور معقول ثبوت نہیں ہے، اس کے برخلاف حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات نہایت مستند اور معتبر طریقہ پر اور محفوظ راستہ سے ہم تک پہنچی ہیں، آج تو شخصیات کے حالات اور ان کا ڈاٹا جمع کرنے کا طریقہ بہت آسان ہوگیا، لیکن چودہ سو سال پہلے جب کہ علم اور سائنس کی ترقی نہیں ہوئی تھی، سلسلۂ سند کے عنوان سے مسلمانوں میں مختلف افراد کا ڈاٹا جمع کرنے کا کام شروع ہوگیا تھا، مسلمانوں کے یہاں ''اسماء الرجال'' کے نام سے ایک فن اور علم ہے، جس کے ذریعہ حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات بیان کرنے والے پانچ لاکھ افراد کا ڈاٹا جمع کیا گیا ہے، پس اگر آج کوئی بات حضرت محمد ﷺ کے حوالہ سے کہی جائے تو وہ محض سنی سنائی بات نہیں ہوتی، بل کہ اس کے پیچھے پورا ایک سلسلۂ سند ہے، جس کے ذریعہ اس بات کو بیان کرنے والوں کے تمام حالات معلوم کئے جا سکتے ہیں، پس خدمت خلق کے کام کو اسوۂ نبوی کے حوالہ سے کیوں نہ سمجھا جائے جس کا پیغام آفاقی اور عالمی ہے، جن کی تعلیمات کامل و مکمل ہیں اور جو ہم تک مستند و معتبر طریقہ پر پہنچی ہیں۔

مساوات کا نظریہ — خدمتِ خلق کے لئے تحریک

مساوات کے معنی اسلام میں یہ ہیں کہ تمام انسان چاہے مرد ہوں یا عورت ہوں، آزاد ہوں یا غلام، مالک ہوں یا نوکر، امیر ہوں یا غریب، بادشاہ ہوں یا رعایا، عالم ہوں یا جاہل، گورے ہوں یا کالے، بیمار ہوں یا صحت مند، سب کا خون ایک ہے، انسان ہونے کی حیثیت سے سب کے سب ایک ماں باپ (حضرت آدم وحضرت حوا علیہما السلام) کی اولاد ہیں، بنیادی انسانی حقوق کی فراہمی ہر ایک کے لئے یکساں اور برابر ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالی کا فرمان ہے :

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ
شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۔ (الحجرات: ١٣)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد (آدم) اور ایک عورت (حوا) سے پیدا کیا، اور تمہارے اندر خاندان قبیلے اور رشتہ داریاں اس لئے رکھی کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: ''کلکم بنی آدم وآدم من تراب''(۱) تم سب آدم کی اولاد ہو اور مٹی سے پیدا کئے گئے، اسی انسانی وحدت کی بنیاد انسانی مساوات کی تعلیم کو آں حضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر مختلف علاقوں سے تشریف لائے اپنے ایک لاکھ سے زائد جانثار صحابہ کرامؓ سے فرمایا: ''لا فضل لعربی علی عجمی ولا لاحمر علی اسود''(۲) ''کسی عربی کو عجمی پر اور نہ کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت اور فوقیت نہیں ہے'' فتح مکہ کے موقع پر ایک مشہور اور بڑے خاندان کی عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی، لوگوں نے خاندانی مقام ومرتبہ کی وجہ سے چوری کی سزا (ہاتھ کاٹنا) کے نفاذ کو روکنا چاہا، اس پر رسول اللہ ﷺ شدید ناراض ہوگئے، آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع فرما کر خطبہ ارشاد فرمایا، اور کہا: اے لوگو! تم سے پہلی قومیں اس لئے ہلاک ہوگئیں کہ جب کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تو چھوڑ دیا جاتا اور اگر کوئی چھوٹا کمزور آدمی جرم کرتا تو اس کو سزا دی جاتی، پھر آپ ﷺ نے پرزور انداز میں فرمایا: خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت اسد کی جگہ فاطمہ بنت محمد ﷺ یہ جرم کرتیں تو تب بھی میں اس پر سزا نافذ کر کے ہی رہتا۔(۳)

اسی طرح اسلام میں انسان ہونے کی حیثیت سے ہر شخص کے احترام پر زور دیا گیا؛ چنانچہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے، آپ ﷺ کے سامنے سے ایک یہودی شخص کا جنازہ گذرنے لگا، یہ دیکھ کر آپ ﷺ کھڑے ہوگئے،(۴) اگر چہ یہودی آنحضرت ﷺ کو نبی ماننے والا نہیں تھا، مسلمانوں کے نزدیک مذہبی عقیدہ کے لحاظ سے وہ ایک غیر مسلم شخص تھا، اس کے باوجود محض انسان ہونے کی وجہ سے حضرت محمد ﷺ اس کے جنازہ کے احترام میں کھڑے ہوگئے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک سیاہ فام خاتون مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھیں، ایک دن اس کا انتقال ہوگیا، لوگوں نے ایک معمولی اور غریب خاتون سمجھ کر اس واقعہ کو کوئی اہمیت نہیں دی، خود ہی تجہیز وتکفین کی اور نماز جنازہ پڑھ کر اس خاتون کو دفن کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع نہیں دی، دوسرے دن حسبِ معمول یہ خاتون جب مسجد میں نظر نہیں آئی تو آپ ﷺ نے

(۱) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۵۱۱٦

(۲) زادالمعاد: ۲/۱۸۰۔

(۳) بخاری، حدیث نمبر: ۳۴۷۵۔

(۴) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب من قام لجنازۃ یہودی، حدیث نمبر: ۱۳۱۲۔

خاتون کے بارے دریافت فرمایا، لوگوں نے بتایا: اس کا تو انتقال ہوگیا، اس پر آپ ﷺ نے خفگی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ تم لوگوں نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی؟ پھر آپ ﷺ اس خاتون کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کے لئے دعائے مغفرت فرمائی، (۱) یہاں پر بھی احترام انسانیت کا پہلو واضح ہے، قطع نظر اس کے کہ خاتون کیا کام کرتی تھیں؟ کس خاندان اور قبیلہ سے اس کا تعلق تھا؟ آنحضرت ﷺ نے ایک جاروب کش خاتون کو عزت بخشی اس کی قبر پر دُعا فرما کر اس کو اعزاز واحترام سے نوازا۔

غرض کہ خدمت خلق کام کے سلسلہ میں وحدت انسانیت، انسانی مساوات اور احترام انسانیت بنیادی اسلامی نظریہ اور فلسفہ ہے، جو صرف مسلمان ہی کو نہیں بلکہ ہر شریف اور نیک انسان کے جذبات کو مخلوق کی خدمت اور راحت رسانی کے لئے ابھارتا ہے، اس نظریہ اور نقطۂ نظر کی وجہ سے ہر دردمند انسان کے اندر موجود ہمدردی، غم خواری، خیر خواہی اور انسانیت نوازی کے جوہر کھلتے ہیں، پھر وہ علامہ حالی کی زبان میں اپنا حال یوں بیان کرتا ہے :

یہی ہے عبادت ، یہی ہے دین و ایمان
کہ کام آئے ، دنیا میں انساں کے انساں

وحدت انسانیت اور احترام انسانیت کے پہلو کو سامنے رکھنے سے اسلامی تعلیمات کا خلاصہ دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں، ایک: خالق کی عبادت و بندگی، دوسرے: مخلوق کی خدمت و نفع رسانی، پہلے کو ''حقوق اللہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور دوسرے کو ''حقوق العباد'' کہا جاتا ہے، مخلوق کے دائرہ میں فرد سے لے کر اہل خانہ اور اہل خانہ سے لے کر افراد خاندان اور افراد خاندان سے لے کر پورا انسانی سماج ومعاشرہ اس میں شامل ہے، یہاں تک اس دائرہ میں صرف انسان ہی نہیں جانور اور چرند پرند بھی داخل ہیں، پھر یہ کہ حقوق اللہ کے مقابلہ میں ''حقوق العباد'' کی اہمیت زیادہ ہے، یہاں تک کہ بعض مرتبہ مخلوق کی راحت کے لئے خالق کی عبادت میں کمی وکوتاہی کو گوارہ کرلیا جاتا ہے، جیسے محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ جب کبھی نماز پڑھاتے اور اس دوران کسی بچے کے رونے کی آواز آتی تو آپ ﷺ نماز کو مختصر فرمادیتے، (۲) اور دوسرے آئمہ حضرات کو بھی حکم

---

(۱) صحیح بخاری ومسلم، ریاض الصالحین، باب فضل ضعفة المسلمین۔
(۲) صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ باب من اخف الصلوۃ۔

فرماتے کہ جب تم نماز پڑھاؤ تو مختصر پڑھاؤ اس لئے کہ تمہارے پیچھے نمازیوں میں ضعیف بھی ہوتے ہیں، کمزور بھی ہوتے ہیں، (۱) اس کے علاوہ اسلام کی جتنی اخلاقی تعلیمات ہیں، مثلاً والدین، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک، بڑے بوڑھوں کا احترام، بچوں کے ساتھ شفقت ومحبت، بیماروں کی عیادت ومزاج پرسی، مظلوموں کی مدد ونصرت، فقراء ومساکین کی امداد، خطا کاروں کے ساتھ عفو ودرگذر وغیرہ ان تمام باتوں میں مسلم وغیر مسلم کی کوئی تفریق وتقسیم نہیں کی گئی، پھر اسلام میں جن غیر اخلاقی حرکتوں اور عادتوں سے منع کیا گیا مثلاً: جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا، ظلم کرنا وغیرہ، ان میں بھی مسلم وغیر مسلم کی شناخت اور حیثیت کو پیش نظر نہیں رکھا گیا، حقوق العباد اور حقوق اللہ میں اتنا زیادہ توازن اور اعتدال رکھا گیا کہ عین دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی اللہ کے رسول ﷺ نے نصیحت فرمائی ''الصلوۃ وما ملکت ایمانکم'' (۲) لوگو! نماز کی پابندی کرو اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

جو کوئی بھی انصاف پسند انسان کھلے ذہن اور صاف دل کے ساتھ اسلامی تعلیمات کو پڑھے گا اور حضرت محمد ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں خدمت خلق کے کام اور کاز کو سمجھے گا وہ اگرچہ اپنے مذہبی عقیدہ کی رو سے آپ ﷺ کو نبی وپیغمبر تسلیم نہ کرے؛ لیکن آپ ﷺ کے ''محسن انسانیت'' ہونے کا اقرار واعتراف ضرور کرے گا — تو آیئے! اسی محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کے حوالہ سے خدمت خلق کے کاز اور مشن کو جاننے وسمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

خدمتِ خلق — قرآن مجید کی روشنی میں!

قرآن مجید سے اسوۂ نبوی کا بڑا گہرا تعلق ہے، اس لئے کہ قرآن مجید خدا تعالی کا وہ آخری کلام ہے جو محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا گیا، خدمت خلق کی جو تعلیمات قرآن مجید میں بیان کی گئیں اس کا عملی نمونہ نبی ﷺ نے انسانوں کے سامنے پیش فرمایا، پس اسوۂ نبوی قرآنی تعلیمات کا پرتو ہے، اس لئے اُم المومنین حضرت عائشہؓ سے کسی نے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں جاننا چاہا، آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہؓ سے اس شخص سے فرمایا:

---

(۱) حوالۂ سابق باب تخفیف الامام القرأۃ۔

(۲) سنن ابن ماجہ حدیث نمبر: ۲۲۰۱۔

کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ پھر فرمایا: کان خلقه القرآن ، (۱) قرآن میں مذکور تمام اخلاقی تعلیمات کا عملی نمونہ آپ ﷺ نے پیش فرمایا۔

خدمت خلق اور اُسوۂ نبوی کے عنوان کو سمجھنے کے لئے قرآن مجید کی بعض آیات سے ہمیں رہنمائی ملتی ہے۔

نفع رسانی — بقاء و دوام کا الٰہی اُصول وضابطہ

کائنات کو پیدا کرنے اور چلانے والے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا :

> فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۔ (۲)
>
> پس جو جھاگ ہے وہ تو ضائع ہو جاتا ہے اور جو چیز انسان کے لئے نفع بخش اور فائدہ مند ہوتی ہے وہ زمین میں باقی رہ جاتی ہے۔

یہ آیت خدمت خلق کے کام اور پیغام کو اچھی طرح واضح کرتی ہے، اس لئے کہ خدمت خلق نام ہی ہے انسانیت کی نفع رسانی کا، اور عنوان ہے مخلوق کی راحت رسانی کا، پھر یہ کہ نفع رسانی کا مطلب صرف جسم و جان کو راحت و آرام پہنچانا نہیں ہے؛ بلکہ دل و روح کو بھی پر سکون اور مطمئن کرنا ہے، اس لحاظ سے نفع بخشی کی صلاحیت مادی اور روحانی ہر دو اعتبار سے مطلوب ہے، افراد، اقوام، تنظیمیں اور ادارے اگر مادی طور پر انسانیت کے لئے نفع بخش ہیں تو تب بھی زمین پر ان کا وجود باقی رہے گا اور اگر روحانی طور پر نفع بخش ہیں تو بھی زمین میں انھیں قرار نصیب ہوگا، ممتاز فقیہ، مایۂ ناز مفسر قرآن اور بین الاقوامی شہرت یافتہ عالم دین حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

> اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے افراد، اداروں اور تنظیموں کے لئے فطرت کا ایک اہم قانون بیان کیا ہے کہ جو چیز انسانیت کے لئے نفع بخش ہوتی ہے، وہ باقی رہتی ہے اور جس چیز میں نفع دینے کی صلاحیت

---

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۴۶۰۱۔

(۲) الرعد: ۱۷۔

ختم ہوجاتی ہے وہ آپ سے آپ اپنے وجود کو کھودیتی ہے، دنیا میں
قوموں کے عروج وزوال کی اصل بنیاد یہی ہے، آج مغربی دنیا بہت سی
اخلاقی برائیوں کے باوجود ترقی اور مقبولیت کی چوٹی پر ہے، وہ
اسی لئے کہ وہ اپنی صنعت، ٹکنالوجی راحت بخش ایجادات اور اپنی
صلاحیتوں کے اعتبار سے انسان کو...... مادی طور پر ہی سہی...... فائدہ
پہنچارہی ہے، مسلمان دین حق کے حامل ہونے کے باوجود ان میدانوں
میں اپنی نافعیت کھو چکے ہیں، اس لئے اس پہلو سے وہ مسلسل زوال،
ناکامی اور رسوائی کی طرف بڑھ رہے ہیں......۔(۱)

غرض یہ کہ جب کوئی شخص انسانیت کے لئے ''نفع بخش'' ہوتا ہے، وہ اپنے علم وفن اور ہنر یا اپنی کسی بھی صلاحیت کے ذریعہ بے لوث اور بے غرض ہوکر انسانیت کی خدمت کرتا ہے تو دنیا سے گذر جانے کے بعد بھی اس کا نام علامات، مقام ومرتبہ اور کام کے نشانات باقی رہتے ہیں، ایسے لوگوں کے تذکرے ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں، کسی انسان کا نفع بخش اور فائدہ مند ہونا ''اللہ کے یہاں محبوب انسان'' ہونے کے مصداق اور معیار ہے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''احب الناس الی اللہ تعالیٰ انفعھم للناس'' (۲) اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوب ترین انسان وہ ہے جو لوگوں کو زیادہ نفع پہنچائے، پس زندگی میں خوشی ہو یا غمی، فراخی ہو یا تنگی، آدمی زخم خوردہ انسانیت پر مرہم لگانا نہ بھولے، میر نے پُرتاثیر بات کہی ہے :

بارے دنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کرکے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

خدمتِ خلق — احادیث کی روشنی میں!

خدمت خلق کے کام اور کاز کی اہمیت وفضیلت کو جاننے اور سمجھنے کے لئے احادیث کا مطالعہ اور ان میں غور وفکر بھی نہایت ضروری ہے، اس لئے کہ احادیث دراصل نبی ﷺ کی زبانی ہدایات اور عملی واقعات کا مجموعہ ہے، مخلوق کی خدمت اور راحت رسانی کے سلسلہ میں بہت سی احادیث ہیں، بطور نمونہ چند احادیث ملاحظہ ہوں :

---

(۱) آسان تفسیر قرآن مجید: ۴۳۷۔ (۲) معجم الکبیر، حدیث نمبر: ۱۳۴۶۸۔

مخلوق کے ساتھ حسن سلوک، اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوب ہونے کا معیار

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالی کا کنبہ اور خاندان ہے، مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ محبوب بندہ وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے:

''الخلق عيال الله واحب الناس الى الله من احسن الى عياله''۔(۱)

اس حدیث میں دو باتیں بیان کی گئیں ایک مخلوق کی حیثیت، دوسرے محبوب ہونے کا معیار، مخلوق کی حیثیت یہ بتائی گئی کہ وہ اللہ تعالی کا کنبہ ہے، جیسے ہر انسان اپنے اہل عیال اور گھر والوں کی خدمت کرتا ہے، ان کے لئے راحت وآرام کے اسباب پیدا کرتا ہے، اسی طرح تمام انسانوں کے خالق ورازق اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں اس کی ساری مخلوق کی بھی اپنے اہل خانہ کی طرح خدمت کی جائے، اس کی راحت وآرام کا خیال رکھا جائے، مخلوق میں اللہ تعالی کا فرماں بردار اور نافرمان موحد ومشرک اور مسلم وغیر مسلم سب داخل ہیں، بل کہ اس سے آگے بڑھ کر جانور حیوانات ونباتات بھی اس میں شامل ہیں، ہر انسان کو خلق خدا کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اس کا جائز حق ملنا چاہئے، انسانیت کی خدمت کے موقع پر کوئی منفی پہلو پیش نظر نہیں رکھا جاتا، اس لئے کہ منفی پہلو کو تلاش کرنے سے انسانوں میں تفریق وتقسیم کو راہ ملتی ہے اور پھر یہ راہ انسانیت کی خدمت کے لئے ''سدراہ'' بنتی ہے۔

حدیث میں بارگاہ خداوندی میں محبوب ہونے کا معیار مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کو قرار دیا گیا، کوئی بھی شخص اپنی ذات میں کتنا ہی نیکوکار اور پارسا کیوں نہ ہو، اگر خلق خدا کے ساتھ اس کا رویہ ہمدردی وغم خواری کا نہیں ہے بلکہ ایذارسانی کا ہے تو پھر وہ اپنے پروردگار اور پالنہار کے دربار میں مبغوض وناپسندیدہ ٹھہرے گا؛ چنانچہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہمارے نزدیک تو مفلس (فقیر) وہ ہے جس کے پاس روپیہ پیسہ اور دنیا کا ساز وسامان نہ ہو، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن ڈھیر ساری نیکیاں لے کر آئے گا، نمازیں بھی ہوں گی، روزہ بھی ہوگا، زکوٰۃ بھی ہوگی لیکن جب اس کے اعمال کا حساب وکتاب ہوگا تو معلوم ہوگا کہ

---

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی، حدیث نمبر: ۵۵۴۱۔

اس نے فلاں کو گالی دی ہے، کسی پر تہمت لگائی ہے، کسی کا قتل کیا ہے اور کسی کو ناحق مارا ہے، اس طرح بہت سارے بندے اس سے اپنا حق طلب کریں گے، اس کے نتیجہ میں اس شخص کی نیکیاں لوگوں کو ان کے حق کے مطابق دی جاتی رہیں گی، یہاں تک کہ نیکیاں ساری ختم ہو جائیں گے، لیکن لوگوں کے حقوق اب بھی باقی رہیں گے، اس پر اللہ تعالیٰ حکم فرمائیں گے کہ ان بقیہ لوگوں کے گناہ اس نیک و پارسا شخص کے کھاتہ میں ڈالتے جاؤ، اس طرح یہ شخص آیا تو تھا نیکوں کا انبار لے کر؛ لیکن مخلوق خدا کے ساتھ بہتر سلوک نہ کرنے پر دوسرں کے گناہوں کا پشتارہ اور بوجھ بھی اس کو ڈھونا پڑا، پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔(۱)

کچھ خاص محتاجوں سے متعلق بندہ اور رب کے درمیان سوال وجواب

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں سے دریافت فرمائیں گے، اے آدم کے بیٹے! میں بیمار تھا، تو نے میری مزاج پرسی نہیں کی، وہ شخص عرض کرے گا کہ اے میرے پروردگار آپ تو رب العالمین ہیں، سارے جہاں والوں کے رب ہیں، میں کیسے آپ کی عیادت کرتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، کیا تجھے نہیں معلوم تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی، تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ اگر تو اس بندہ کی مزاج پرسی کرتا تو، تو مجھے بھی اس کے یہاں پاتا، اللہ تعالیٰ پھر پوچھیں گے: اے آدم کے بیٹے! مجھے کھانے کی ضرورت تھی، لیکن تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، وہ شخص عرض کرے گا کہ اے میرے رب! آپ تو رب العالمین ہیں (سارے جہاں والوں کو کھلانے والے ہیں) میں آپ کو کیسے کھلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، تجھے یاد ہونا چاہئے کہ میرا فلاں بندہ کھانے کا محتاج تھا اور تو نے اس کو کھانا نہیں کھلایا، یاد رکھ، اگر تو اس بھوکے کو کھانا کھلاتا تو ضرور اس کا بدلہ میرے یہاں پاتا، اللہ تعالیٰ مزید دریافت فرمائیں گے: اے آدم کے بیٹے! میں پیاسا تھا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، وہ شخص عرض کرے گا، اے میرے رب! آپ تو رب العالمین ہیں، (سارے جہاں والوں کو سیراب کرتے ہیں) میں کیسے آپ کو پانی پلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا تھا اور تو نے اس کو پانی نہیں پلایا، تجھے پتہ ہونا چاہئے اگر تو اس کو پانی پلاتا تو میرے پاس اس کا بدلہ ضرور تجھے ملتا۔(۲)

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر:۲۵۸۱۔ (۲) صحیح مسلم، باب فضل عیادۃ المریض۔

اس حدیث میں جن باتوں کا ذکر ہے ان سب کا تعلق انسانوں کی خدمت اور راحت رسانی سے ہے، مثلاً: بیماروں کی مزاج پرسی کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا اور پیاسوں کو پانی پلانا وغیرہ، ان باتوں پر عمل کرنا ہر شخص کا انسانی اور اخلاقی فریضہ ہے، اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے دین ومذہب، ملک وملت، مسلک ومشرب، رنگ ونسل، کسی بھی طرح کی کوئی حد بندی اور درجہ بندی نہیں کی گئی۔

خدمتِ خلق کے مختلف کام

احادیث میں انسانیت کی خدمت اور نفع رسانی سے متعلق ان عام تعلیمات کے علاوہ مخلوق خداوندی میں بطور خاص بعض مجبور، معذور اور کمزور لوگوں کی مدد کرنے کی خصوصی ترغیب دی گئی مثلاً یتیم لڑکیوں اور بیوہ خواتین کی دیکھ بھال کی اہمیت اور فضیلت کو بیان کیا گیا، ایک جگہ اللہ کے رسول ﷺ نے شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر ارشاد فرمایا: ''انا وکافل الیتیم فی الجنة هکذا'' جنت میں، میں اور یتیم پرورش کرنے والا بہت قریب ہوں گے، (۱) ایک جگہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''تم مجھے ضعیف اور کمزور لوگوں میں تلاش کرو، اس لئے کہ تمہارے کمزور اور ضعیف لوگوں کی وجہ سے ہی تمہیں رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے ''فانما تنصرون و ترزقون بضعفائکم'' (۲) اسی طرح آپ ﷺ نے بیوہ خاتون اور یتیم کی کفالت میں سرگرم رہنے والے کے شخص بارے میں فرمایا: وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے، دن بھر روزہ رکھنے والے اور رات بھر عبادت کرنے والے کی طرح ہے ''الساعی علی الارملة والمسکین کا لمجاهد فی سبیل الله اوکالذی یصوم النهار و یقوم اللیل'' (۳) غرض یہ کہ اس طرح کی بے شمار احادیث ہیں جن میں انسان ہونے کی حیثیت سے سماج کے غریب، مفلوک الحال، مجبور ومعذور، مصیبت زدہ اور پریشان حال لوگوں کے ساتھ ہمدردی وغم خواری اور دل داری ودلجوئی کرنے کی تعلیم دی گئی۔

خدمتِ خلق — سیرت کے واقعات کی روشنی میں!

محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ سارے انسانوں کے نبی اور پیغمبر ہیں، آپ ﷺ کو

---

(۱) صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۵۰۰۶۔ (۲) ابوداؤد، ریاض الصالحین باب ملاطفة والبنات وسائر الضعفه۔
(۳) صحیح بخاری، باب الساعی علی الارملہ، حدیث نمبر: ۶۰۰۶۔

''رحمۃ للعالمین'' فرمایا گیا، اس لئے انسانوں کے ساتھ محبت وشفقت ان کی خدمت اورراحت آپ ﷺ کی مبارک زندگی کا مقصد اور مشن رہا اس مقصد ومشن کو پھیلانے کے لئے اپنی ذات سے عملی نمونہ بھی پیش فرمایا اس سلسلہ میں آن حضرت ﷺ کی مبارک زندگی کے چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

حضرت خدیجہ ؓ کی گواہی

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ پر جب پہلی مرتبہ خدا کا کلام نازل ہوا اور آپ ﷺ کو منصب نبوت ورسالت سے سرفراز کیا گیا، نبوت ورسالت دنیا کے عام عہدوں کی طرح کوئی عہدہ اوراعزاز نہیں ہے کہ جس کے ملنے پر آدمی خوشی سے پھولے نہ سماتا ہو، نبوت ورسالت کا منصب پانا دراصل انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کی عظیم ذمہ داری کوقبول کرنا ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ پریشان ہوگئے کہ مجھ سے یہ عظیم الشان ذمہ داری ادا ہو پائی گی کہ نہیں؛ چنانچہ مختلف اندیشے اورخطرات محسوس کرتے ہوئے خوف وگھبراہٹ کی حالت میں زوجہ مطہرہ اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے گھر پہنچتے ہیں اورفرماتے ہیں''زملونی زملونی'' مجھے چادراڑھادو! مجھے چادر اڑھادو! اہلیہ محترمہ پریشان ہوکرعرض کرتی ہیں: کیا ہوگیا میرے سرتاج؟ آپ اتنے پریشان اورخوف زدہ کیوں ہیں؟ نبی ﷺ فرماتے ہیں: مجھے اپنے بارے میں ڈر واورخوف محسوس ہورہا ہے، پھرآپ ﷺ پوراواقعہ بیان فرماتے ہیں، یہ سن کرآپ ﷺ کی غم خوار وغمگسار بیوی اُم المومنین حضرت خدیجہ ؓ آپ ﷺ کوتسلی دیتی ہیں اورعرض کرتی ہیں: خدا کی قسم! اللہ آپ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا، مزید تسلی واطمینان کے لئے آپ ﷺ کے اوصاف وکمالات یوں بیان کرتی ہیں :

> انک لتصل الرحم وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق۔ (۱)
>
> بے شک آپ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کی دستگیری کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور راہ حق میں آنے والی مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔

---

(۱) صحیح بخاری باب بدءالوحی، حدیث نمبر:۳۔

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں حضرت خدیجہ الکبریٰ ؓ کے کلمات اور تاثرات میں سے ایک ایک جملہ پر غور کیجئے! ہر جملہ کا تعلق انسانوں کی خدمت اور ان کی راحت رسانی سے ہے، حضرت خدیجہ ؓ نے آپ ﷺ کی بہت سی خصوصیات میں خدمت خلق کے کاموں کو خاص طور پر ذکر کیا اور عرض کیا: جب آپ اتنے سارے نیک کام کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ناکام ورسوا نہیں فرمائے گا، معلوم ہوا کہ جو لوگ نیک جذبہ اور صحیح طریقہ پر مخلوق کی راحت اور نفع رسانی کا کام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں ناکامی اور رسوائی سے محفوظ رکھتے ہیں، دوسرے یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی کی یہ مصروفیات آپ ﷺ کے نبی اور پیغمبر بننے سے پہلے کی تھیں، اگر دعویٔ نبوت کے بعد آپ ﷺ کی یہ مصروفیت ہوتی تو شاید شک وشبہ ہوتا کہ آپ ﷺ چوں کہ لوگوں کو اپنے دعوت و پیغام سے جوڑنا چاہتے ہیں؛ اس لئے وہ دوسروں کے کام آتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں؛ لیکن آپ ﷺ بالکل بے لوث اور بے غرض ہو کر خالص انسانی جذبہ کے ساتھ یہ کام کیا کرتے تھے، آپ ﷺ کا یہ اُسوۂ حسنہ آج کل کے بعض مذہبی اداروں اور برادریوں کے رویہ کے بالکل برعکس ہے جو اپنے مذہب کی توسیع وتبلیغ کے مقصد کے تحت رفاہی وفلاحی خدمات انجام دیتے ہیں۔

مکہ کی قحط سالی کے موقع پر نبی ﷺ کا جذبہ انسانی

انسانیت کی خدمت اور اس کے فلاح و بہبودی کے کاموں میں مذہبی اختلاف اور عداوت کو کبھی آڑ اور رکاوٹ نہیں بننا چاہئے، یہ بات اُسوۂ نبوی ﷺ میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے، ہوا یوں کہ مکہ میں یمامہ سے غلہ آیا کرتا تھا، اس علاقہ کے سردار ثمامہ بن آثال مسلمان ہو گئے، یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کے مخالفین قریش مکہ نے انھیں تبدیلیٔ مذہب کا طعنہ دیا اور ان پر جملے کسے، اس پر حضرت ثمامہ بن آثال کو بھی غصہ آیا، انھوں نے کہا: خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر مکہ والوں کو ایک دانہ غلہ بھی نہیں ملے گا، اس طرح انھوں نے مکہ والوں پر غلہ کی پابندی لگادی، اس پابندی کی وجہ سے مکہ کے عوام شدید متاثر ہوئے، فاقوں کی نوبت آ گئی اور قحط کی صورت حال پیدا ہو گئی، دشمنی کے جوش میں مکہ کے سردار شروع میں اس کا اندازہ نہیں کر پائے؛ لیکن صورت حال جب بے قابو ہو گئی تو انھوں نے رحمۃ للعالمین ﷺ کی بارگاہ میں مدد کی

درخواست کی، آپ ﷺ نے فوری طور پر حضرت ثمامہ بن آثال کو کہلا بھیجا کہ غلہ پر سے پابندی اُٹھالو، حضرت ثمامہ نے حکم تعمیل کی، پھر حسبِ معمول مکہ میں یمامہ سے غلہ کی آمد شروع ہوگئی۔(۱)

ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے شدید خشک سالی ہوگئی، لوگ مردار اور ہڈیاں کھانے پر مجبور تھے، ابوسفیان جو اس وقت نہ صرف اسلام کے مخالف تھے بلکہ مخالفین کے سردار تھے، وہ محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے محمد! آپ مصیبت زدہ انسانوں کے کام آتے ہیں اور دوسروں کو بھی ایسی ہی تعلیم دیتے ہیں، دیکھئے خشک سالی کی وجہ سے آپ کی قوم بھکمری اور فاقہ کشی میں مبتلا ہے، آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ قوم پر سے یہ مصیبت اور پریشانی دور ہوجائے، اگر چہ آنحضرت ﷺ کی قوم مشرک اور بت پرست تھی؛ لیکن ان کے مذہبی عقیدہ ونظریہ سے قطع نظر صرف اور صرف انسانی جذبہ کے خاطر آقائے دوجہاں ﷺ نے وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ میں دعا کے لئے اپنے ہاتھ اٹھائے، اِدھر آپ ﷺ کی دُعا ختم ہوئی اور اُدھر مکہ مکرمہ میں زبردست بارش ہوئی اور پریشان حال مکہ کے لوگوں نے راحت وسکون کی سانس لی۔(۲)

نبی ﷺ کا ایک مظلوم تاجر کو اُس کا حق دلوانا

خدمت خلق کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ مظلوموں اور دبے کچلے لوگوں کو ان کا حق دلایا جائے، ان کے حقوق کی بحالی اور بازیابی کی کوششیں اور جدوجہد کی جائے، اس لئے کہ کمزور انسان پر جب ظلم ہوتو اپنی کمزوری کی وجہ سے اس کو اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا احساس بہت شدید ہوتا ہے، ایسے میں اگر کوئی اس کی ہمدردی اور مدد کے لئے کھڑا ہوجائے تو اس کمزور ومظلوم انسان کی ہمت بندھتی ہے، محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ مظلوموں کی مدد کے لئے ہمیشہ تیار رہتے اور ظلم کرنے والوں سے ان کا حق دلواتے۔

ایک مرتبہ بنوزبید قبیلہ کے آدمی سے عاص بن وائل نامی ایک شخص نے مال خریدا، لیکن قیمت کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے لگا، بنوزبید کے آدمی نے مختلف لوگوں سے مدد چاہی؛ لیکن لوگوں نے توجہ نہیں دی، جب مکہ کے بااثر لوگوں نے بنوزبید کے آدمی کے مسئلہ پر توجہ نہیں دی

(۱) سیرت رحمۃ اللعالمین: ۱/ ۲۶۵۔

(۲) حوالۂ سابق۔

تواس نے عرب کے عام رواج کے مطابق کھلے عام فریاد کی، اس موقع پر زبیر بن عبد المطلب کھڑے ہوئے اور مکہ کے چند شریف لوگوں کو ساتھ لے کر عبداللہ بن جدعان کے گھر پہنچے، وہاں جمع ہونے والے ان شرفاء مکہ نے طے کیا کہ ہم مظلوموں کا ساتھ دیں گے اور کمزوں کو ان کا حق دلوائیں گے؛ چنانچہ اسی مجلس میں بنوزبید کے آدمی اور عاص بن وائل کا مسئلہ حل کیا گیا، اس موقع پر ان لوگوں نے ''حلف الفضول'' کے نام سے ایک تنظیم بھی بنائی، آں حضرت ﷺ کی عمر مبارک اس وقت بیس سال تھی، آپ ﷺ سرگرم رکن کی حیثیت سے اس تنظیم میں شریک ہوئے، نبی بننے کے بعد بھی آپ ﷺ اس کا اظہار فرماتے تھے کہ اگر آج بھی مظلوموں کی نصرت وحمایت ایسی کوئی انجمن بنتی ہے اور اس میں مجھے شرکت کی دعوت دی جائے تو میں ضرور اس کو قبول کروں گا۔(۱)

ان واقعات میں خدمت خلق سے وابستہ افراد کے لئے پیغام یہ ہے کہ کسی پر ظلم ہوتا دیکھ کر خاموش تماشائی نہیں رہنا چاہئے، حتی المقدور اس کی مدد کرنی چاہئے، دوسرے یہ کہ سماج میں ظالموں کے مقابلہ کے لئے کمزوروں کی مدد کرنے اور انھیں انصاف دلانے کے لئے مختلف الخیال افراد اگر کوئی اجتماعی پروگرام بناتے ہیں، یا کوئی منصوبہ تیار کرتے ہیں تو اس میں شریک ہوکر ان کے معاون ومددگار بننا چاہئے، نہ یہ کہ ان سے دور اور الگ تھلگ رہیں۔

پڑوسیوں کے ساتھ نبی ﷺ کی ہمدردی وغم خواری

انسانوں کی خدمت اور راحت رسانی کے کاموں میں ایک اہم کام یہ ہے کو پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے، چاہے کسی بھی مذہب، فرقہ اور کمیونٹی سے ان کا تعلق ہو، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کے معنی یہ ہیں کہ خوشی وغمی اور دکھ درد میں ان کے شریک رہیں، اگر ان کے یہاں خوشی کا موقع ہو تو مبارک باد پیش کریں اور اگر مصیبت وغم کا ماحول ہو تو تسلی اور تعزیت کے کلمات کہیں، اسوۂ نبوی میں یہ باتیں واقعات کی شکل میں بھی موجود ہیں۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، ایک دن وہ بیمار ہوگیا، آپ ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، اس کے سرہانے بیٹھے، خیریت معلوم کی اور تسلی کے کلمات کہے، پھر اس لڑکے سے فرمایا: اسلام لے آؤ، یہودی لڑکے نے سوالیہ

---

(۱) خلاصہ مفہوم البدایہ والنہایہ: ۲/۱۹-۳۹۔

انداز میں اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس وقت پاس ہی کھڑا تھا، باپ نے اپنے بیمار لڑکے سے کہا، بیٹا! ابو القاسم حضرت محمد ﷺ کی بات مان لو، اس پر لڑکا اسلام لے آیا، اس کے بعد نبی ﷺ یہودی کے گھر سے یہ فرماتے ہوئے باہر نکلے ''الحمد لله الذی انقذہ من النار'' اللہ تعالیٰ ہی حمد و ثنا کے لائق ہے جس نے اس یہودی لڑکے کو دوزخ کی آگ سے بچایا، (۱) اندازہ ہوتا ہے کہ اس یہودی لڑکے کا گھر رسول اللہ ﷺ کے گھر سے قریب پڑوس ہی میں تھا، اس لئے وہ آپ ﷺ کی خدمت کے لئے روزانہ آجایا کرتا تھا، جب وہ بیمار ہوا تو آپ ﷺ نہ صرف پڑوسی ہونے کی حیثیت سے مزاج پُرسی کے لئے اس کے گھر تشریف لے گئے بل کہ نبی اور پیغمبر ہونے کی حیثیت سے اس کو قبول اسلام کی دعوت بھی دی، اس لئے کہ خدمت خلق کے کاز میں مادی اور روحانی اعتبار سے نفع بخشی کے دونوں پہلو نبی ﷺ کے پیش نظر رہتے تھے۔

یتیموں کے ساتھ نبی ﷺ کی خصوصی شفقت و محبت

مخلوق میں سب سے کمزور اور محبت و شفقت سے محروم طبقہ یتیم بچوں کا ہوتا ہے، ان معصوموں کا دُکھ درد کیا ہوتا ہے؟ اس کو دُرِّ یتیم حضرت محمد ﷺ سے بڑھ کر کون جان سکتا ہے؟ اس لئے آپ ﷺ نے یتیم بچوں کی کفالت و پرورش کی خاص طور پر ترغیب بھی دلائی اور اپنی ذات سے اُس کا عملی نمونہ بھی پیش فرمایا، آنحضرت ﷺ کے پیشِ نظر خالق کائنات اور مالک دو جہاں کا یہ حکم بھی تھا، جس میں آپ ﷺ کے واسطہ سے تمام انسانوں سے کہا گیا :

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ، وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ (۲)

آپ یتیم پر ظلم نہ کریں اور مانگنے والے کو نہ دُھتکاریں۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ عید کی نماز کے لئے عیدگاہ تشریف لے جارہے تھے، راستہ میں دیکھا عید کی خوشیوں کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے بچے کھیل کود میں مصروف ہیں، ان میں ایک لڑکا دوسرے بچوں سے الگ تھلگ ہو کر ایک کونے میں پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے رو رہا ہے، آپ ﷺ اس لڑکے کے قریب تشریف لے گئے اور بڑے پیار و محبت سے رونے کی وجہ معلوم کی

(۱) صحیح بخاری، ریاض الصالحین باب عیادۃ المریض۔

(۲) الضحیٰ: ۹-۱۰۔

اورفرمایا: تم ان بچوں کے ساتھ کیوں نہیں کھیلتے ہو؟ یہ لڑکا رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور سے واقف نہیں تھا، اس لئے پہچانا نہیں، روٹھے ہوئے اور روکھے انداز میں کہا: چچا جان! آپ مجھے میرے حال پہ رہنے دیں، اللہ کے رسول ﷺ نے بڑی محبت وشفقت کے ساتھ اس کے آنسو پوچھتے ہوئے پھر پوچھا: بیٹا! بتاؤ تو سہی تمہیں کیا ہوگیا تم اتنے غمزدہ کیوں ہو؟ اس پر لڑکا اپنا حال سنانے لگا، میرے والد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے تھے اور شہید ہوگئے، میری والدہ نے دوسرا نکاح کرلیا، ان دونوں نے میرا مال ہضم کرلیا، میرے سوتیلے باپ نے مجھے گھر سے نکال دیا، اب اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے، کاش میرا باپ زندہ ہوتا تو آج میں بھی کپڑے پہن کر ان بچوں کے ساتھ کھیلتا۔

لڑکے کی یہ باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنے سینہ مبارک سے چمٹا لیا اور فرمایا بیٹا! کیا تم اس پر راضی ہو کہ میں تمہارا باپ بن جاؤں، عائشہ تمہاری ماں ہو، فاطمہ حسن اور حسین تمہارے بھائی بہن ہوجائیں، یہ نام سنتے ہی وہ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور کو پہچان گیا اور آپ ﷺ کے قدموں سے لپٹ کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس سے بڑھ کر میری خوش نصیبی اور کیا ہوگی اس کے بعد آں حضرت ﷺ اس یتیم لڑکے کو اپنے گھر لے گئے، اُم المومنین حضرت عائشہؓ نے اس لڑکے کو نہلا دھلا کر اچھے کپڑے پہنائے اور کھانا کھلایا، یہاں تک کہ اپنے یتیمی کے دکھ درد کو بھول کر خوش ہوگیا پھر اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ ہنسی خوشی کھیلنے لگا۔(۱)

اختتامیہ

''خدمتِ خلق اور اُسوۂ نبوی'' مضمون کی مناسبت سے اختتام پر محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ کی شان میں پیش کئے ان اشعار کا نقل کردینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جن میں مخلوق کی نفع رسانی سے متعلق آنحضرت ﷺ کی صفات وخصوصیات کا نچوڑ وخلاصہ آ گیا......اس سلسلہ میں سب سے پہلے آپ ﷺ شفیق ومہربان چچا حضرت خواجہ ابوطالب کا شعر ملاحظہ ہو، آپ کے ایمان نہ لانے سے اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی دلی مراد پوری نہیں ہوئی؛ لیکن خدمتِ خلق کے حوالہ سے ابوطالب نے اپنا دلی احساس رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یوں بیان کیا ہے :

(۱) اخلاق نبوی واقعات کے آئینہ میں: ۱/۵۴۔

وابیض یستسقی الغمام بوجهه
ثمال الیتامٰی عصمة للارامل

وہ خوبصورت روشن ومنورہ چہرہ جس کے وسیلہ سے بارش
طلب کی جاتی ہے، وہ یتیموں کا سہارا اور بیواؤں کی
عفت وآبرو کا محافظ ہے۔(۱)

خواجہ الطاف حسین حالیؔ نے مخلوق کی خدمت اور راحت رسانی کے سلسلہ میں محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ کی لازوال اور بے مثال خدمات کو یوں خراج عقیدت ومحبت پیش کیا ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں :

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

● ● ●

(۱) صحیح بخاری، کتاب الاستقاء، باب سوال الناس بالامام الاستسقاء اذا قحطوم۔

سلسلۂ رسائل سیرت

۱۲

تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں تواضع وانکساری

مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی

ناشر

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

پیش لفظ

قرآن مجید نے اپنے لانے والے کی جو تصویر پیش کی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں، نہ آپ کی رحمت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے، نہ عربوں کے ساتھ، نہ کسی خاص رنگ و نسل کے لوگوں کے ساتھ؛ یہاں تک کہ آپ کی رحمت و شفقت بنی نوع انسان تک بھی محدود نہیں ہے؛ بلکہ آپ ﷺ نے دوسری مخلوقات کے ساتھ بھی رحم و کرم کی تعلیم دی ہے؛ مگر افسوس کہ غیر مسلم بھائی سیرت محمدی کے اس پہلو سے واقف نہیں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ صرف مسلمانوں کے پیغمبر اور محسن ہیں، مغربی مصنفین اگر بہت مہربان ہوں تو زیادہ سے زیادہ آپ ﷺ کو عربوں کا نبی قرار دیتے ہیں۔

اسی پس منظر میں سہ روزہ بین الاقوامی سیرت نبوی سیمینار — جو ۱۲-۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق: ۲۱-۲۳/ فروری ۲۰۱۶ء کو المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں منعقد ہو رہا ہے — کی مناسبت سے ۱۶/ رسائل کی ترتیب کا منصوبہ بنایا گیا، جس میں رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر رحمۃ للعالمینی کو پیش کیا جائے اور برادرانِ وطن کے درمیان آپ ﷺ کا صحیح تعارف کرایا جائے، کوشش کی گئی ہے کہ یہ رسائل مختصر ہوں، زبان آسان ہو اور ہر بات معتبر حوالہ سے کہی جائے، انشاء اللہ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ تک کوشش کی جائے گی کہ انگریزی اور ہندوستان کی تمام علاقائی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو جائے اور اسے بڑی تعداد میں برادرانِ وطن تک پہنچایا جائے۔

اسی سلسلہ کا ایک حصہ یہ رسالہ ''تعلیماتِ نبوی ﷺ میں تواضع و انکساری'' ہے، جس کو جناب مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی (استاذ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد) نے مرتب کیا ہے — **فجزاه الله خير الجزاء** — دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اس کے مقصد کے اعتبار سے مفید بنائے اور رسول اللہ ﷺ کے تعارف کی جو ذمہ داری اس اُمت پر ہے، اس کا کوئی حصہ اس کوشش کے ذریعہ ادا ہو سکے، **ربنا تقبل منا إنک أنت السميع العليم۔**

۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
۲۱/ فروری ۲۰۱۶ء

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تواضع اورانکساری ایک ایساانسانی وصف ہے جوانسان کی شخصیت سازی میں اہم کردارادا کرتا ہے، یہ وصف درحقیقت ایک انسان کواس سچائی سے آشنا کردیتا ہے کہ انسان ایک بندۂ عاجز ہے جواپنی زندگی کا ہرلمحہ خالق دوجہاں کے سہارے گذاررہا ہے، اپنی زبردست ذہنی ،فکری اوراختراعی صلاحیتوں کے باوجود وہ اپنے رب کے حضور سراپا احتیاج ہے، یہ صفت انسان کواس فریب سے بچائے رکھتی ہے کہ وہ ایک ایسا بندہ ہے جو آسمانوں کو چیرتا ہوا ساری رفعتیں اوربلندیاں اپنے نام کرسکتا ہے،اسی طرح وہ زمین کو پھاڑتا ہواتمام خزانوں کا مالک بن کرنا قابل تسخیر بن سکتا ہے،ابلیس کواس کے اسی تکبر نے قیامت تک کے لئے رب کی رحمت سے دُور کردیا، اوراسے عزت کی بلندی سے اُتارکرذلت کی پستی میں دھکیل دیا۔

یہی وجہ ہے کہ انسانوں میں سب سے مقدس ہستیاں انبیاء ورسل تکبراورتعلّی کی ناپسندیدہ صفت سے پاک تھے؛ بلکہ وہ تواضع وانکساری سے آراستہ اورمزین تھے،اورانبیاء ورسل میں سب سے افضل خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اوصاف حمیدہ کے ساتھ ساتھ تواضع اورانکساری میں بھی سب کے لئے بہترین نمونہ تھے،سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہرطالب علم اچھی طرح جانتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی تواضع اورانکساری سے عبارت تھی۔

تواضع کیا ہے؟

حسن بصریؒ سے تواضع کے بارے میں پوچھا گیاتوانھوں نے فرمایا:تم گھر سے نکلوتوجس مسلمان سے بھی تمہاری ملاقات ہو،اسے تم خود سے افضل سمجھو،(۱)فضیل بن عیاض سے پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:حق کے سامنے جھک جاؤ،اورجس سے بھی حق سنوقبول کرلو،چاہے بچے سے یاجاہل نادان سے،(۲)حضرت یحی بن ابی کثیرؒ فرماتے ہیں :

(۱) التواضع والخمول لابن ابی الدنیا:۱۵۲۔

(۲) التواضع والخمول:۱۱۸۔

رأس التواضع ثلاث : أن ترضى بالدون من شرف المجلس وأن تبدأ من لقيته بالسلام وأن تكره من المدحة والسمعة والرياء بالبر ۔ (۱)

تین باتیں تواضع کی اساس ہیں: ایک یہ کہ محفل میں عزت افزائی کے کم سے کم درجہ پر راضی ہوجائے ، دوسرے یہ کہ جس سے بھی ملاقات ہو سلام کرنے میں پہل کرے، تیسرے یہ کہ نیکی پر تعریف، دکھاوا اور ریاکاری ناگوار ہو۔

تواضع وانکساری کی اہمیت

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نیک بندوں کے مومنانہ اوصاف کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۔ (۲)

رحمٰن کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب نادان لوگ ان سے اُلجھتے ہیں تو سلام کہہ کر گذر جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بطور خاص رسول اللہ ﷺ کو یہ ہدایت فرمائی :

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ (۳)

مسلمانوں میں سے جنھوں نے آپ کی اتباع کی ہے، ان کے لئے اپنے بازو کو پست رکھئے۔

مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے :

من تواضع لله درجة رفعهٗ الله درجة حتى يبلغ اعلى عليين ومن تكبر على الله درجة وضعهٗ الله درجة حتى

---

(۱) التواضع والخمول لابن ابی الدنیا: ۱۵۴۔

(۲) الفرقان: ۶۳۔

(۳) الشعراء: ۲۱۵۔

یبلغ فی اسفل السافلین ۔ (۱)

جوشخص اللہ کے لئے ایک درجہ تواضع اختیار کرتا ہےتو اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اعلیٰ علیین تک پہنچ جاتا ہے،اور جوشخص اللہ سے ایک درجہ تکبر کرتا ہےتو اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ گھٹا دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اسفل سافلین تک پہنچ جاتا ہے۔

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے پوری تاکید کے ساتھ فرمایا :

ان اللہ اوحی الیّ أن تواضعوا حتی لا یفخر احد علی احد ولا یبغی احد علی احد ۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل کی ہے کہ تم سب تواضع اختیار کیا کرو، یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور کوئی کسی پر ظلم نہ کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

ما نقصت صدقة من مال ومازاد اللہ عبدا بعفو الا عزا وما تواضع احد للہ الا رفعهٔ اللہ ۔(۳)

صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا،عفو درگذر کرنے سے اللہ تعالیٰ بندہ کی عزت ہی میں اضافہ کرتا ہے،اور جو کوئی اللہ کے لئے جس قدر تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسی قدر اسے بلندی عطا کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

من ترک اللباس تواضعا للہ وھو یقدر دعاہ اللہ یوما القیامة علی رؤوس الخلائق حتی یخیرهٔ من ای حلل الایمان شاء یلبسها ۔ (۴)

---

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۱۷۴۲۔

(۲) ابوداؤد، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۴۸۹۷، ابن ماجہ، کتاب الزہد، حدیث نمبر: ۴۱۷۹۔

(۳) مسلم، کتاب البر والصلة، حدیث نمبر: ۲۵۸۸۔

(۴) مستدرک حاکم، کتاب اللباس، حدیث نمبر: ۷۳۷۲، مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۵۶۶۹۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع کے مقصد سے پسندیدہ لباس چھوڑ دیتا ہے، جب کہ وہ اس کی قدرت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن تمام مخلوق کے سامنے بلائے گا اور اسے اختیار دے گا کہ وہ ایمان کے جوڑوں میں سے جس قسم کا جوڑا چاہے زیب تن کر لے۔

آپ ﷺ نے فرمایا :

لا تقوموا کما تقوم الا عاجم یعظم بعضه بعضاً ۔ (۱)

ایک دوسرے کا احترام کرنے کی غرض سے کھڑے نہ ہوا کرو، جیسے عجمی لوگ کیا کرتے ہیں۔

آپ ﷺ کی ایک خاص دُعاء

حضرت ابوسعید خدری ؓ فرماتے ہیں :

احبوا المساکین فانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول فی دعائه اللهم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرة المساکین یوم القیامة ۔ (۲)

مساکین سے محبت کرو؛ کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی دُعا میں یہ کہتے ہوئے سنا ہے: اے اللہ! مجھے مسکین کی حالت میں زندہ رکھ، اور مسکین ہی کی حالت میں موت دے، اور قیامت کے دن مساکین کے زمرہ میں میرا حشر فرما۔

امتیازی شان کے اظہار سے اجتناب

بادشاہ وقت جب عوام الناس کے سامنے نکلتا ہے تو ان کی شان وشوکت کا خوب مظاہرہ ہوتا ہے، ہٹو بچو کی صدائیں بلند ہوتی ہیں، عوام سے خطاب کے لئے جب وہ جلوہ گر ہوتے ہیں تو تخت شاہی کو آراستہ کر دیا جاتا ہے، جس سے سب کی نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں، دنیا کے حکام

---

(۱) ابوداؤد، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۵۲۳۲۔

(۲) ابن ماجہ، کتاب الزہد، حدیث نمبر: ۴۱۲۶، بسند صحیح۔

و بادشاہوں کی اس روش سے ہٹ کر رسول رحمت ﷺ کی زندگی بالکل مختلف تھی، آپ ﷺ عرب کے معزز قبیلہ قریش کے ایک نامور خاندان بنو ہاشم سے تعلق رکھتے تھے، پورے جزیرۃ العرب پر آپ ﷺ کا رُعب ودبدبہ قائم ہو چکا تھا، صحابہ آپ ﷺ کے اشاروں کے منتظر رہا کرتے تھے، اس کے باوجود آپ ﷺ کی طبیعت میں بڑائی کا کوئی احساس نہیں تھا، جب آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ چلتے تو لوگوں میں گھل مل کر چلتے تھے، آپ کی کوئی امتیازی شان نہیں ہوتی تھی، حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے درمیان بیٹھا کرتے تھے، جب کوئی اجنبی شخص آتا تو اسے پتہ نہ چلتا کہ ان میں سے آپ ﷺ کون ہیں، یہاں تک کہ اسے پوچھنا پڑتا؛ چنانچہ ہم لوگوں نے آپ ﷺ سے گذارش کی کہ آپ کے لئے ایک جگہ مخصوص بنادی جائے؛ تاکہ جب کوئی اجنبی آئے تو آپ ﷺ کو پہچان لے؛ چنانچہ ہم نے آپ ﷺ کے لئے ایک چبوترہ بنادیا، آپ ﷺ اسی پر بیٹھا کرتے، اور ہم لوگ آپ ﷺ کے پہلو میں قطار میں بیٹھ جاتے، (۱) —— ایک شخص نے ان سے کہا: اے محمد! اے ہمارے سردار! ہم سب سے اچھے! ہم میں سب سے اچھے شخص کے بیٹے! تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں محمد بن عبد اللہ ہوں، میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ تم میرا درجہ اس مقام سے بڑھاؤ جو مقام اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے۔(۲)

چھوٹوں کو سلام کرنا

بڑوں کا حق ہے کہ چھوٹے انھیں سلام کریں؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر بڑے چھوٹوں کو سلام کریں تو اس میں بڑوں کے لئے کوئی توہین ہے، یا اس کی وجہ سے ان کے رتبہ میں کمی نہیں آجاتی، عام طور پر بڑائی کا احساس چھوٹوں کو سلام کرنے سے روکتا ہے، تواضع اور انکساری کی صفت سے جو آراستہ ہوتا ہے وہ چھوٹوں کو سلام کرنے میں تأمل نہیں کرتا، حضرت انس ؓ کا گذر بچوں کے پاس سے ہوا، تو انھوں نے بچوں کو سلام کیا، اور فرمایا کہ نبی ﷺ بھی بچوں کو سلام کیا کرتے تھے۔(۳)

---

(۱) کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۴۹۹۱۔

(۲) السنن الکبریٰ للنسائی، حدیث نمبر: ۱۰۰۰۷۔

(۳) بخاری، باب التسلیم علی الصبیان، حدیث نمبر: ۵۸۹۳۔

بکریاں چرانا

حلال کمائی کا کوئی بھی پیشہ حقیر نہیں ہوتا اور نہ وہ باعث اہانت ہوتا ہے، عام طور پر لوگ کچھ پیشوں کو حقیر اور باعث ذلت سمجھتے ہیں؛ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ باعث ذلت پیشہ وہ ہے جس کی کمائی حلال نہ ہو؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

ما بعث الله نبيا الا رعى الغنم فقال صحابهٗ : و انت ؟
فقال : نعم ، كنت ارعاها على قراريط لاهل مكة ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا، انھوں نے بکریاں چرائی، صحابہ نے پوچھا: اور آپ نے بھی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، میں بھی مکہ والوں کی بکریاں چند قیراط کے عوض چرایا کرتا تھا۔

زندگی میں سادگی

عرب کا عام آدمی جس طرح زندگی گزارتا تھا آپ ﷺ کی زندگی ان سے مختلف نہ تھی، آپ ﷺ سب کے سردار تھے سب آپ ﷺ کو دل و جان سے چاہتے تھے، سب حد درجہ آپ ﷺ کا احترام کرتے تھے، لوگ آپ ﷺ کے ایک ایک اشارہ پر اپنی جان نچھاور کرنے کے لئے تیار رہتے تھے اس کے باوجود آپ ﷺ بادشاہوں کی طرح شان و شوکت کا اظہار نہیں فرماتے، زمانہ کا رواج تھا کہ بادشاہ اور سردار لوگ اپنی امتیازی شان کا مظاہرہ کرتے تھے، راہ چلتے ہوئے کسی عام انسان کو اپنی سواری پر بٹھانا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے، ان کے کھانے کا مخصوص انداز ہوتا تھا، اپنی غذا اونچی جگہ یعنی مخصوص ٹیبل پر ہی رکھ کر کھاتے تھے، کسی غلام کی دعوت کو قبول کرنا ان کے لئے بارِ خاطر ہوتا تھا اور اس زمانہ کی عام سواری گدھا پر سوار ہونا باعث ننگ سمجھتے تھے؛ جب کہ اس کے برعکس آپ ﷺ کی زندگی بالکل سادہ تھی، حضرت انسؓ فرماتے ہیں :

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يردف خلفهٗ
ويضع طعامهٗ على الارض ويجب دعوة المملوک
ويركب الحمار ۔ (۲)

---

(۱) بخاری، کتاب الاجارہ، حدیث نمبر: ۲۱۴۳، عن ابی ہریرہؓ ۔ (۲) حاکم، کتاب الأطعمہ، حدیث نمبر: ۷۱۲۸ ۔

آپ ﷺ سواری پر کسی کو بٹھا لیتے ، اپنی غذا کو زمین پر رکھ لیتے ، غلام کی دعوت قبول کر لیتے اور گدھے کی سواری استعمال کر لیتے ۔

حاجت مندوں کی خدمت

بارہا دیکھا گیا ہے کہ غریب اور مفلس لوگ بڑے بڑے سیٹھ جی کے دروازوں پر گھنٹوں انتظار میں کھڑے ہوتے ہیں، اور جب سیٹھ جی کی تشریف آوری ہوتی ہے تو قطار میں کھڑے ہو کر لوگ سیٹھ جی کے عنایتوں سے فیضیاب ہوتے ہیں؛ لیکن ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو غریبوں کی جھونپڑی میں چپکے سے جاتے ہوں، اور مالی امداد کر کے چپکے سے چلے آتے ہوں، اس انداز سے نیکی کرنے میں لوگ اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں ؛ لیکن محسن انسانیت ﷺ بغیر کسی تکلف کے بیواؤں اور مسکینوں کے ساتھ چلے جاتے اور ان کی حاجت پوری فرما دیتے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں :

كانت الامة من اماء اهل المدينة لتأخذ بيد رسول الله صلى الله عليه وسلم فتنطلق به حيث شاءت ۔ (۱)

مدینہ والوں کی کوئی بھی باندی آتی اور رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی لے جاتی ، یعنی معاشرہ کے ان کمزور طبقات کو رسول اللہ ﷺ سے فریاد کرنے میں کوئی تأمل نہیں ہوتا اور آپ بھی ان کی حاجت فوری طور پر پوری فرما دیتے۔

حدیث میں ہے کہ ایک آدمی یا ایک سیاہ رنگت والی عورت مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی ، رات میں اس کا انتقال ہو گیا ، صحابہ نے اس کی تدفین کر دی ، آپ ﷺ نے اس خادم یا خادمہ کو نہیں پایا تو اس کے بارے میں دریافت فرمایا، صحابہ نے کہا: اس کا رات میں انتقال ہو گیا اور ہم لوگوں نے اس کی تدفین بھی کر دی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے مجھے اس کے انتقال کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟ صحابہ نے گویا اس کے واقعہ کو ایک معمولی واقعہ سمجھا اور اس بنا پر نبی ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دینا ضروری نہیں سمجھا؛ لیکن آپ ﷺ نے اس کی قبر کے بارے میں دریافت کیا، اور اس کی نماز جنازہ وہاں جا کر پڑھی، اور فرمایا :

---

(۱) بخاری، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۵۷۲۴۔

ان هذه القبور مملوئة ظلمة على أهلها وان الله ينورها لهم بصلوتى عليها ۔ (۱)

یہ قبریں اصحابِ قبر کے لئے تاریکیوں سے پُر ہوتی ہیں، ان پر میری نماز جنازہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان قبروں کو روشن کر دیتا ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر

دنیا کے بادشاہ جب کوئی علاقہ فتح کرتے ہیں تو بستی میں عام تباہی مچا دیتے ہیں، قرآن میں دنیا کے بادشاہوں کی فسادانگیز فطرت کو یوں بیان کیا گیا ہے :

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۔ (۲)

بادشاہ جب کسی بستی میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں تو اس میں فساد مچا دیتے ہیں اور بستی کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔

لیکن فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ تشریف لا رہے تھے تو دیکھا گیا کہ آپ ﷺ کا سر مبارک جھکا ہوا ہے، اور اس قدر جھکا ہوا ہے کہ آپ ﷺ کا سر مبارک اونٹنی کے کوہان سے لگ رہا ہے اور مکہ تشریف لانے کے بعد چند بڑے بڑے مجرمین کے سوا تمام مجرمین اور کفار کو عام معافی دے دی گئی۔

گھریلو زندگی

رسول اللہ ﷺ کی گھریلو زندگی بھی بڑی سادہ تھی، اور گھر کے افراد کے درمیان اپنی برتری کا اظہار بالکل نہ فرماتے تھے، گھر میں آپ کی نشست و برخواست تواضع وانکساری کو ظاہر کرتی تھی، گھریلو زندگی میں روزمرہ کے کام کرنے سے ہرگز نہ ہچکچاتے تھے، بلا تکلف گھر کے کاموں میں اپنی ازواج کا ہاتھ بٹاتے تھے، حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ فرماتے ہیں : رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

انما انا عبد أكل كما يأكل العبد واجلس كما يجلس العبد ۔ (۳)

---

(۱) مسلم، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۹۵۶۔ (۲) النمل: ۳۴۔ (۳) مسند ابویعلی، حدیث نمبر: ۴۹۲۰۔

میں تو ایک بندہ ہوں، کھانا کھاتا ہوں، جیسے ایک بندہ کھانا کھاتا ہے
اور ایسے بیٹھتا ہوں جیسے کوئی بندہ بیٹھتا ہے۔(۱)

جب حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی سرگرمیاں گھر میں کیا ہوتی ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا :

ما کان الا بشرا من البشر یفلی ثوبہٗ ویحلب شأتہٗ ویخدم نفسہٗ ۔ (۲)

آپ ﷺ بس ایک بشر تھے، اپنے کپڑے کی دیکھ بھال کر لیتے، اپنی بکری دودھ لیتے اور خود کے کام کر لیتے تھے۔

معمولی ہدیہ قبول کرنا

سماجی زندگی میں ہدیہ دینا اور ہدیہ قبول کرنا پسند کیا جاتا ہے، اس سے انسان کو خوشی حاصل ہوتی ہے، آپس میں محبت واُلفت پیدا ہوتی ہے، ایک حدیث میں ہدیہ دینے اور ہدیہ قبول کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔(۳)

الغرض تحفہ دینا اور قبول کرنا آپسی محبت میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے؛ لیکن لوگ اس موقع پر بھی اپنی برتری کا مظاہرہ کرتے ہیں، معاشرہ کے بااثر اور بڑے لوگوں کی طرف سے ہدیہ آئے تو پوری خوش دلی کے ساتھ اسے قبول کر لیا جاتا ہے؛ لیکن اگر کوئی عام آدمی خلوص کے ساتھ کوئی چیز ہدیہ دے تو اسے قبول کرنے میں لوگ تأمل کرتے ہیں؛ بلکہ ان کا ہدیہ قبول کرنا انھیں ناگوار معلوم ہوتا ہے، اسی طرح اگر کسی کو کوئی معمولی سی چیز بطور ہدیہ دی جائے، تو بسا اوقات اپنی ناراضگی کا اظہار کر دیتے ہیں یا بادل ناخواستہ اسے قبول کرتے ہیں، عام طور سے یہ کیفیت تکبر کے سبب پیدا ہوتی ہے، تکبر کے سبب انسان کو ایک عام آدمی کی جانب سے کوئی معمولی سا ہدیہ اس کے مقام ومرتبہ کے لحاظ سے معمولی نظر آتا ہے اور اس کو قبول کر لینا وہ اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے؛ لیکن ایک ایسا شخص جس کے دل میں تکبر کا شائبہ تک نہ ہو، کسی بھی عام آدمی کا ہدیہ قبول کرنے میں تأمل نہیں کرتا، رسول اکرم ﷺ نہایت متواضع تھے، اسی لئے آپ ﷺ کسی بھی عام آدمی کی

---

(۱) الانوار فی شمائل النبیؐ المختار۔ (۲) صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۵۶۷۵۔

(۳) الادب المفرد، باب قبول الہدیہ، حدیث نمبر: ۵۹۴۔

دعوت قبول کر لیتے اور اس کے ہدیہ کو بھی بخوشی قبول کر لیتے، حضرت ابو ہریرہؓ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

لو دعیت الی ذراع أو کُراع لاجبت ولو اهدی الیّ ذراع أو کراع لقبلت ۔ (۱)

اگر مجھے گائے یا بکری کے دست یا پائے کی دعوت دی جائے تو میں اس دعوت کو قبول کر لوں گا اور اگر مجھے گائے یا بکری کے دست یا پائے بطور ہدیہ دیا جائے تو میں اس ہدیہ کو قبول کر لوں گا۔

بستر استراحت

حضرت عمرؓ تمام انسانوں کے سردار خاتم النبیین ﷺ کے بستر استراحت کا حال یوں بیان فرماتے ہیں :

میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں، آپ ﷺ کے جسم اطہر اور چٹائی کے درمیان کوئی چیز حائل نہ تھی، آپ ﷺ کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا، جس میں گھاس بھری ہوئی تھی، اور آپ ﷺ کے قدموں کے پاس درخت کے بھیگے ہوئے پتے پڑے ہوئے تھے، آپ ﷺ کے سر مبارک کے پاس اوپر کھال لٹکی ہوئی تھی۔

آگے مزید نقل کرتے ہیں :

میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے پہلو مبارک پر چٹائی کا نشان پڑ چکا ہے، بے ساختہ میرے آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، رسول اکرم ﷺ نے پوچھا: تم کیوں رو دیئے؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ جانتے ہیں کہ یہ قیصر و کسریٰ کے بادشاہ کیسی پر تعیش زندگی گذار رہے ہیں؛ جب کہ آپ تو اللہ کے رسول ہیں، آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لئے یہ پر تعیش زندگی دنیا میں ہو، اور ہمارے لئے آخرت میں۔(۲)

(۱) بخاری، کتاب الھبہ، حدیث نمبر: ۲۴۲۹۔ (۲) بخاری، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۴۶۲۹۔

سلسلۂ رسائل سیرت
۱۳

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انسانی مساوات

مولانا محمد احسان الحق مظاہری

ناشر
المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

پیش لفظ

قرآن مجید نے اپنے لانے والے کی جو تصویر پیش کی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں، نہ آپ کی رحمت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے، نہ عربوں کے ساتھ، نہ کسی خاص رنگ ونسل کے لوگوں کے ساتھ؛ یہاں تک کہ آپ کی رحمت وشفقت بنی نوع انسان تک بھی محدود نہیں ہے؛ بلکہ آپ ﷺ نے دوسری مخلوقات کے ساتھ بھی رحم وکرم کی تعلیم دی ہے؛ مگر افسوس کہ غیر مسلم بھائی سیرت محمدی کے اس پہلو سے واقف نہیں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ صرف مسلمانوں کے پیغمبر اور محسن ہیں، مغربی مصنفین اگر بہت مہربان ہوں تو زیادہ سے زیادہ آپ ﷺ کو عربوں کا نبی قرار دیتے ہیں۔

اسی پس منظر میں سہ روزہ بین الاقوامی سیرت نبوی سیمینار — جو ۱۲-۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق: ۲۱-۲۳؍ فروری ۲۰۱۶ء کو المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں منعقد ہو رہا ہے — کی مناسبت سے ۱۶؍ رسائل کی ترتیب کا منصوبہ بنایا گیا، جس میں رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر رحمۃ للعالمینی کو پیش کیا جائے اور برادرانِ وطن کے درمیان آپ ﷺ کا صحیح تعارف کرایا جائے، کوشش کی گئی ہے کہ یہ رسائل مختصر ہوں، زبان آسان ہو اور ہر بات معتبر حوالہ سے کہی جائے، انشاء اللہ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ تک کوشش کی جائے گی کہ انگریزی اور ہندوستان کی تمام علاقائی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو جائے اور اسے بڑی تعداد میں برادرانِ وطن تک پہنچایا جائے۔

اسی سلسلہ کا ایک حصہ یہ رسالہ ''علم کی حوصلہ افزائی اور اُسوۂ نبوی ﷺ'' ہے، جس کو جناب مولانا محمد احسان الحق مظاہری (استاذ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد) نے مرتب کیا ہے — **فجزاہ اللہ خیر الجزاء** — دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اس کے مقصد کے اعتبار سے مفید بنائے اور رسول اللہ ﷺ کے تعارف کی جو ذمہ داری اس اُمت پر ہے، اس کا کوئی حصہ اس کوشش کے ذریعہ ادا ہو سکے، **ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم**۔

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

۱۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
۲۱؍ فروری ۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیدالکونین پیغمبر اسلام کی بارگاہ میں انسانی مساوات کا یہ عالم تھا کہ امیر وغریب، عربی وعجمی، شہری ودیہاتی شاہ وگدا، آقا وغلام، اپنے اور بے گانے، چھوٹے اور بڑے سبھی یکساں تھے؛ البتہ اور مساوات کے یہ معنی نہیں کہ ایک ناخواندہ بمقابلہ عالم، ایک غدار بمقابلہ وفادار اور ایک احسان فراموش بمقابلہ احسان شناس یکساں وبرابر ہوں؛ بلکہ معنی یہ ہیں کہ ہر شخص کو شرعی، قانونی واخلاقی اعتبار سے وہ تمام حقوق ومراعات حاصل ہوں، جو ملک کے دوسرے شہریوں کو حاصل ہیں، آیئے دیکھتے ہیں پہلے ارشادات ربانی جن میں خود خدائے عز وجل نے انسانی مساوات کا ذکر فرمایا ہے، ارشاد ہے :

وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۔ (١)

ہم نے اولاد آدم کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا پاکیزہ نفیس چیزیں ان کو عطا فرمائیں اور ہم نے ان کو اپنی تمام مخلوقات پر فوقیت دی۔

یہ عزت وتکریم نوع انسانی میں صرف مسلمانوں کے لئے خاص نہیں؛ بلکہ عالم انسانیت کے ہر فرد کو شامل ہے، اس حرمت وفضیلت میں فرمانبردار اور نافرمان مسلم وغیر مسلم سب داخل ہیں، دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہے :

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۔ (٢)

---

(١) بنی اسرائیل: ٧٠۔

(٢) النساء: ١۔

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک ہی جان یعنی آدم سے پیدا کیا اور اسی جان سے اسی کا جوڑا (حواء) کو بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پیدا کر کے پھیلا دیئے۔

معلوم ہوا کہ سارے انسان ایک ہی جوڑے سے ہیں اور نسبی طور پر سب بھائی بھائی ہیں، اس اعتبار سے سب ایک دوسرے کے برابر ہیں اور معاشرتی زندگی میں اسلام نے ایک ہی خون کے رشتہ کی بنیاد پر پوری نوع انسانی کو ایک برادری بنایا ہے، پیغمبر اسلام ﷺ نے صرف مسلمانوں ہی کو نہیں دنیا کے تمام انسانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے :

أنا شهيد ان العباد كلهم اخوة ۔ (۱)

میں گواہ ہوں کہ سارے انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

ایک تیسری جگہ خالق و مالک نے تمام انسانوں کو مخاطب کر کے عالمی منشور کا اعلان کیا :

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۔ (۲)

اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، تم کو مختلف خاندانوں میں قبیلوں میں ایک دوسرے کو پہچاننے کے لئے یہ تقسیم اور رنگا رنگی رکھی ہے، تم میں سب سے زیادہ عزت کا مستحق وہ ہے جو سب سے زیادہ اپنے پروردگار سے ڈرتا ہو۔

یہ ایک ایسا زبردست انقلابی بین الاقوامی اعلان قرآن مجید کے ذریعے کیا گیا، جس نے طبقاتی نظام ختم کر کے رکھ دیا، برادری واد کی جڑیں ادھیڑ کر رکھ دیں اور انسانوں کے درمیان تحقیر و اہانت کے مختلف طریقوں کو نیست و نابود کر دیا، قرآن کریم نے ایک بات بار بار کہی ہے کہ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا ہے، ان ہی سے انسانی آبادی بڑھی ہے، اس میں منشاء ربانی یہ ہے کہ سارے انسانوں کی بنیاد ایک ہے اور جب نسل انسانی کی بنیاد ایک ہے تو انسان اور انسان کے درمیان فرق غیر منطقی بات ہے۔

---

(۱) ابوداؤد، باب ما قول اذا اسلم، حدیث نمبر: ۱۰۰۸۔

(۲) الحجرات: ۱۳۔

مساوات اور دیگر اقوام وملل

کسی مذہب کے عالمگیر اور تمام انسانیت کا مذہب بننے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی تعلیمات کے لحاظ سے عالمگیر ہو، وہ تمام انسانیت کو ایک نظر سے دیکھتا ہو، ایسا نہ ہو کہ اس نے انسانیت کو مختلف طبقوں میں تقسیم کر رکھا ہو، اسی لئے اسلام آپسی تفریق وامتیاز، تقسیم وفرقہ بندی کو روانہیں رکھتا، اسلام ہر اعتبار سے انسانوں کو برابر گردانتا ہے، نسل وخاندان میں نہ رنگ وروپ میں، نہ مال ودولت میں اور نہ ہی تعلیم وتربیت میں کسی قسم کا امتیاز رکھتا ہے، جو بھی انسان اس دنیائے آب وگل میں قدم رکھتا ہے وہ دیگر انسانوں کی طرح اپنے حقوق میں یکساں مستحق ہے، یہی خصوصیت ہے جو اسلام کو دیگر مذاہب سے ممتاز کرتی ہے، دیگر ملکوں اور قوموں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ لوگوں نے خدا کے بندوں کے درمیان حسب ونسب، رنگ ونسل، ملک و وطن دولت ووجاہت اور صنعت وحرفت کے اعتبار سے ادنیٰ واعلیٰ کی دیواریں قائم کردی۔

خود ہمارے ملک بھارت نے اپنے سوا سب کو ملیچھ قرار دیا اور اپنے کو چار ذاتوں برہمن چھتری ویش اور شودر میں تقسیم کیا اور برتری یوں ظاہر کی کہ برہما سے مراد خدا کی ذات ہے، برہمن کا لفظ ہی اس طبقہ کی خدا سے قربت کو بتلاتا ہے، برہمن بنیادی طور پر مذہبی نمائندہ ہے، وید کی تعلیم حاصل کرنا اور نذر ونیاز قبول کرنا صرف برہمن کا حق ہے، وہ پیدائشی طور پر مخلوق میں اعلی درجہ کا حامل ہے، جو کچھ اس دنیا میں ہے اصل برہمن کا ہے، جن جرائم میں دیگر لوگوں کے لئے سزائے موت ہے، اس جرم میں برہمن کا صرف سر مونڈا جا سکتا ہے، دس سال کا برہمن سو سال کے چھتری کے لئے باپ کا درجہ رکھتا ہے، وہ ہر طبقہ کی عورت سے شادی کرسکتا ہے؛ لیکن کسی دوسرے طبقہ کا آدمی برہمن عورت سے نکاح نہیں کرسکتا، تاہم برہمن اگر شودر عورت سے نکاح کرتا ہے تو گویا اپنے آپ کو جہنم کا مستحق بتاتا ہے، برہمن خواہ کتنا ہی برا عمل کرے، وہ تعظیم واحترام کا مستحق ہے چھتری کا کام دان دکشنا دینا ہے، چڑھاوے چڑھانا اور فوج کی طرح حفاظت وصیانت کا کام انجام دینا ہے، ویش تجارت وزراعت اور مویشی پالن کریں گے اور دان وخیرات دیں گے، افسوس کہ اس میں بدقسمت طبقہ شودروں کا ہے، ان کے بارے میں یہ ہے کہ وید کی تعلیم حاصل نہیں کرسکتے، برہمن کے ساتھ بیٹھ نہیں سکتے، ان کا سب سے اہم کام پورے اخلاص سے برہمنوں

کی خدمت واطاعت کرنا ہے، حدتو یہ ہے کہ اونچی ذات پر ہاتھ اُٹھائے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے، گالی دے تو تالو سے زبان کھینچ لی جائے، یہاں تک کے کتے، بلی، مینڈک چھپکلی، کوے، الواور شودر کے مارنے کا کفارہ برابر ہے۔(۱)

غرض یہ کہ ان میں عزت اور شرافت کی ترتیب قائم کی گئی، ذاتی صلاحیت وقابلیت کی کوئی قدر نہ تھی، ادنی سمجھے جانے والے طبقوں پر ترقی کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند تھے، ان کا مقصد زندگی اعلیٰ طبقوں کی خدمت کرنا تھا، قدیم فارس اور رومانے اپنے سوا بقیہ قوموں کو غلامی کے لئے مخصوص کرلیا تھا، یہود آج بھی اپنے آپ کو خدا کی اولاد قرار دے کر سب کو چنڈال قرار دے رہے ہیں، یورپ انسانی محبت ومساوات کو دعوے کے باوجود سفید آدمی کو تہذیب وتمدن کا ٹھیکہ دار قرار دیتا ہے، سیاہ فام قومیں اس کی برابری کے لائق نہیں، دینا نے اس سے بڑھ کر یہ تفرقے اور امتیازات خدا کے گھروں میں بھی قائم کئے، کالوں کے گرجے الگ اور گوروں کے الگ، خدا کے یہ دونوں کالے اور گورے بندے ایک ساتھ خدا کے آگے بھی نہیں جھک سکتے۔

پیغمبر اسلام کا درس مساوات

سچ یہ ہے کہ جب پیغمبر اسلام ﷺ کی عالمگیر دعوت کی آواز بلند ہوئی تو انسان لفظ مساوات سے ناآشنا تھا، ایسے تعصب اور نفرت وافراتفری کے ماحول میں پیغمبر اسلام نے دنیا کو انسانی مساوات کا درس دیا، تمام تفرقوں کو مٹایا، خودساختہ امتیازات کو ختم کیا، ہر جگہ اور ہر حیثیت سے تمام انسانوں کو مساوی قرار دیا آپ ﷺ نے عملی طور پر یہاں تک بتایا کہ کوئی ہم نشینوں اور ہمراہیوں میں ممتاز ہوکر نہ رہے، اسی لئے جب بھی کوئی کام پڑا آپ نے رفقاء کے ساتھ مل کر انجام دیا؛ چنانچہ ایک سفر میں کھانا تیار کرنے کی ضرورت پڑی، تمام صحابہ نے کھانا پکانے کے لئے سامان مہیا کرنے کا مشورہ کیا، سبھوں نے ایک ایک کام اپنے ذمہ لیا، اس موقع پر جنگل سے لکڑیاں لانے کا کام آنحضرت ﷺ نے اپنے ذمہ لیا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کام ہم خدام کرلیں گے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں سچ ہے؛ لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اپنے کو تم سے ممتاز کروں، خدا اس بندے کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ہمراہیوں میں ممتاز بنتا ہے۔(۲)

---

(۱) مستفاد از: منوسمرتی باب دہم بحوالہ، راہ عمل: ۴۲۳۔

(۲) خلاصہ از: سیر سید البشر: ۱/۸۷، اور شرف المصطفی: ۳/۴۷۸، واقعہ نمبر: ۱۶۱۲)

وہ قریش جن کو اپنے حسب ونسب پر غرور و ناز تھا فتح مکہ کے دن کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر آپ نے ان کو مخاطب کر کے بتایا :

یا معشرا قریش ! ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ و تعظیمھا بالآباء الناس من آدم و آدم من تراب ۔ (۱)

اے قریش کے لوگوں! اب جاہلیت کے غرور اور نسب کے فخر کو خدا نے مٹا دیا، تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔

اعلان نبوت نے واضح فرما دیا کہ خدا کے نزدیک حسب ونسب قوم وبرادری، شکل وصورت، مال ودولت، پیشہ وحرفت وغیرہ کی وجہ سے انسان اور انسان کے درمیان فرق روا نہیں رکھا جا سکتا النفس بالنفس، (۲) جان کے بدلے جان، یہی قریش ہیں جو اپنے کو حمس کہلاتے تھے اور حج میں یہ لوگ حدود حرم سے باہر نکلنے کو کسر شان سمجھتے تھے، اس لئے عرفات نہ جا کر منیٰ سے واپس ہو جاتے تھے، آپ ﷺ نے اس امتیاز اور برتری کو ختم کیا اور عرفہ کے وقوف کو فرض اور لازم قرار دیا۔

۱۰ھ ہجری حجۃ الوداع کے موقع پر معلم انسانیت، محسن اعظم پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بہت بڑے مجمع کے سامنے آخری خطاب عام میں پوری انسانیت کو مساوات کا پیغام دے کر ایک اہم منشور انسانی کا اعلان فرمایا :

ان ربکم واحد و ان اباکم واحد، کلم بنو آدم و آدم من تراب ۔ (۳)

تم سب کا رب ایک ہے اور اب (باپ) ایک ہے اور تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام: ۲/ ۴۱۲۔

(۲) المائدۃ: ۴۰۔

(۳) ابوداؤد، باب فی التفاخر بالاحاب، حدیث نمبر ۵۱۱۶۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا :

لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لأسود على أبيض ولا لأبيض على أسود إلا بالتقوى ۔ (۱)

کسی عربی کو غیر عربی پر اور کسی غیر عربی کو عربی پر اسی طرح کسی گورے کو کسی کالے پر کسی کالے کو کسی گورے پر سوائے تقوی و پرہیز گاری کے کوئی برتری نہیں۔

اس اہم منشور نے انسانی خودساختہ تمام امتیازات کو مٹا کر سب کو ایک سطح پر کھڑا کر دیا۔

تاریخ اسلامی کی صداقت یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسی، حضرت صہیب رومی، بلال حبشی رضی اللہ عنہم، جومختلف قوموں اور نسلوں سے تعلق رکھتے تھے اور غلام تھے؛ لیکن شرفائے قریش کے ہم پلہ اور تقوی کی بناء پر ان میں سے بہتوں پر بہتر قرار دپائے، اس کی واضح مثال ملاحظہ فرمایئے کہ عرب کے معزز ترین قبیلہ قریش کے فرد اعلیٰ، اسلامی خلافت کے گل سرسبد، جاہ ورتبہ اورعظمت وجلال کے حامل، حضرت عمر فاروقؓ کی جنازہ کی جب صفیں لگیں تو ہزاروں قریش اور ہاشمی خاندان کے چشم و چراغ مقتدی تھے اور ایک غلام حضرت صہیب رومیؓ ان کے امام بنے، معلوم ہوا حسب ونسب، امیر وغریب ہونے کا امتیاز اسلام میں کوئی معنی نہیں رکھتا، برتری اورشرافت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔

اسلامی مساوات صرف نمائشی یا صرف کاغذی مساوات نہیں بلکہ یہ معاشرہ اسلامی کی مکمل عملی تصویر ہے، پیغمبر اسلام ﷺ نے مساوات اور جنس انسانی کی برابری کی یہ عملی مثال پیش کی کہ ایک غلام زید بن حارثہ کو اپنا منھ بولا بیٹا (متبنیٰ) بنایا؛ جب کہ عربوں میں غلام کی کوئی قیمت اور کوئی درجہ ورتبہ نہیں تھا، آپ نے حیات طیبہ کی آخری فوجی مہم میں اسی غلام کے صاحبزادے حضرت اسامہ کو ایک فوج پر امیر بنایا، جس میں اکابر قریش ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے شریک تھے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے سیاسی پہلو سے بھی سب کو ایک درجہ میں رکھا، یہ نہیں کہ ایک کام ایک کے لئے جائز ہو اور دوسرے کے لئے ناجائز ہو، ایک ہی

---

(۱) زادالمعاد: ۲/ ۱۸۰۔

جرم کی سزا عام لوگوں کے لئے قتل اور برہمن کے لئے سر مونڈنا، واقعہ یہ ہے کہ قریش کی ایک عورت نے چوری کی، آپ ﷺ نے قرآن کی ہدایت کے مطابق ان کے ہاتھ کاٹنے کی سزاء مقرر فرمائی، لوگوں کے کہنے پر آپ ﷺ کے پروردہ محبوب صحابی حضرت اسامہؓ نے معاف کر دینے کی سفارش کی تو آپ ﷺ اس بات پر بہت برہم ہوئے اور فرمایا: اے اسامہ! اللہ کی مقرر کردہ سزاء میں سفارش کرتے ہو؟ خبردار! آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا، پھر آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو مسجد میں جمع کرو، مسلمان جمع ہوگئے تو آپ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، تم سے پہلے جو اُمتیں گذری ہیں وہ اسی لئے تباہ ہوئی ہیں کہ وہ کم درجے کے لوگوں کو قانون کے مطابق سزا دیتی تھی اور اونچے درجے کے لوگوں کو چھوڑ دیتی تھیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ بھی ایسا کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا، (۱) یعنی شرعی قانون کے سلسلے میں نبی اور غیر نبی کی بیٹی برابر ہے، غرض کہ اسلام نے انسانی مساوات و برابری کا عظیم و بے مثال سبق انسانیت کو دیا ہے۔

صحابہؓ اور مساوات انسانی کے چند نمونے

آپ ﷺ نے مساوات اور برابری کی جو تعلیمات دیں اور مساوات کا جو عملی نمونہ پیش کیا، اس کی جھلک ہمیں صحابہ کرام کی زندگی میں نظر آتی ہیں اور صحابہ کرام کی زندگی میں مساوات کے غیر معمولی نمونے جو ہمیں ملتے ہیں، وہ سب فیض ہے آپ ﷺ کی منصفانہ و عادلانہ شخصیت اور تعلیمات کا۔

ایک بار حضرت عمرؓ زمانۂ خلافت میں بیٹھے ہوئے حضرت علیؓ سے باتیں کر رہے تھے کہ ایک یہودی آیا اور اس نے کہا امیر المومنین! علیؓ کے خلاف دعویٰ لے کر آیا ہوں، حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے کہا، ابوالحسن! سامنے کھڑے ہو کر جواب دیں، حضرت علیؓ فوراً کھڑے ہو گئے؛ لیکن حضرت عمرؓ نے محسوس کیا کہ ان کے چہرے پر ناگواری کے اثرات ہیں، دعوی سنا گیا اور مدعی جھوٹا ثابت ہوا، جب وہ فیصلہ سن کر چلا گیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے کہا، کیا آپ کو عدالت

(۱) بخاری: ۱/۴۹۴، حدیث نمبر ۳۴۷۵۔

میں یہودی کے برابر کھڑا ہونا ناگوار ہوا تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں، میری ناگواری کا سبب یہ تھا کہ آپ نے اس کے سامنے میرے نام کے بجائے ابوالحسن کے لقب سے پکارا تھا، اگر اس یہودی کو گمان ہو جاتا کہ آپ انصاف کے معاملہ میں مجھے اس پر ترجیح دیتے ہیں تو اسلامی عدالت پر ہمیشہ کے لئے حرف آجاتا۔

حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت کا ایک واقعہ یہ ہے کہ غلام کو ساتھ لے کر بازار گئے، غلام سے فرمایا مجھے بھی کپڑے بنوانے ہیں اور تم کو بھی کپڑوں کی ضرورت ہے، تم دکان پر میرے لئے اور اپنے لئے کپڑا پسند کرو، غلام نے کچھ قیمتی اور کچھ سستے دام کے بھی کپڑے پسند کئے اور خرید کر لائے، جب درزی کو دینے لگے تو امیر المومنین نے سستے کپڑوں کے متعلق فرمایا کہ یہ ہمارے لئے ہے اور قیمتی کپڑوں کے بارے فرمایا اسے غلام کے لئے کاٹو، غلام بولا کہ آپ آقا ہیں اور امیر المومنین ہیں آپ کو اچھا لباس چاہئے، فرمایا کہ میں بڈھا ہوں تم جوان ہو، تم کو اچھے لباس کی ضرورت ہے۔(۱)

حضرت عمر فاروقؓ جن کے نام سے بڑے بڑے شہنشاہوں کے دل سینوں میں دھڑکنے لگتے تھے، جب ان کی حضرت ابی بن کعبؓ سے ایک معاملہ میں نزاع ہوئی تو حضرت زید بن ثابتؓ کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا، جب حضرت عمرؓ عدالت میں حاضر ہوئے تو زید بن ثابتؓ خلیفہ وقت کی تعظیم میں کرسی عدالت سے کھڑے ہوئے، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ابن ثابت! یہ پہلی بے انصافی ہے جو تم نے اس مقدمے میں کی، یہ کہہ کہ اپنے فریق ابی بن کعبؓ کے برابر بیٹھ گئے۔(۲)

پیغمبر اسلام ﷺ انسانی کمزوری کے اس خطرناک پہلو سے خوب واقف تھے، اس لئے آپ نے اپنے قبیلہ ہی نہیں بلکہ اپنے خاندان، اپنے عزیزوں، قرابت داروں میں ہی اولاً انسانی مساوات کا عملی نمونہ، پیش کیا، آپ نے پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کی شادی اپنے غلام زید بن حارثہؓ سے کر کے خاندانی فخر وغرور اور نسلی امتیاز کے بت کو پاش پاش کر دیا، (۳) اسی طرح

---

(۱) رحمۃ للعالمین: ۳/۲۸۶۔

(۲) المبسوط للسرخسی: ۲۱/۶۲، ۶۳۔

(۳) تفسیر مظہری: ۲/۲۷۴۔

آپ نے حضرت ابوحذیفہؓ کی بھتیجی اور قریش کی ممتاز خاتون فاطمہؓ بنت ولید بن عتبہ کا عقد ابوحذیفہؓ کے غلام سالمؓ سے کیا ؛(۱) تاکہ آقا و غلام کے درمیان شرعی و انسانی مساوات کا سبق اچھی طرح دل و دماغ میں بیٹھ جائے ، یہ دو مثالیں تو دو قریشی عورتوں کی ہے، اب اہل مدینہ کی سنئے ، مدینہ کے انصار اپنی بیٹی دینے میں بہت سخت تھے یہاں تک کہ جب قریش کے ممتاز رئیس ہاشم بن عبدمناف نے مدینہ کے ایک خاتون سے نکاح کے لئے درخواست کی تو اس کے قبیلہ کے لوگوں نے اس شرط پر اجازت دی تھی کہ وہ کبھی رخصت ہو کر مکہ نہ جائے گی ، اسلام قبول کرنے کے بعد اس قبیلہ کی کایا ایسی پلٹی کہ ایک روز حضرت بلالؓ نے مسجد میں اپنے لئے درخواست کی کہ میں غلام ہوں، حبشی ہوں ، بے مایہ ہوں، ان تمام باتوں کے باوجود شادی کا خواہش مند ہوں، تو اس پر کئی معزز خاندانوں نے ان سے رشتہ قائم کرنے کی خود پیش کش کی ، (۲) یہ تھے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیتی نظام کے زیر سایہ پرورش پانے والے جان نثاران ، جنھوں نے گہرے نقوش انسانی مساوات کے چھوڑے ہیں، وہ درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے قال اور حال کا پرتو ہیں۔

اسی حجۃ الوداع کی خطاب میں انسانی مساوات کا درس عالم انسانیت کو دیا اور فرمایا ہاں! وہ تمہارے غلام ہیں! ان کا خیال رکھو :

اطعموهم مما تاكلون واكسوهم مما تلبسون ۔ (۳)

ان کو وہی کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور ان کو وہی پہناؤ جو تم پہنتے ہو۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

مذہب اسلام نے مساوات کی جو ہدایات دی ہیں، ان میں یگانہ و بیگانہ، مسلم و غیر مسلم، اپنوں اور غیروں میں تمیز نہیں رکھی ؛ چنانچہ ارشاد ہے :

دمائهم كدمائنا واموالهم كاموالنا ۔ (۴)

---

(۱) السیرۃ الحلبیہ: ۲/ ۱۲۷۔

(۲) رحمۃ للعالمین: ۳/ ۳۸۷۔

(۳) مسند احمد: ۲۶/ ۳۳۴، حدیث نمبر: ۱۶۴۰۹۔

(۴) نصب الرایۃ: ۴/ ۳۶۹۔

ان کے خون ہمارے خون کی طرح ہیں اور ان کے مال ہمارے مال کی طرح ہیں، گویا جان و مال کے تحفظ اور آبرو کی حفاظت میں سارے انسان برابر ہیں۔

مساوات کی چند مثالیں

عہد رسالت اور خلفائے راشدین کے مبارک دور میں ریاستوں اور ملکوں میں جتنے ہدایت نامے لکھے گئے، ان سب میں تمام انسانوں کے جان و مال، عزت و آبرو کے حفاظت کی مساویانہ طور پر ضمانت دی گئی، حتی کہ مسلمانوں کی عبادت گاہوں کی طرح دوسری اقوام وملل کو اپنے معابدو گرجا گھروں کے تحفظ کا یکساں قانونی حق دیا گیا اور مذہبی شعائر پر عمل کرنے کے لئے بالکل برابر کی آزادی دی گئی، یہاں تک کہ زنار لگانے، ناقوس اور گھنٹے بجانے، تقریب اور تہوار کے موقع پر صلیب لٹکانے وغیرہ میں رکاوٹ نہ ڈالے جانے کی بھی ضمانت دی گئی، دیکھئے۔(۱)

اُصول مساوات پر عمل کی مثال ایک یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ سلطنت غسان کا نصرانی بادشاہ جبلہ بن ایہم جس نے اسلام قبول کرلیا تھا اور مسلمانوں میں اس کی بڑی عزت ہوتی تھی، ایک بار خانہ کعبہ کا طواف کررہا تھا کہ ایک دیہاتی شخص کا پاؤں اس کے چوغہ کے دامن میں پڑ گیا، شاہی مزاج اس کا متحمل نہ ہوسکا، بادشاہ نے خفا ہوکر دیہاتی کے منھ پر تھپڑ رسید کردیا، اس کے بعد دیہاتی کی فریاد پر حضرت عمر فاروقؓ نے یہ فیصلہ سنایا کہ وہ بھی بادشاہ کو مارے، اس پر بادشاہ نے کہا، اے امیر المومنین! کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک عام آدمی بادشاہ کو ہاتھ لگائے؟ حضرت عمر فاروقؓ نے جواب دیا کہ اسلام کا قانون یہی ہے، اس میں عہدہ ومنصب، ذات پات کا فرق وامتیاز نہیں ہے، ہمارے پیغمبر خدا حضرت محمد ﷺ کی نظر میں سب برابر ہیں۔(۲)

مصر میں ایک مرتبہ گھوڑوں کی ریس ہورہی تھی، حضرت عمر بن عاصؓ جو فاتح مصر تھے اور گورنر، ان کے صاحبزادے عبداللہؓ اس ریس میں شریک تھے، مقابلہ میں ایک قبطی کا گھوڑا ان کے گھوڑے سے جب آگے بڑھنے لگا تو انھوں نے ایک کوڑا گھوڑے پر لگایا وہ رک گیا، پھر انھوں نے قبطی کو بھی ایک کوڑا مارا اور کہا میں ایک شریف زادہ ہوں اور تم مجھ سے آگے بڑھنے کی

---

(۱) اسلام اور رواداری: ۹۲۔

(۲) الفاروق: ۲/ ۱۲۷۔

کوشش کرتے ہو! قبطی نے اس واقعہ کی شکایت حضرت عمرؓ سے کردی حضرت عمرؓ نے گورنر اور صاحبزادہ دونوں کوطلب کیا اور فرمایا: تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنالیا ہے؟ حالاں کہ سب اپنی ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے تھے، پھر خلیفہ وقت نے قبطی کے ہاتھ میں کوڑا دیا اور حکم دیا کہ اس شریف زادہ کے سر پر کوڑا ویسا ہی مارو جیسا اس نے تمہارے سر پر مارا تھا۔(۱)

آقا و غلام کے درمیان انسانی مساوات کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کا سفر شام والا واقعہ آج بھی مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ خلیفہ دوم شام کے سفر پر روانہ ہوئے تو ساتھ میں ایک خادم حضرت اسلمؓ بھی تھے اور سواری ایک تھی؛ چوں کہ اونٹ کی پچھلی نشست پر زادراہ اور اونٹ کے لئے گٹھلیاں لدی ہوئی تھی، اس لئے یہ طے پایا کہ باری باری ایک آدمی سوار ہو اور دوسرا پیدل چلے، آخری منزل پر خادم کے سوار ہونے کی باری آئی تو آقا اتر پڑے اور غلام سوار ہوئے، ادھر دارالسلطنت شام میں اسلامی فوج امیر المومنین کے استقبال کے لئے دکھڑی تھیں اور دیگر قومیں بھی شاندار استقبال کے لئے کھڑی تھیں، اونٹ کے نمودار ہونے پر مسلمان آگے بڑھے، غیر مسلموں نے حیرت سے پوچھا کہ کیا آپ کے خلیفہ یہی ہیں جو اونٹ پر سوار ہیں؟ اس پر ایک مجاہد نے جواب دیا نہیں ہمارے خلیفہ وہ ہیں جو پیدل چل رہے ہیں، اونٹ پر ان کا غلام سوار ہے۔

اس سلسلے کا ایک نمونہ اور چشم کشا واقعہ ملاحظہ ہو کہ جنگ بدر میں سواریاں کم تھیں، ایک ایک اونٹ تین تین شخص کے لئے مقرر ہوا تھا، دو سوار ہوتے، ایک پیدل چلتا، اسی طرح ہر ایک باری باری پیدل چلا کرتا تھا، حضرت پیغمبر ﷺ اسلام کی سواری میں حضرت علیؓ اور ابوالدرداء بھی شریک تھے، جب نبی ﷺ کے پیدل چلنے کی نوبت آتی تو حضور ﷺ پیدل چلتے اور وہ دونوں سوار ہوتے؛ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ لشکر میں جو کوئی بھی تھا، وہ حضور ﷺ پر جان و مال فدا کرنے والا اور اس فدویت کو اپنا شرف وعزت جاننے والا تھا، پھر وہ کیوں کر گوارا کرتے کہ حضور ﷺ پیدل چل رہے ہوں اور دوسرے لوگ جن کی باری ہوتی اونٹ پر سوار ہوں، حقیقت میں پیغمبر اسلام ﷺ ایسا کر کے مساوات کی اہمیت کو سب کے دلوں میں راسخ کر رہے تھے، اگر حضور ﷺ کی یہ تعلیم نہ ہوتی تو فاروق اعظم اور غلام والی کہانی اور دیگر واقعات تاریخ کے صفحات پر نظر نہ آتیں۔

---

(۱) کنزالعمال: ۱۲/۸۷۳، حدیث نمبر: ۳٦۱۔

اسلام کی اشاعت کا ایک اہم سبب: مساوات

مساوات کا نتیجہ تھا کہ قرن اول میں اسلام بڑی تیزی سے دنیا میں پھیل گیا اور آدھی دنیا سے زائد پر اسلام کا پرچم بلند ہوا اور پریشان حال دنیا امن وشانتی سے ہمکنار ہوئی، الغرض اسلام نہ مذہبی اور سماجی اعتبار سے امتیاز وتفریق کا روادار ہے اور نہ قانونی وسیاسی اعتبار سے، انسانیت نوازی پر مبنی اسی طرح کی تعلیمات تھیں جن کی بدولت عرب کے چند خستہ حال جان نثاران پیغمبر اسلام اُٹھے اور دیکھتے دیکھتے سارے عالم پر چھا گئے، ان کی کامیابی کی راہ میں نہ پہاڑ رکاوٹ بن سکا، نہ سمندر ان کا راستہ روک سکا اور دنیا حیرت واستعجاب سے دیکھتی رہ گئی، کسی نے کہا، یہ تلوار کا دین ہے، کسی نے کہا بے جا ظلم وستم، دولت وحکومت کی کارفرمائیاں ہیں؛ لیکن کہنے والوں نے جو کچھ کہا ہے وہ ان کے دلوں کی آواز نہ تھی بلکہ ان کے دلوں کا کھوٹ بول رہا تھا، ورنہ وہ خوب جانتے تھے اور اب بھی جانتے ہیں کہ حقیقت کچھ اور ہے، یہ تلوار کی فتح نہیں بلکہ پیغمبر اسلام کے ان اُصولوں کی فتح ہے جو انھوں نے دنیا کو عطاء کئے اور وہ مساوات کا اُصول تھا، آپس میں بھائی بندی کا اُصول تھا، خود پیروان اسلام جہاں بھی پہنچے، وہاں کے لوگوں کو یہی فلسفۂ زندگی پڑھایا۔

حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے زمانے میں ساری دنیا کی قوموں میں یہ روک (امتیاز وتفریق) جتنا ہمہ گیر تھا، دنیا کے کسی دستور نے اس کا کوئی علاج تجویز نہیں کیا تھا، صرف پیغمبر اسلام کی حیات مبارکہ اور تعلیمات سے وہ زریں اُصول (انسانی مساوات) دنیا کو ملا اور ایک بڑی آبادی نے، سماجی، قانونی، سیاسی اور اخلاقی اصول مساوات برت کر اس مہلک مرض سے نجات پائی اور مثالی معاشرہ قائم کر کے دکھایا۔

دنیا ان دنوں جس امن وشانتی اور مساوات وبرابری کی دہائی دے رہی ہے، اسے چاہئے کہ پیغمبر اسلام کی تعلیمات اور مبارک زندگی کا مطالعہ کرے؛ کیوں کہ آپ ﷺ ہی کی ذات گرامی وہ نمونہ ہے جس میں پوری نوع انسانی کی ظفرمندی اور دنیا کے سکون وقرار کی ضمانت ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ (۱)

تمہارے لئے اللہ کے پیغمبر کی ذات میں ان لوگوں کے لئے بہترین نمونہ ہے۔

---

(۱) الاحزاب: ۲۱۔

کلمہ آخریں

اس وقت دنیا بالخصوص ہندوستان میں اسلام کی اشاعت میں بڑی رکاوٹ مسلمانوں کا طرزعمل ہے کہ انھوں نے دیگر قوموں کی طرح خاندانی، نسلی، علاقاتی، مسلکی زنجیروں میں اپنے کو باندھ رکھا ہے، فرضی امتیازات کی دیواریں کھڑی کر کے انسانوں بلکہ مسلمانوں تک کو مختلف خانوں میں بانٹ رکھا ہے، مسلمانوں جو خود اونچ نیچ کو مٹانے والے تھے، اپنی ہی ذات و برادری اور مسلکی درجہ بندی کر کے مقہور و محکوم بن گئے؛ فیا أسفاہ، پس اگر مسلمانوں کو اپنی عظمت رفتہ کی بحالی عزیز ہے تو انھیں چاہئے کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کو عملی جامہ پہنا کر سچے اُمتی ہونے کا ثبوت دیں۔

یا رب صل وسلم دائماً أبداً علی حبیبک خیر الخلق کلھم۔

● ● ●

سلسلۂ رسائل سیرت
۱۴

علم کی حوصلہ افزائی اور اُسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مولانا عبید اختر رحمانی

ناشر
المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

پیش لفظ

قرآن مجید نے اپنے لانے والے کی جو تصویر پیش کی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں، نہ آپ کی رحمت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے، نہ عربوں کے ساتھ، نہ کسی خاص رنگ ونسل کے لوگوں کے ساتھ؛ یہاں تک کہ آپ کی رحمت وشفقت بنی نوع انسان تک بھی محدود نہیں ہے؛ بلکہ آپ ﷺ نے دوسری مخلوقات کے ساتھ بھی رحم وکرم کی تعلیم دی ہے؛ مگر افسوس کہ غیر مسلم بھائی سیرت محمدی کے اس پہلو سے واقف نہیں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ صرف مسلمانوں کے پیغمبر اور محسن ہیں، مغربی مصنفین اگر بہت مہربان ہوں تو زیادہ سے زیادہ آپ ﷺ کو عربوں کا نبی قرار دیتے ہیں۔

اسی پس منظر میں سہ روزہ بین الاقوامی سیرت نبوی سیمینار — جو ۱۲-۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق: ۲۱-۲۳ر فروری ۲۰۱۶ء کو المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں منعقد ہو رہا ہے — کی مناسبت سے ۱۶ر رسائل کی ترتیب کا منصوبہ بنایا گیا، جس میں رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر رحمۃ للعالمینی کو پیش کیا جائے اور برادرانِ وطن کے درمیان آپ ﷺ کا صحیح تعارف کرایا جائے، کوشش کی گئی ہے کہ یہ رسائل مختصر ہوں، زبان آسان ہو اور ہر بات معتبر حوالہ سے کہی جائے، انشاء اللہ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ تک کوشش کی جائے گی کہ انگریزی اور ہندوستان کی تمام علاقائی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو جائے اور اسے بڑی تعداد میں برادرانِ وطن تک پہنچایا جائے۔

اسی سلسلہ کا ایک حصہ یہ رسالہ ''علم کی حوصلہ افزائی اور اُسوۂ نبوی ﷺ'' ہے، جس کو جناب مولانا عبید اختر رحمانی (شعبۂ تحقیق: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد) نے مرتب کیا ہے —— **فجزاه الله خير الجزاء** —— دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اس کے مقصد کے اعتبار سے مفید بنائے اور رسول اللہ ﷺ کے تعارف کی جو ذمہ داری اس اُمت پر ہے، اس کا کوئی حصہ اس کوشش کے ذریعہ ادا ہو سکے، **ربنا تقبل منا إنک أنت السميع العليم**۔

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
۲۱ر فروری ۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت پوری دنیا جہل وضلالت میں ڈوبی ہوئی تھی ؛ لیکن بطور خاص عربوں کا مزید براحال تھا، تہذیب سے کوسوں دُور اور وحشت و بربریت اور سفا کی وخونریزی میں بدنام تھے، تعلیمی پسماندگی کا عالم یہ تھا کہ مشہور مؤرخ بلاذری نے لکھا ہے کہ قریش میں سترہ افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور تین عورتیں لکھنا پڑھنا جانتی تھیں (۱) اور یہ لکھنے پڑھنے کی ابتداء بھی بعثت سے کچھ عرصہ پہلے ہوئی، واضح رہے کہ قریش پورے عرب میں علم کے لحاظ سے بھی ممتاز تھے، جب قریش میں محض سترہ افراد نوشت خواند کی صلاحیت رکھتے تھے تو اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بقیہ قبائل کی تعلیمی صورت حال کتنی ناگفتہ بہ ہوگی، مزید مصیبت یہ تھی کہ عربی حروف حِیَری زبان سے اخذ کئے گئے تھے، اس زبان کے الفاظ محض چوبیس ہیں، عربی کے الفاظ اٹھائیس ہیں ؛ لہٰذا تحریری صورت میں اپنی بات کہنا بہت مشکل کام تھا، نقطوں کا وجود نہیں تھا، اعراب کا شاید ہی کسی کو خیال گذرا ہو، مدینہ (یثرب) میں نوشت وخواند سے واقفیت رکھنے والے افراد بہت کم تھے، واقدی نے مدینہ کے لکھنے پڑھنے والے افراد کی جو فہرست بیان کی ہے، وہ محض ۱۱/افراد پر مشتمل ہے۔ (۲)

تعلیم — رسول اللہ ﷺ کا فریضۂ منصبی

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر تعلیم کتاب وحکمت کو آپ ﷺ کی ذمہ داری بتائی گئی ہے۔

اور وہ تمہیں کتاب وحکمت سکھاتے ہیں اور تمہیں ان باتوں کی تعلیم
دیتے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے۔ (بقرہ۲:۱۵۱)

ان آیات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کتاب اور حکمت کی تعلیم آپ ﷺ کا فرض منصبی تھا، علاوہ ازیں خود رسول پاک ﷺ نے متعدد مرتبہ اس بات کا اظہار فرمایا کہ مجھ کو معلم (تعلیم دینے والا) بنا کر بھیجا گیا ہے۔

---

(۱) فتوح البلدان، للبلاذری: ۱/ ۴۵۵۔ (۲) فتوح البلدان: ۱/ ۶۳۳۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ مسجد میں دو حلقے دیکھے، ایک ذکر کا حلقہ اور ایک تعلیم کا حلقہ تو آپ ﷺ نے دونوں کی تعریف فرمائی؛ لیکن خود آپ ﷺ تعلیم کے حلقہ میں جا کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ''مجھ کو تو معلم (تعلیم دینے والا) بنا کر بھیجا گیا'' (۱) آپ ﷺ کا ایک دوسرے موقع سے ارشادِ گرامی ہے: ''مجھے معلم اور آسانیاں فراہم کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے''۔ (۲)

علم کی اہمیت — قرآن وحدیث کی روشنی میں!

قرآن کریم میں علم اور اہل علم کی فضیلت اور رفع شان کا ذکر متعدد مرتبہ ہوا ہے، اسی کے ساتھ علم سے مشتق صیغوں کا سینکڑوں مرتبہ استعمال کیا گیا ہے، جس سے علم کی اہمیت واضح ہوتی ہے، اُردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے مقالہ نگار لکھتے ہیں:

> قرآن مجید میں لفظ علم مختلف اشتقاقی صورتوں میں ۷۷۸ رمرتبہ وارد ہوا ہے، قرآن مجید میں اس مادے کے اشتقاقات جس کثرت سے آئے ہیں، ان سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ قرآن مجید کی رو سے علم کو غیر معمولی؛ بلکہ فوق الکل اہمیت حاصل ہے اور جب یہ جزوی ترادف کے ساتھ دوسرے مرادفات (مثلاً: تَعقلون، یَتدبرون، تَفقهون، تَشعرون وغیرہ) کے ساتھ مل کر یا ان کی جگہ آتا ہے تو ان سے علم کے طریقوں، غایتوں اور جہتوں کا پتہ چلتا ہے۔ (۳)

دوسری جانب ہم دیکھتے ہیں کہ احادیث رسول کا بڑا سرمایہ حصول علم کی تاکید اور علم کی فضیلت پر مشتمل ہے اور اس کی اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ بشمول امام بخاری بیشتر محدثین نے کتاب العلم کے باب کو کتاب الایمان کے بعد ذکر کیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان کے بعد سب سے اہم نعمت علم کی ہے۔

پہلی وحی میں علم کی تاکید

آنحضرت ﷺ پر سب سے پہلی وحی جو نازل آئی وہ یہ تھی: ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ'' (۴) قرآن پاک کی سب سے پہلی سورت جو نازل ہوئی اس میں بہت وضاحت کے

---

(۱) سنن ابن ماجہ: ۱/ ۸۳۔ (۲) صحیح مسلم، کتاب الطلاق: ۱۰/ ۸۱۔

(۳) اُردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد: ۱۳/ ۴۴۳۔ (۴) سورہ علق: ۱۔

ساتھ پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے، اور پڑھنا تبھی ہوسکتا ہے جب کوئی چیز لکھی ہوئی ہو، یعنی اس آیت میں بلاواسطہ پڑھنے اور بالواسطہ لکھنے کی تعلیم دی گئی ہے، پھراسی سورت میں آگے چل کر یہ بھی بتایا گیا کہ تعلیم کا بڑا ذریعہ قلم ہے جس کے ذریعہ علوم کومحفوظ اوراگلی نسلوں کومنتقل کیا جاتا ہے، ڈاکٹرحمیداللہ اس بارے میں کہتے ہیں :

تعلیم مفت ہو

آپ ﷺ کی منشا یہ تھی کہ تعلیم مفت ہوتا کہ اُمت کا ہرطبقہ تعلیم یافتہ ہوسکےاورعلم کی روشنی ہرگھر اور ہرفردتک پہنچ سکے، رسول اللہ ﷺ نے تعلیم کے بدلے میں صحابہ کرام کوطلبہ سے ملنے والے ہدایا پرسخت وعید فرمائی، حضرت عبادہ بن صامت اورحضرت ابی بن کعب کوجب ان سے قرآن پڑھنے والے کچھ شاگردوں نے کمان ہدیہ کیااوراس کا ذکرانھوں نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایاتو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ آگ کی کمان ہے، اگرچاہوتوقبول کرلو۔(۱)

علم کے چھپانے پر وعید

حصول علم کی ایک بڑی رکاوٹ کسی علم کا چھپایا جانا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ علم رفتہ رفتہ معدوم ہوجاتا ہے، طب یونانی کو اسی لئے زوال ہوگیا کہ اس کے تیر بہدف نسخے حکماء نے شاگردوں کے سامنے عام نہ کیا، سنسکرت زبان اسی لئے زوال پذیر ہوئی کہ اس کو برہمنوں نے صرف اپنے لئے خاص کرلیا، رسول اللہ ﷺ نے صرف علم کی نشرواشاعت کی فضیلت ہی بیان نہیں کی بلکہ یہ بھی بتایا کہ اگرکسی سے علم کی بات پوچھی جائے تو وہ اس کے بتانے میں ہچکچاہٹ اورہچرمچر کا مظاہرہ نہ کرے؛ بلکہ بتادےاوراگروہ ایسانہیں کرتا ہےتواس کوقیامت کے دن آگ کا لگام ڈالا جائے گا، حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جس کسی سے علم کی کوئی بات پوچھی گئی اوراس نےعلم کے باوجوداس کوچھپایاتو قیامت کے دن اس کوآگ کا لگام پہنایا جائے گا، (۲)ابن ماجہ کی روایت جوحضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہےاس میں اس بات کی تصریح ہے کہ وہ علم کی بات چاہےلوگوں کے معاملات سےتعلق رکھتی ہو یا دینی اُمور سے،

---

(۱) سنن ابن ماجہ، باب الاجرعلی تعلیم القرآن، المسند للشاشی: ۳/۱۸۰۔

(۲) مسنداحمد: ۱۳/۱۸، ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۶۵۸، ابن ماجہ: ۲۶۶، المستدرک للحاکم: ۱/۱۱۸۔

یہ وعید دونوں صورتوں میں ہے،(۱) ایک دوسرے موقع سے رسول اللہ ﷺ نے علم کے چھپانے کو خیانت سے تعبیر فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ خیانت مال کے خیانت سے بھی زیادہ برا ہے۔(۲)

تعلیم ہر شخص کی ذاتی ذمہ داری

آپ ﷺ نے تعلیم کو عام کرنے کے لئے صرف اجتماعی اور انفرادی ذمہ داری پر اکتفاء نہیں فرمایا؛ بلکہ تعلیم کے حصول کو ہر شخص کی ذاتی ذمہ داری قرار دیا؛ چنانچہ اگر کوئی جاہل رہتا ہے تو یہ اس کا قصور مانا جائے گا کہ اس نے تعلیم کے حصول کی کوئی کوشش کیوں نہیں کی، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''**طلب العلم فریضة علی کل مسلم**''(۳) علم کا طلب کرنا (بقدر ضرورت) ہر مسلمان پر (خواہ وہ مرد ہو یا عورت) فرض ہے۔

انفرادی طور پر علم کو پھیلانے کی ذمہ داری

آپ ﷺ نے تعلیم کو انفرادی ذمہ داری قرار دیا؛ چنانچہ ہر شخص کی یہ ذاتی ذمہ داری قرار پائی کہ جو کوئی دین کی بات جانتا ہو، اللہ اور اس کے رسول کے ارشاد کا کسی بھی درجہ میں علم رکھتا ہو تو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کو دوسروں تک پہنچائے، ارشاد فرمایا: ''**بلغوا عنی و لو آیة**''(۴) کہ مجھ سے جو کچھ سنو اسے دوسروں تک پہنچاؤ، اگرچہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو، ایک موقع سے آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے حدیث سنی، اس کو یاد کیا اور دوسروں تک پہنچا دیا؛ کیوں کہ بسا اوقات جن کو پہنچایا جاتا ہے وہ سننے والے سے زیادہ حافظہ والے ہوتے ہیں''۔(۵)

تعلیم اور اجتماعی ذمہ داری

دورِ حاضر میں تعلیم ریاست اور معاشرہ کی ذمہ داری تسلیم کی جاتی ہے، کسی بھی حکومت کی یہ ذمہ داری مانی جاتی ہے کہ وہ عوام کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرے اور معاشرہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کام میں حکومت کی مدد کرے، تعلیم کے باب میں اس قدم کو دورِ حاضر کی خصوصیت سمجھا جاتا ہے؛

---

(۱) ابن ماجہ: ۱/۹۷۔ (۲) فوائد تمام: ۲/۱۹۷۔

(۳) سنن ابن ماجہ: ۱/۱۵۱، الکنی والاسماء للدولابی: ۲/۷۰۷، یہ حدیث اپنے مختلف طرق و شواہد کی بناء پر قابل احتجاج ہے۔

(۴) مختصر صحیح البخاری: ۲/۴۴۵۔ (۵) سنن الدارمی: ۱/۷۵۔

لیکن ہمیں یہ جان کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ دورِ حاضر کی خصوصیت نہیں ؛ بلکہ تاریخ میں سب سے پہلے جس شخصیت نے تعلیم کو عوامی اور اجتماعی ذمہ داری قرار دیا، وہ آپ ﷺ کی ذات والا صفات ہے، آپ ﷺ نے تعلیم کے باب میں یہ انقلابی اعلان فرمایا کہ تعلیم اجتماعی ذمہ داری ہے، خواندہ اور تعلیم یافتہ قبائل کی ذمہ داری ہے کہ وہ پڑوس کے جاہل قبائل کو تعلیم یافتہ بنائیں اور جاہل قبائل کی ذمہ داری ہے کہ وہ پڑوس کے تعلیم یافتہ قبائل سے علم حاصل کریں، حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ اعلان علم کی دنیا میں ایک انقلاب تھا، جس کے اثرات اور ثمرات سے دنیا آج بھی مستفید ہو رہی ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خطاب فرمایا، پہلے اللہ کی حمد وثنا بیان کی، پھر مختلف مسلمان جماعتوں کا تذکرہ فرمایا اور ان کی تعریف کی اور پھر فرمایا: ”کچھ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ اپنے پڑوسیوں میں تفقہ (دین کی سمجھ) پیدا نہیں کرتے، ان کو تعلیم نہیں دیتے، ان کو نصیحت نہیں کرتے، ان کو نیک باتوں کی ترغیب اور بری باتوں سے منع نہیں کرتے اور کچھ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنے پڑوسیوں سے تعلیم حاصل نہیں کرتے اور نہ ان سے دین کی سمجھ حاصل کرتے ہیں اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں، خدا کی قسم! ان کو چاہئے اپنے پڑوسیوں کو تعلیم دیں، دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں اور ان کو نصیحت کریں اور ان کو اچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں اور دوسروں کو چاہئے کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے علم حاصل کریں، دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں اور نصیحت حاصل کریں، (اگر ایسا نہ ہوا) تو میں ان کو دنیا میں ہی عذاب دوں گا، پھر آپ ﷺ منبر سے اُترے اور اپنے گھر میں داخل ہو گئے، (لوگوں میں چہ می گوئیاں شروع ہوئیں کہ یہ باتیں کن کو کہی گئی ہیں) بعض لوگوں نے کہا کہ یہ اشعریوں کو کہا گیا ہے وہ سمجھ دار لوگ ہیں؛ لیکن پانی کے چشموں کے پاس ان کے جو پڑوسی ہیں وہ دین سے جاہل اور گنوار و بدو ہیں، یہ باتیں اشعریوں تک پہنچی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ آپ نے ایک قوم کا بھلائی کے ساتھ ذکر کیا اور اور ہمارے بارے میں سخت کلمات ارشاد فرمائے، اور اس کی وجہ جاننا چاہی، آپ ﷺ نے فرمایا ایک گروہ کو چاہئے کہ وہ اپنے پڑوسیوں میں دین کی سمجھ پیدا کریں اور ان کو نصیحت کریں اور ان کو اچھی باتوں کا حکم اور بری باتوں سے منع کریں اور ان کو تعلیم دیں اور دوسری قوم کو چاہئے کہ اپنے پڑوسیوں سے تعلیم حاصل کریں، اور سمجھ بوجھ

پیدا کریں اور فقاہت حاصل کریں ورنہ میں ان کو دنیا میں ہی سزا سے دوچار کروں گا، اشعریوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم دوسروں کو سمجھائیں تو آپ نے پھر سے دوبارہ اپنی بات دوہرائی، اشعریوں نے پھر پوچھا کہ کیا ہم دوسروں کو سمجھائیں، تو آپ ﷺ نے دوبارہ اپنی بات دوہرائی، اس پر اشعریوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ہمیں ایک سال کی مہلت دے دیں؛ تا کہ ہم اپنے پڑوسی قبائل اور بستیوں کو تعلیم دیں، ان کے اندر دینی شعور پیدا کریں اور ان کو سمجھائیں۔(۱)

بعض روایات میں آتا ہے: اشعریوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ کیا دوسروں کی ذمہ داری ہماری ہے یا دوسروں کی وجہ سے ہمیں سزا دی جائے گی، انھوں نے بار بار اپنی یہی بات دوہرائی اور آپ ﷺ نے بھی اپنی بات بار بار دوہرائی، اس کے بعد انھوں نے ایک سال کی مہلت مانگی۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے عالم عرب کے مشہور فقیہ مصطفیٰ زرقاءؒ لکھتے ہیں :

> تعلیم و تعلم کو اجتماعی ذمہ داری قرار دینا اور اس میں کوتاہی کو اجتماعی سزا کا موجب گردانا علم کی دنیا میں ایسا انقلاب تھا جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی، نہ نبی ﷺ سے پہلے اور نہ آپ ﷺ کے بعد، اور برائی کے ارتکاب اور تعزیری سزا کے قابل جرائم میں سے دینی واجبات میں سستی اور تقصیر شامل ہے اور اسی میں سے تعلیم اور تعلم بھی ہے، پس جو کوئی عالم تعلیم کے فریضہ میں کوتاہی کرتا ہے یا کوئی جاہل تعلیم کے حصول میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ تعزیر اور سزا کا مستحق ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''علم کا حصول ہر مسلمان پر ضروری ہے'' اور مسلم کے لفظ میں عورت اور مرد دونوں شامل ہیں؛ کیوں کہ جس وصف کو حصول علم کا موجب قرار دیا گیا ہے وہ ان کا مسلمان ہونا ہے۔(۲)

---

(۱) الترغیب والترہیب: ۱/۸۶، مجمع الزوائد: ۱/۱۶۴، علامہ سیوطی نے درمنثور: ۲/۳۰۱ میں یہ حدیث ابن سکن، ابن مندہ، طبرانی، ابونعیم اور ابن مردویہ کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ (۲) المدخل الفقھی العام: ۲/۶۴۱۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

دینی تعلیم وتربیت کا یہ ایسا عمومی نظام تھا کہ اس کے ذریعہ ہر شخص بغیر مکتب یا مدرسہ اور بغیر کتاب اور کاغذ وقلم کے اور بغیر پڑھے لکھے بھی دین کا ضروری علم حاصل کرسکتا تھا؛ بلکہ اپنی محنت اور صلاحیت کے مطابق اس میں کمال بھی حاصل کرسکتا تھا، صحابہ کرامؓ نے اور اسی طرح تابعین کی غالب اکثریت نے علم حاصل کیا تھا، افسوس کہ بعد میں اُمت میں یہ نظام قائم نہیں رہا، اگر قائم رہتا تو اُمت کا کوئی طبقہ اور کوئی عنصر بلکہ کوئی بھی فرد دین سے ناواقف اور بے بہرہ نہ ہوتا، اس نظام تعلیم کی یہ خاص برکت تھی کہ زندگی علم کے سانچہ میں ڈھلتی چلی جاتی تھی، حدیث کے آخر میں یہ ہے کہ اشعریین کے وفد نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ ہم کو ایک سال کی مہلت دے دی جائے ہم اس مدت میں انشاء اللہ تعلیمی مہم انجام دے لیں گے، آپ ﷺ نے ان کی یہ بات منظور فرمالی، یہ گویا اس علاقہ کی آبادی کے لئے ایک سالہ تعلیمی منصوبہ تھا۔(۱)

وفود کے ذریعہ تعلیم کی اشاعت

جو قبیلہ، بستی، محلہ اسلام سے مشرف ہوتا تھا آپ ﷺ ان کی تعلیم کے لئے وفود بھیجا کرتے تھے، کبھی یہ وفد صرف ایک آدمی پر مشتمل ہوتا تھا اور کبھی تین پانچ اور کبھی ساٹھ ستر افراد پر مشتمل وفد ہوا کرتا تھا، کبھی تو ایسا ہوتا تھا کہ آپ ﷺ مشرف بہ اسلام ہونے والے قبائل کی تعلیم وتربیت کے لئے افراد بھیجا کرتے تھے اور ایسا بھی بسا اوقات ہوتا تھا کہ مشرف بہ اسلام ہونے والے قبائل کے کچھ افراد وفد کی صورت میں آپ ﷺ کے پاس آتے، تعلیم حاصل کرتے اور فقہی احکام وغیرہ سے واقفیت پیدا کرتے اور پھر چلے جاتے، آپ ﷺ ان وفود کو تاکید کرتے کہ جو کچھ تم نے یہاں سیکھا ہے وہ اپنے مقام پر جاکر دیگر افراد کو سکھاؤ۔

---

(۱) معارف الحدیث:۸/۳۲۔

مالک بن حویرثؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم کچھ ہم عمر نوجوان افراد رسول اللہ ﷺ کے پاس بطور وفد آئے ، کچھ دن ٹھہرنے کے بعد جب ہمیں اہل وعیال کی یاد ستانے لگی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے اہل وعیال کی جانب لوٹ جاؤ، ان میں ٹھہرو، اور ان کو تعلیم دو، (۱) اسی طرح وفد عبدالقیس جب مدینہ آیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو تعلیم وتربیت کے لئے انصار کے حوالہ کردیا اور انصار کی میزبانی کے تعلق سے ان سے پوچھا تو انھوں نے عرض کیا، انھوں نے ہمیں اپنے بستروں پر جگہ دی، اپنا کھانا کھلایا اور رات گزرنے کے بعد صبح ہمیں اپنے رب کی کتاب اور نبی کی سنت کی تعلیم دی، (۲) ہجرت کے تیسرے سال عضل اور قارہ کے افراد نے آپ سے معلمین کو بھیجنے کی گزارش کی، (۳) ہجرت کے چوتھے سال کچھ لوگ آپ کے پاس آئے اور معلمین کے بھیجنے کی گزارش کی تو آپ نے ستر افراد کو بطور معلم روانہ کیا، (۴) نجران کے وفد نے رسول ﷺ سے خواہش کی کہ ہماری تعلیم کے لئے کسی کو روانہ فرمائیں تو آپ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو ان کی تعلیم وتربیت کے لئے روانہ فرمایا۔(۵)

گورنر اور عمال کو اپنے علاقہ میں تعلیم کی تاکید

جن علاقوں میں آپ ﷺ عمال کو بھیجتے تھے یا وہاں گورنر تعینات کرتے تھے، انھیں تاکید کرتے تھے کہ وہ ان علاقوں کے عوام کی تعلیم کا اہتمام کریں، فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ نے مکہ کا والی (گورنر) حضرت عتابؓ بن اسید کو بنایا اور تعلیمی افسر حضرت معاذؓ بن جبل کو بنایا، (۶) حضرت معاذ بن جبل کو یمن اور حضرموت کا رسول اللہ ﷺ نے موجودہ لحاظ سے تعلیمی کمشنر مقرر کیا تو ان کو تاکید کی گئی کہ یمنی عوام کی تعلیم وتربیت کا انتظام کریں، طبری کے الفاظ ہیں: ''**وکان معاذ معلما یتنقل فی کل عامل بالیمن و حضر موت**''(۷) معاذؓ بن جبل کمشنر تعلیم تھے

(۱) بخاری شریف، کتاب الاذان باب الاذان للمسافرین، مسلم، کتاب المساجد، باب من احق بالامامۃ۔
(۲) مسند احمد بن حنبل: ۲۰۶/۴۔
(۳) تاریخ خلیفہ: ۳۹/۱۔
(۴) المغازی للواقدی: ۳۴۶/۱۔
(۵) مسند احمد بن حنبل: ۲۱۲/۳۔
(۶) سیرت ابن ہشام: ۵۰۰/۲۔
(۷) تاریخ طبری: ۱۸۵۲/۱۔

اورحضرموت اوریمن دونوں ان کے دائرہ کار میں داخل تھا، یہی بات طبقات فقہاء الیمن کے مصنف نے بھی کہی ہے کہ معاذ بن جبلؓ حضرت موت اوریمن دونوں جگہ کی عوام کے لئے افسر تعلیم بنا کر بھیجے گئے تھے، اسی طرح عمرو بن حزم کی تقرری جب یمن کے علاقے میں ہوئی تو اللہ کے رسول نے ان سے دیگر ہدایتوں کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ لوگوں کے لئے قرآن کی تعلیم کا بندوبست کریں،(۱)اور بات صرف یمن کی ہی نہیں؛ بلکہ جہاں کہیں رسول پاک ﷺ نے عمال کا تقرر فرمایا توان کی ایک ذمہ داری یہ بھی متعین کی کہ وہ اس علاقہ کے عوام کی تعلیم کا بندوبست کریں۔

اولین مدرسہ کا قیام

مدینہ آمد کے بعد آپ ﷺ نے سب سے پہلے مسجد نبوی کے قیام کو ترجیح دی اوراسی مسجد نبوی کے ایک گوشہ کو تعلیم کے لئے خاص کردیا جس کو صفہ کہا جاتا ہے، یہ اسلام کا پہلا مدرسہ تھا جس میں ہاسٹل کا بھی نظم تھا، اس میں وہ لوگ رہتے تھے جن کے پاس اپنا گھر بار نہیں تھا، ان لوگوں کا صرف ایک ہی کام تھا کہ آپ ﷺ سے تعلیم حاصل کریں، اس کے علاوہ ان کا کوئی دوسرا مقصد نہیں ہوتا تھا، صفہ میں تعلیم حاصل کرنے والے دوقسم کے افراد ہوتے تھے، ایک تو وہ ہوتے تھے جوشہر سے آتے تھے اور پھر چلے جاتے تھے اور دوسرے وہ جو رات دن یہیں رہتے تھے، اصحاب صفہ کو آپ ﷺ بھی براہ راست تعلیم دیتے تھے اوراہل علم صحابہ کو بھی اصحاب صفہ کی تعلیم وتربیت پر متعین فرماتے تھے، جیسا کہ ماقبل میں ذکر گذر چکا ہے کہ عبادہ بن صامت اورابی بن کعبؓ کو اصحابِ صفہ کی تعلیم پر متعین کیا گیا تھا۔

یہ جان کر حیرت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اصحابِ صفہ کی زبانی تعلیم کے ساتھ ان کی نوشت خواند پر بھی پوری توجہ دی تھی اوراس کے لئے عبداللہؓ بن سعید بن العاص کو متعین کیا تھا جوغزوہ بدر میں شہید ہوگئے، (۲)عبداللہؓ بن سعید بن العاص کی غزوہ بدر میں شہادت کی بھرپائی اس طرح ہوئی کہ مشرکین مکہ کے قیدیوں میں سے نادار اور تعلیم یافتہ افراد کا فدیہ یہ قرار پایا کہ وہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں۔(۳)

---

(۱) اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین:۱/۱۳۹۔

(۲) الاصابہ:۱/۳۴۴۔

(۳) مستدرک حاکم:۲/۱۴۰۔

صفہ صرف تحصیل علم کا مقام ہی نہیں تھا؛ بلکہ یہاں مستقبل کے معلموں کو بھی تیار کیا جاتا تھا، اصحابِ صفہ کو ہی مدینہ آنے والے وفود کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری سونپی جاتی تھی اور جو قبائل مسلمان ہوجاتے تھے ان کی دینی تعلیم وتربیت کے لئے افراد کار بھی یہیں سے روانہ کئے جاتے تھے، ابو براء مالک بن عامر نے جب آپ ﷺ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ میرے ساتھ کچھ آدمیوں کو بھیج دیں جو اہل نجد کو اسلام کی دعوت دیں تو آپ نے جن افراد کو روانہ کیا تھا ان میں سے بیشتر اصحاب صفہ میں سے ہی تھے، کہا جا سکتا ہے کہ صفہ بیک وقت تعلیم گاہ بھی تھی اور معلمین کی تربیت گاہ بھی تھی، یہاں ایک جانب طلبہ آپ ﷺ سے تعلیم حاصل کرتے تھے تو دوسری جانب نئے آنے والوں کو تعلیم دیتے تھے۔

مدینہ منورہ میں دیگر مدارس

صفہ پہلا مدرسہ ضرور تھا؛ لیکن اس کے ساتھ مدینہ میں دیگر مقامات پر بھی تعلیم کا نظم تھا، حضرت ابن مکتومؓ کے تذکرہ میں آتا ہے کہ جب وہ بدر کے کچھ دنوں بعد آئے تو انھوں نے ''دارالقراء'' میں قیام کیا، (۱) حضرت زید بن ثابتؓ کے بارے میں عبداللہ بن مسعودؓ ذکر کرتے ہیں کہ وہ بچوں کے ساتھ پڑھتے تھے، دکتور مصطفی اعظمی کا خیال یہ ہے کہ یہاں صفہ کے بجائے ''کُتَّاب'' کے لفظ کا استعمال بتارہا ہے کہ بچوں کی تعلیم کے لئے الگ مکاتیب کا نظم قائم تھا۔ (۲)

قیدیوں سے تعلیمی خدمت

عصر حاضر میں پڑھے لکھے قیدیوں کو دیگر جاہل قیدیوں کی تعلیم وتربیت پر مامور کیا جاتا ہے اور اسے دور حاضر کی خصوصیت سمجھا جاتا ہے؛ لیکن جب ہم رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ تعلیم کے باب میں یہ انقلابی قدم رسول اللہ ﷺ نے اُٹھایا تھا، انھوں نے پڑھے لکھے قیدیوں کی سزا یہ رکھی تھی کہ وہ مدینہ کے ناخواندہ بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں، جنھوں نے قیدیوں کے ذریعہ لکھنا پڑھنا سیکھا تھا ان میں سے ایک حضرت زید بن ثابتؓ بھی تھے، جنھیں بعد میں حضرت ابوبکرؓ نے جمع قرآن کی عظیم ذمہ داری سونپی تھی، (۳) اس سے پتہ

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۱۵۰/۴۔ (۲) دراسات فی الحدیث النبوی وتاریخ تدوینہ: ۵۲/۱۔

(۳) مسند احمد بن حنبل: ۲۴۷/۱، طبقات ابن سعد: ۱۴/۲۔

چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اُمت کی تعلیم کی کتنی فکر تھی اور علم کی کیا اہمیت ہے کہ اس کے عوض مسلمانوں کو ملیامیٹ اور نیست و نابود کر دینے کی نیت سے حملہ کرنے والے جانی دشمنوں کی جان بخش دی گئی۔

صحابہ کرامؓ کی تعلیم کے لئے دن کی تعیین

آپ ﷺ کی مصروفیات ہمہ جہت تھیں ؛ کیوں کہ آپ ﷺ پر ہی ساری ذمہ داریاں تھیں، اس کے باوجود آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کی تعلیم کے لئے وقت اور دن کو مخصوص کیا؛ تا کہ تعلیم کا کارواں بلا کسی وقفہ اور بریک کے چلتا رہے اور اس میں کوئی خلل نہ آئے، حضرت شقیق بن وائل سے مروی ہے کہ ہم عبداللہ بن مسعود کے گھر کے دروازے پر بیٹھے ان کا انتظار کر رہے تھے کہ یزید بن معاویہ النخعی تشریف لائے، ہم نے ان سے عرض کیا کہ عبداللہ بن مسعودؓ کو ہماری اطلاع کر دیجئے، انھوں نے ایسا ہی کیا، تھوڑی دیر کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ ''تمہاری آمد کی اطلاع مجھے تھی ؛ لیکن میں محض اس وجہ سے باہر نہیں آیا کہ کہیں میں تم کو بیزار نہ کردوں ؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ وعظ ونصیحت کے لئے ہمارے اوقات کی رعایت فرماتے تھے؛ تا کہ ہم بیزار نہ ہو جائیں''(۱) امام بخاری نے اسی سیاق میں جس روایت کا ذکر کیا ہے اس میں اس کا اضافہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جمعرات کے دن لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے تھے، ایک شخص نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ روزانہ ہم سے خطاب کریں تو فرمایا کہ میں وعظ ونصیحت کے سلسلے میں تمہاری اسی طرح رعایت کرتا ہوں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ ہماری رعایت کرتے تھے؛ تا کہ ہم بیزار نہ ہو جائیں۔(۲)

عورتوں کے لئے تعلیم کا خصوصی انتظام

اسلام نے تعلیم کا حصول مرد اور عورت دونوں پر فرض قرار دیا ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے تعلیم کے باب میں عورتوں کا خاص خیال رکھا، حضرت ابوسعید خدریؓ نقل کرتے ہیں کہ عورتوں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا کہ مردوں کو آپ سے استفادہ کا ہر وقت موقع ملتا ہے،

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۶۸، مسلم، حدیث نمبر: ۲۸۲۱۔

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۷۰۔

آپ ہمارے لئے ایک دن مقرر کر دیجئے تا کہ ہم اس دن آپ کے پاس آئیں اور آپ ہمیں اس چیز کی تعلیم دیں جو اللہ نے آپ کو بتایا ہے، آپ ﷺ نے ان کے لئے ایک دن مقرر کیا، اس دن عورتیں آئیں اور آپ نے ان کو تعلیم دی۔(۱)

جنرل نالج کا امتحان

جنرل نالج کو دورِ حاضر میں بڑی اہمیت دی جاتی ہے اور یہ نصاب کا ایک اہم حصہ سمجھا جاتا ہے، عہدوں اور مناصب کے امتحان میں ایک پرچہ اس کا بھی ہوتا ہے، رسول پاک ﷺ نے جنرل نالج کی اہمیت کو چودہ سو سال قبل ہی سمجھا تھا؛ لہٰذا آپ ﷺ صحابہ کرام سے جنرل نالج کے سوال بھی فرماتے تھے۔

عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں ایک بار ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ کھجور کا ایک گچھا لایا گیا تو آپ ﷺ نے کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا: درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جو مسلمان کی طرح بابرکت اور نافع ہے اس کے پتے نہیں گرتے اور نہ وہ پتوں سے خالی ہو جاتا ہے اور اس پر ہمیشہ پھل آتا رہتا ہے اور اس کی مثال مسلمان کی سی ہے تو مجھے بتاؤ کہ وہ درخت کونسا ہے؟ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ لوگ جنگل کے مختلف درختوں کے نام لینے لگے، کسی نے کہا کہ وہ درخت یہ ہے، اور کسی نے کوئی اور نام لیا، اور میرے جی میں یہ بات آتی تھی کہ وہ کھجور کا درخت ہے؛ لیکن بڑے بزرگوں کی موجودگی نے مجھے مرعوب کر دیا؛ کیوں کہ میں نوجوان تھا اور میں مجلس میں سب سے چھوٹا تھا اور میں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی خاموش ہیں تو میں بھی خاموش رہا، جب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ خاموش رہے تو لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول بتایئے کہ وہ درخت کونسا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، جب مجلس برخاست ہوئی تو میں نے اپنے والد سے عرض کیا خدا کی قسم میرے جی میں یہ بات آئی تھی کہ وہ کھجور کا درخت ہے، حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ پھر کہا کیوں نہیں، میں نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا کہ آپ حضرات خاموش ہیں اور میں کم عمر تھا اس لئے بولنے میں شرم آڑے آ گئی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم نے کہہ دیا ہوتا تو یہ مجھے اتنے اور اتنے مال سے زیادہ محبوب ہوتا،(۲) امام بخاری نے اس حدیث کو گیارہ مرتبہ ذکر فرمایا ہے اور اس پر ایک باب یہ قائم کیا ہے ''امام کا مسئلہ کو اپنے شاگردوں کے درمیان رکھنا؛ تا کہ ان کے علم کی جانچ کرے''۔

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۷۳۱۰، مسلم، حدیث نمبر: ۲۶۳۳۔ (۲) بخاری، حدیث نمبر: ۶۲، مسلم، حدیث نمبر: ۲۸۱۱۔

حصول علم میں شرم کو رکاوٹ نہ بنایا جائے

شرم وحیاء کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے یہاں تک کہ اس کو ایمان کا ایک شعبہ قرار دیا ہے ایک ایسا شعبہ جس کی موجوگی دیگر تمام شعبوں میں ہے؛ لیکن علم کی اہمیت یہ ہے کہ اگر علم کے حصول کا معاملہ ہو تو شرم وحیاء کو بھی انسان آڑے نہ آنے دے، رسول پاک ﷺ کا ارشاد ہے میں تمہارے لئے باپ کے مثل ہوں اور تمہیں تعلیم دیتا ہوں اور پھر آنحضرت نے استنجاء کے آداب بتائے، (۱) حضرت اسماءؓ نے حضور پاک سے سوال کیا کہ حیض کے بعد کس طرح پاکی اختیار کی جائے تو آپ ﷺ نے اس کا جواب دیا اور حضرت عائشہؓ نے اس کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا: ''عورتوں میں بہتر عورتیں انصار کی ہیں، ان کو حیاء اس بات سے آڑے نہیں آتی کہ وہ دین میں تفقہ پیدا کریں'' (۲) حضرت اُم سلیمؓ حضرت انسؓ کی والدہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائیں اور ایک مسئلہ دریافت کیا، یہ مسئلہ پوچھنے پر حضرت اُم سلمہؓ فطری شرم وحیاء سے کہنے لگیں اے اُم سلیم تمہارے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں، تم نے رسول اللہ ﷺ کے پاس عورتوں کو شرمندہ کر دیا، حضرت اُم سلیمؓ نے حضرت اُم سلمہؓ کو جواب دیا: اللہ حق بات سے نہیں شرماتا ہے اور جو چیز ہمارے لئے مشکل ہے تو اس کا پوچھ لینا اس سے بہتر ہے کہ ہم اس کے بارے میں لاعلم اور ناواقف رہیں، حضور پاک ﷺ نے حضرت اُم سلیمؓ کے جواب کی تصویب اور تائید فرمائی، (۳) رسول پاک ﷺ کی تعلیم وتربیت کا اعجاز تھا کہ اُمہات المومنین اور صحابہ کرام کا بھی عام مزاج یہ بن گیا کہ تعلیم وتعلم میں شرم وحیاء کو آڑے نہ آنے دیا جائے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں؛ لیکن شرم وحیا بھی دامن گیر ہے تو حضرت عائشہؓ نے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا: ''پوچھو، شرماؤ نہیں، میں تمہاری ماں ہوں''۔ (۴)

خواتین کے لئے کتابت کی تعلیم

رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کی تعلیم وتربیت پر بھی خاص توجہ دیا نہ صرف تعلیم پر بلکہ ان کے

(۱) مسلم، باب الاستطابة: ۳/ ۱۵۳، ابوداؤد، باب کراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة: ۱/ ۳۰، نسائی: ۱/ ۳۸۔

(۲) مسند احمد: ۲/ ۴۲/ ۲۷، حدیث نمبر: ۲۵۱۴۵، ابوداؤد: ۱/ ۲۳۳، حدیث نمبر: ۳۱۶۔

(۳) مسند احمد، حدیث اُم سلیم، حدیث نمبر: ۲۷۱۱۸۔

(۴) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۴۶۵۵، صحیح ابن خزیمہ: ۱/ ۱۴۹۔

لکھنے پڑھنے سیکھنے پر بھی خاص توجہ دی؛ چنانچہ ابوداؤد میں حضرت شفاء سے مروی ہے کہ وہ ایک مرتبہ اُم المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس بیٹھی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور حضرت شفاء سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ تم حفصہ کو چیونٹی جھاڑ پھونک کیوں نہیں سکھا دیتیں جیسا کہ تم نے اس کو لکھنا پڑھنا سکھایا ہے،(۱) امام بخاریؒ کی الادب المفرد سے اہل علم واقف ہیں، اس میں انھوں نے ایک باب باندھا ہے ''باب الکتابة الی النساء وجوابھن'' یہ باب اس کے بیان میں ہے کہ عورتوں کو خط لکھنا اور ان کا جواب دینا اور اس میں حضرت عائشہؓ کے واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ عائشہ بنت طلحہ کہتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے یہاں میرا مقام و مرتبہ جان کر بڑے بوڑھے حضرات تو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجتے تھے اور نوجوان مرد مجھ کو اپنی بہن بنا لیتے تھے اور میرے ذریعہ گفت وشنید کیا کرتے تھے، حضرت عائشہ کے پاس دنیا جہان سے میرے واسطے سے خطوط اور ہدایا آتے تھے میں کہتی تھی کہ خالہ جان یہ فلاں کا خط ہے اور یہ فلاں کا ہدیہ ہے تو حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ اس کو جواب دے دو اور ہدیہ کا بدلہ بھیج دو اور اگر تمہارے پاس ہدیہ کا بدلہ بھیجنے کے لئے کچھ نہ ہو تو مجھ سے کہو میں دے دوں گی،(۲) اس کے علاوہ عورتوں کے لکھنے کے جواز پر علامہ شمس الحقؒ ڈیانوی نے ایک مستقل رسالہ ''عقود الجمان فی جواز تعلیم الکتابة النسوان'' کے نام سے لکھا ہے، تفصیل کے خواہش منداس کی جانب رجوع کریں۔

باندیوں کی تعلیم وتربیت کا اہتمام

رسول پاک ﷺ کے دور میں باندیوں اور غلاموں کا جو حال تھا وہ ماقبل میں ذکر کیا جاچکا ہے، ویسے بھی غلام اور باندی کو مکمل انسان ہی تصور نہیں کیا جاتا تھا، چہ جائے کہ ان کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا جائے، یہ رسول اللہ ﷺ کی ذات والا صفات ہی تھی کہ آپ نے اس مظلوم اور دبے کچلے طبقہ کی جانب بھی توجہ دی اور ان کے آقا کو ان کو بھی علم سے بہرہ ور کرنے کی ترغیب دی، حضرت ابوموسیٰؓ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین اشخاص ایسے ہیں جن کو دوہرا اجر دیا جاتا ہے اور اس میں سے آپ نے ایسے شخص کا ذکر کیا جس کی کوئی باندی ہو، وہ اس کو تعلیم دلائے اور اچھی تعلیم دلائے اور پھر اس کی تربیت کا انتظام کرے، پھر اس کو آزاد کرکے اس

---

(۱) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۸۸۷، التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید: ۲۳/ ۱۵۷۔

(۲) الادب المفرد للبخاری: ۱/ ۶۲۶۔

سے شادی کر لے، (۱) اس حدیث پاک سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ باندیوں وزیر دستوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا چاہئے اور اس پر مالک کو ثواب ملتا ہے اور اسی کا ثمرہ ہم دیکھتے ہیں کہ آگے چل کر تابعین اور تابعین میں اہل علم کے سرخیل حضرات وہ ہوئے جو کسی زمانے میں غلام تھے۔

اجنبی زبانیں سیکھنے کی تاکید

کسی بھی قوم یا تہذیب وثقافت کے مطالعہ کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس قوم کی تحریر اور زبان سے واقف ہوں، مغرب نے مشرق کو فکری غلام بنانے کے لئے مستشرقین سے جو کام لیا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے، اگر ہم کو مغربی فکر اور تہذیب وثقافت پر تنقید کرنی ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم مغرب سے واقف ہوں اور واقفیت کا سب سے بڑا ذریعہ زبان ہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ میں اور مدینہ سے قریب بسنے والے یہودیوں سے خط وکتابت ہوتی رہتی تھی؛ لیکن آپ ﷺ کو ان پر اطمینان اور بھروسہ نہیں تھا؛ لہٰذا آپ ﷺ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو یہودیوں کی سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا، حضرت زید نے نصف ماہ میں سریانی زبان سیکھ لی اور بعد ازاں وہی رسول پاک کی جانب سے یہودیوں کو مکتوب لکھا کرتے تھے اور یہودی جو مکتوب حضور پاک ﷺ کو لکھتے تھے اس سے رسول اللہ کو واقف کراتے تھے، (۲) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بھی کچھ کچھ فارسی زبان سے واقف تھے، اور رسول اللہ ﷺ نے بھی ایک دو مرتبہ فارسی کے الفاظ استعمال فرمائے، (۳) اور یہ کوئی عجیب بات نہیں؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے نبوت سے قبل شام وغیرہ کا دورہ کیا تھا اور ہوسکتا ہے کہ اسی موقع سے کچھ فارسی الفاظ آپ ﷺ نے سیکھ لیا ہوگا، حضرت زید بن ثابتؓ عربی اور سریانی اور عبرانی کے علاوہ قبطیوں، حبشیوں اور رومیوں کی زبان بھی اچھی طرح جانتے تھے، (۴) اس کے علاوہ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوالعالیہ، حضرت ابن حنفیہ ودیگر سے فارسی زبان میں بات کرنا

---

(۱) مسند الحمیدی: ۲/ ۲۹۔

(۲) بخاری کتاب الاحکام: ۱۳/ ۱۸۵، ترمذی، باب فی تعلیم السریانیۃ: ۴/ ۱۶۷، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/ ۲۹۹۔

(۴) المنتظم فی تاریخ الملوک والامم: ۵/ ۲۱۴، البدایہ والنہایہ: ۸/ ۸۸۔

ثابت ہے،(۱)حضرت مغیرہ بن شعبہؓ بھی فارسی زبان سمجھتے تھے اور انھوں نے ہرمزان اور حضرت عمرؓ کی بات چیت میں ترجمانی کی تھی، (۲) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سریانی زبان بخوبی جانتے تھے، یہی وجہ تھی کہ ان کا معمول ایک دن تورات کی تلاوت کرنے کا بھی تھا۔

مشہور اسلامی محقق شیخ عبدالفتاح ابوغدہ حضرت زیدؓ کو سریانی زبان سیکھنے کی ہدایت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> اجنبی زبانوں سے تعلیم ، دعوت وتبلیغ کے میدان میں ضرورت کے وقت استفادہ کرنا رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ سے ثابت ہے اور تعلیم کے باب میں رسول اللہ ﷺ کے اُسلوب میں سے ایک ہے، پھر زبان کا علم کونی (دنیوی) علوم کی کنجی ہے اور اس کا حصول آج کے دور میں ضروری ہے ؛ تاکہ عجمیوں اور فرنگیوں سے معاملات طے کئے جاسکیں اور ترقی کے میدان میں مختلف قوموں سے آگے بڑھا جائے ،آج کے مخلوط معاشرہ اور ماحول میں دوسری زبانوں کا علم زندگی گزارنے کے لئے بھی ضروری ہے۔(۳)

اہم باتوں کو لکھنے کی تاکید

رسول اللہ ﷺ نے تعلیم وتعلم کو جو اہمیت دی تھی اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک جانب جہاں پورے قبیلہ قریش میں محض ۱۷/ افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے وہیں تقریباً تھوڑی مدت میں حضور پاک ﷺ کے پاس کاتبین کی تعداد ۳۰/ اور بعض روایات کے مطابق ۵۰/ سے زائد نظر آتی ہے، یہ حضرات جو وحی نازل ہوتی تھی اس کو لکھتے تھے، گورنر اور عمال کو جو ہدایت دیئے جاتے تھے ان کو لکھا کرتے تھے، قبیلوں سے اگر تحریری معاہدہ ہوتا تو اس کو لکھا جاتا تھا، مختلف سرداران قبائل اور شاہان عالم کو بھی خطوط یہی حضرات لکھتے تھے۔

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/ ۲۹۹۔

(۲) تاریخ طبری: ۴/ ۸۸۔

(۳) الرسول المعلم واسالیبہ فی التعلیم: ۲۱۵۔

آنحضرت ﷺ کی علمی حوصلہ افزائی کا ہی نتیجہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے حضور کی اجازت کے بعد احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا جس کا نام ''صحیفۃ الصادقۃ'' رکھا تھا، اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ نے بھی احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا، (۱) حضرت ابوہریرہؓ سے احادیث کا ایک مجموعہ ان کے شاگرد حضرت ہمام بن منبہ نے تحریری طور پر تیار کیا تھا جس کا مخطوطہ ملنے کے بعد ڈاکٹر حمید اللہ نے ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے، ان سب کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے خود صحابہ کرام کو تاکید کی تھی کہ وہ محض حافظہ کے بھروسہ پر نہ رہیں؛ بلکہ اس کو لکھ کر محفوظ کرلیا کریں، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ''قیدوا العلم بالکتاب'' (۲) علم کو لکھ کر محفوظ کرلیا کرو، ایک دوسری روایت جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے ہے، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ علم کو قید کرلو، انھوں نے عرض کیا کہ علم کو کیسے قید کیا جاسکتا ہے تو فرمایا کہ لکھ کر، (۳) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک انصاری صحابی نے آنحضرت ﷺ سے بھول جانے کی شکایت کی تو فرمایا کہ: ''استعن بیمینک''، یعنی اس کو لکھ لیا کرو اور ان کے ہاتھ کی جانب اشارہ کیا، (۴) اسی طرح ہمیں روایات میں ملتا ہے کہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے خطبہ دیا، صحابہ کرام نے بغور سنا تو یمن کے ایک صحابی جن کا نام ابوشاہ تھا، انھوں نے عرض کیا کہ اس کو مجھے لکھ کر دیا جائے تو آپ ﷺ نے صحابہؓ کو ان کو خطبہ لکھ کر دینے کا حکم دیا۔ (۵)

نقطوں کی ابتداء

عربی تحریر میں شروع میں نقطے نہیں تھے جس کی وجہ سے تحریر پڑھنے میں بہت ساری غلطیاں راہ پاتی تھیں، خود مصحف عثمانی کے معتبر نسخے ہمیں نقطوں سے خالی ملتے ہیں، نقطوں سے حروف میں امتیاز کرنا آسان ہوجاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ نقطے لگانے کا کام حجاج بن یوسف نے شروع کیا تھا اور بعض حضرات نے ابوالاسود الدؤلی کو اس کا بانی قرار دیا ہے؛ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ علم کی دنیا میں یہ انقلاب بھی آپ ﷺ کا رہین منت ہے۔

---

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ: ۱/ ۳۲۴۔

(۲) جامع بیان العلم وفضلہ: ۱/ ۳۰۸، تقیید العلم، المدخل الی السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱/ ۴۱۷۔

(۳) المدخل الی السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱/ ۴۱۷۔ (۴) حوالۂ سابق۔

(۵) مسند احمد: ۷/ ۸۲، سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۲۰۱۷، مختصر صحیح البخاری: ۱/ ۵۸۔

ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے عبید غسانی نامی کاتب کو طلب کیا اور کہا کہ میں کچھ اُمور لکھواتا ہوں، اسے لکھو اور رقش کرو، اس نے پوچھا کہ رقش کیا ہے؟ تو حضرت معاویہ نے کہا کہ ایک مرتبہ رسول پاک ﷺ نے بھی مجھ کو املاء کراتے ہوئے فرمایا تھا کہ رقش کرو، میں نے دریافت کیا کہ رقش کیا ہے؟ تو فرمایا کہ حرف پر جہاں ضرورت ہو، نقطے لگاؤ،(۱) ڈاکٹر حمید اللہ اس روایت کی شرح میں کہتے ہیں :

> اس چھوٹی سی روایت میں جو ہمیں کئی کتابوں میں ملتی ہے، گمان ہوتا ہے کہ نقطے لگا کر حروف میں امتیاز پیدا کرنا بہت بعد کی چیز نہیں ہے؛ بلکہ عہد نبوی میں اس کا آغاز ہو گیا تھا؛ لیکن کتب رسم المصاحف میں یعنی قرانی املاء کے مولفوں یا خط عربی کے عام مورخوں کے ہاں اس کا کوئی ذکر نہیں ؛ البتہ اس کی تائید میں اب کچھ اور چیزیں بھی ہمیں مل گئی ہیں، پہلی چیز یہ ہے کہ طائف کے مضافات میں ایک کتبہ ملا ہے، حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں انھیں کے حکم سے طائف کے گورنر نے ایک تالاب تعمیر کرایا تھا اس پر ایک کتبہ لگایا گیا، اس کتبے کے کئی حروف پر نقطے ہیں، یہ ۵۰ر ہجری کا واقعہ ہے، ظاہر ہے کہ بعد کی جعل سازی نہیں ہو سکتی، اس کتبے کے سب حروف پر نقطے نہیں ہیں ؛ بلکہ صرف چند حروف پر ہیں ، یہ ذرا پرانی دریافت تھی ، اب ایک اور نئی چیز ہمارے سامنے آئی ہے جو اس سے زیادہ پر اثر ہے مصر میں کچھ جھلیاں (پارچمنٹ) دریافت ہوئی ہیں جن پر کچھ تحریریں لکھی ہوئی ہیں ، ان میں حضرت عمرؓ کی خلافت ۲۲ر ہجری کے زمانے کے دو خطوط ہیں ، ان میں نقطوں کا اہتمام نظر آتا ہے، یعنی حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی ایک حد تک نقطے لگانے کا رواج تھا، اسے حجاج بن یوسف یا اس کے بعد کی چیز قرار دینا درست نہیں ۔(۲)

---

(۱) تاریخ دمشق:۳۸/۱۶۹۔

(۲) خطبات بھاولپور:۳۰۸۔

کتابت کے متعلق بیش قیمت ہدایات

بعض روایات میں ہمیں کتابت کے سلسلہ میں مزید چیزیں ملتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لکھنے کے بعد تحریر پر ریت ڈال کر اس کو خشک کرلو، اسی طرح ایک موقع سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''جب لکھو تو سوشوں کا اہتمام کرو''(۱) کیوں کہ ایسا نہ کرنے سے ''بسم'' اور ''بم'' میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا ہے، ان روایات کے بارے میں ڈاکٹر حمید اللہ کہتے ہیں کہ ''اگر چہ مسلم و بخاری جیسی کتب حدیث میں تو نہیں آئیں؛ لیکن لائق توجہ ہیں''(۲) بعض روایات میں آتا ہے کہ لکھنے کے بعد ایک مرتبہ اسے پڑھ لینا چاہئے؛ تاکہ غلطیاں باقی نہ رہ جائیں۔(۳)

دنیوی علوم کے حصول میں آزادی

رسول اللہ ﷺ نے علم دین کے علاوہ دیگر علوم کے لئے مکمل آزادی عطا فرمائی اور اس سلسلے میں کوئی قدغن نہیں لگایا، آپ ﷺ نے انصار کو تلقیح (گابھ ڈالنے سے) سے منع کیا اور فصل کو نقصان ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''انتم اعلم بامر دنیا کم''(تم دنیاوی معاملات کے متعلق زیادہ جانتے ہو)(۴) اور ایک دوسری روایت میں فرمایا: ''اذا کان شیئا من امر دنیا کم فشانکم بہ و اذا کان شیئا من امر دینکم فالی''(جب دنیا کے معاملات کی بات ہو تو تم خود اسے حل کرو اور جب دینی اُمور کی بات ہو تو میرے پاس آؤ)۔(۵)

جدید ٹکنالوجی کے استعمال کرنے کی ترغیب

اسلام کا کمال یہ ہے کہ اس نے ترک دنیا کی تعلیم نہیں دی ہے؛ بلکہ دنیا کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق برتنے کی تعلیم دی ہے؛ خود قرآن وحدیث میں تسخیر کائنات کا سبق دیا گیا ہے کہ اللہ نے زمین وآسمان کی ہر چیز کو تمہارے لئے مسخر کردیا ہے، یہ تسخیر عصری اور دنیوی تعلیم کے حصول اور مہارت کے بغیر نہیں ہوسکتی تھی، رسول اللہ ﷺ نے اس کی بھی متعدد مواقع سے تاکید فرمائی ہے، غزوہ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے عجمیوں کے طریقہ کار کے مطابق حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے خندق کھدوایا، (۶) رسول اللہ ﷺ نے طائف کو فتح کرنے

---

(۱) النہایہ لابن الاثیر۔ (۲) خطبات بھاولپور: ۳۰۹۔
(۳) مسند احمد بن حنبل: ۴/ ۲۱۶۔ (۴) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۳۶۳۔
(۵) المسند الموضوعی الجامع للکتب: ۱/ ۴۰۷۔ (۶) مغازی الواقدی: ۲/ ۴۴۵۔

میں دبابہ کا استعمال کیا تھا، جو خیبر میں یہودیوں کے قلعہ سے ملا تھا، (۱) اور بعض روایات کے مطابق منجنیق کا استعمال کیا تھا، (۲) اسی طرح آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ دیارِ غیر کے بنے ہوئے جبے وغیرہ استعمال کرتے تھے۔

طبی علوم

انسانی علوم میں طب کو جو اہمیت حاصل ہے، وہ محتاج بیان نہیں ہے، کہا جاتا ہے کہ علم صرف دو ہی ہیں ایک دین کا علم اور دوسرے طب کا علم، رسول اللہ ﷺ نے طب کے علم کو بھی پوری توجہ دی؛ چنانچہ بیماریوں کی ادویات سازی کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی دوا بھی نازل کی ہے۔ (۳)

مصنف ابن ابی شیبہ میں اضافہ ہے کہ ایک شخص زخمی ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے طبیب کو طلب فرمایا، لوگوں نے عرض کیا کہ طبیب کیا کر سکتا ہے؟ مراد یہ تھا کہ جو تقدیر میں ہوگا مرنا یا جینا وہ ہوگا ہی، آپ ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ نے جو بیماری اُتاری ہے تو اس کے ساتھ اس کی دوا بھی اُتاری ہے، (۴) دوا کا استعمال کرنا تقدیر کے عقیدہ کے خلاف نہیں ہے، ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے جو بھی بیماری اُتاری، اسی کے ساتھ اس کی دوا بھی پیدا فرمائی، اب کوئی اس بیماری کی دوا سے آگاہ ہے اور کوئی انجان ہے، (۵) اس کے کتب حدیث میں آپ ﷺ سے مختلف چیزوں کی خاصیت اور متعدد بیماریوں کے علاج منقول ہیں، ان کو کتب حدیث میں کتاب الطب میں دیکھا جا سکتا ہے، اس کے علاوہ طب نبوی پر ضیاء مقدسی، حافظ ابونعیم اصفہانی اور ابن قیم نے مستقل کتابیں لکھیں ہیں، جس میں طبی اُمور سے متعلق آپ کے ارشادات کو جمع کیا گیا ہے، آنحضرت ﷺ کے ان ہی ارشادات کو بنیاد بنا کر مسلم حکماء واطباء نے طبی میدان میں کام کیا اور اس فن میں پوری دنیا سے اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔

نافع علوم پر ثواب کی بشارت

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا دنیاوی علوم کے بارے میں رویہ آزادی پر مبنی ہے، بس

(۱) سیرت ابن ہشام۔ (۲) مغازی الواقدی: ۲/۶۷۰۔
(۳) بخاری، حدیث نمبر: ۵۶۷۸۔ (۴) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر: ۲۳۴۱۴۔
(۵) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر: ۲۳۴۱۸۔

اتنا ہے کہ قرآن و حدیث میں اس سلسلے میں اُصولی ہدایات بیان کردی گئی ہیں، اب اُصول اور حدود کی رعایت کر کے دنیا کے تمام نافع علوم حاصل کئے جاسکتے ہیں، اس میں ایجاد واضافہ کیا جاسکتا ہے اور اس میں حدکمال کو پہنچا جاسکتا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے مگر تین کام ایسے ہیں جس کی وجہ سے اعمال کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اولاً اس کی نیک اولاد جو اس کے لئے دُعا کرے، یا صدقہ جاریہ، (مثلاً کنواں کھدوانا، پل بنانا، ہاسپیٹل تعمیر کرنا، مسجد بنانا وغیرہ) یا نافع علم کسی کو سکھانا، (۱) کی روایت میں مذکور ہے ''او عمل ینتفع به'' یا کوئی ایسی کام کر جائے جس سے لوگ اس کے مرنے کے بعد بھی فیضیاب ہوں، حضرت قتادہؓ کی روایت میں اس کا اضافہ ہے کہ ''او علم یعمل به بعده'' (۲) یا کوئی ایسا علم چھوڑ جائے جس سے اس کے بعد لوگ منتفع ہوں، ان سب سے جامع تر ابن ماجہ کی روایت ہے، جس میں صراحت سے کہا گیا ہے: ''مومن کے مرنے کے بعد جن اعمال اور نیکیوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے وہ یہ ہیں کہ کسی کو علم سکھایا اور علم کی نشر و اشاعت کی، نیک اولاد چھوڑا، یا مصحف چھوڑا، یا مسجد کی تعمیر کی یا مسافروں کے لئے سرائے بنوایا یا نہر کھدوائی۔ (۳)

اب ہم غور کریں کہ ایک ماہر اور قابل طبیب کسی مرض کا علاج ڈھونڈتا ہے تو کیا اس کا یہ عمل صدقہ جاریہ نہیں ہوگا، یقیناً ہوگا؛ کیوں کہ اس کی یہ ایجاد لوگوں کے لئے فائدہ کا سبب بن رہی ہے، کوئی انجینئر کوئی ٹکنالوجی ایجاد کرتا ہے، جس سے عوام الناس کو فائدہ ہوتا ہے تو اس کا بھی یہ عمل صدقہ جاریہ کے قبیل سے ہے، اسی طرح کوئی سائنسداں عوام کی سہولت و راحت کے لئے کسی چیز کی ایجاد کرتا ہے معمولی مثال وہیل چیئر کی ہی لے لیں تو کیا اس سے فائدہ اُٹھانے والوں کی وجہ سے اس سائنسداں کو ثواب نہیں ملے گا، یقیناً ملے گا اور جب تک اس کی یہ ایجاد باقی رہے گی اس سے نفع اُٹھانے والے باقی رہیں گے، موجد کو ثواب ملتا رہے گا، بعض حدیثوں میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھیت سے چڑیا جو دانہ چگتی ہے وہ بھی کسان کے لئے صدقہ ہے، (۴) تو ہم سوچیں کہ اگر چڑیا کا کسی چیز سے نفع اندوز ہونا اس شئے کے مالک کے لئے صدقہ اور باعث ثواب ہے تو انسان جس چیز سے فائدہ اُٹھائے گا وہ موجد کے حق میں باعث صدقہ کیوں نہیں ہوگا؟ ایک روایت میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تو اللہ نے اس عمل کی

---

(۱) ابوداؤد: ۴/۵۰۶، ابن خزیمہ: ۲/۱۱۹۵۔ (۲) حوالۂ سابق۔

(۳) ابن ماجہ: ۱/۸۸۔ (۴) بخاری، کتاب المساقاۃ، باب فضل الزرع والغرس۔

بناء پر اس کی مغفرت کر دی، صحابہ نے عرض کیا کہ کیا ہم کو جانوروں سے بہتر سلوک پر بھی ثواب ملتا ہے تو فرمایا ہر جاندار کے ساتھ بہتر سلوک پر ثواب ہے، (۱) ہم غور کریں کہ دنیا آج کتنے موذی اور جان لیوا امراض کی چپیٹ میں ہے تو کیا ان امراض کا علاج ڈھونڈ کر ہزاروں افراد کو موت کے منھ میں جانے سے بچانے والے ثواب کے مستحق نہ ہوں گے؟

خلاصہ کلام

رسول اللہ ﷺ نے عرب معاشرہ میں بلا واسطہ اور پوری دنیا میں بالواسطہ تعلیم کی ایسی روح پھونکی کہ پوری دنیا سے جہالت کے اندھیرے بتدریج چھٹنے لگے اور علم کی ضیا پاش کرنوں سے دنیا منور ہونے لگی، وہی اونٹ کے چرواہے جنھیں دنیا خاطر میں نہ لاتی، تہذیب انسانی کے سفیر بن گئے اور مختلف علوم وفنون میں دنیا نے ان کی شاگردی اختیار کی اور اس شاگردی کا یوروپ کو بھی اعتراف ہے، صرف اتنا ہی نہیں، اسلام سے قبل سائنس محض ایک تصور تھا اسے عملی شکل میں اسلام کے پیروکاروں نے ہی ڈھالا اور تجربہ کی اہمیت پر زور دیا، اس کے علاوہ ہر طاقتور چیز کے سامنے جھکنے کے ذہن نے انسانی قوت عمل کو مفلوج کر رکھا تھا، اسلام نے پہلی بار یہ ذہن پیدا کیا کہ انسان صرف خدا سے کمتر ہے اس کے علاوہ وہ بقیہ تمام مخلوقات میں سب سے بہتر ہے، اس پیغام فکر وعمل نے پہلی بار انسانی تاریخ میں تسخیر کائنات کا جذبہ پیدا کیا، (۲) چنانچہ آج دنیا میں ٹکنالوجی اور علم وفنون کا جو دور دورہ ہے اور جس سے ہر ایک مستفید ہو رہا ہے (یوروپ کی خدمات سے انکار نہیں کیا جاسکتا) اس شجر سایہ دار کا بیج پیغمبر اسلام نے ہی بویا تھا، جس کی آبیاری پیغمبر اسلام کے پیروکاروں نے جوش وجذبہ کے ساتھ کی، آج دنیا میں تعلیم کو بنیادی حقوق میں شمار کیا جاتا ہے، قیدیوں سے تعلیم کی خدمت لی جاتی ہے، تعلیم کے لئے نئے وسائل وذرائع استعمال کئے جارہے ہیں اور اس سمت میں نت نئی ایجادیں ہو رہی ہیں؛ لیکن یہ سب فیضان ہے اسی اُمی کا جس نے کتاب وقلم کو ہاتھ نہیں لگایا؛ لیکن دنیا میں تعلیمی انقلاب برپا کر دیا:

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہی کی لگائی ہوئی ہے

● ● ●

(۱) موطا امام مالک: ۹۲۹/۲۔ (۲) دیکھئے: ''اسلام دور جدید کا خالق، از: مولانا وحید الدین خان۔

سلسلۂ رسائل سیرت
۱۵

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
اور رشتہ داروں و پڑوسیوں کے حقوق

مولانا شکیل احمد رحمانی

ناشر
المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

پیش لفظ

قرآن مجید نے اپنے لانے والے کی جو تصویر پیش کی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں، نہ آپ کی رحمت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے، نہ عربوں کے ساتھ، نہ کسی خاص رنگ و نسل کے لوگوں کے ساتھ؛ یہاں تک کہ آپ کی رحمت وشفقت بنی نوع انسان تک بھی محدود نہیں ہے؛ بلکہ آپ ﷺ نے دوسری مخلوقات کے ساتھ بھی رحم وکرم کی تعلیم دی ہے؛ مگر افسوس کہ غیر مسلم بھائی سیرت محمدی کے اس پہلو سے واقف نہیں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ صرف مسلمانوں کے پیغمبر اور محسن ہیں، مغربی مصنفین اگر بہت مہربان ہوں تو زیادہ سے زیادہ آپ ﷺ کو عربوں کا نبی قرار دیتے ہیں۔

اسی پس منظر میں سہ روزہ بین الاقوامی سیرت نبوی سیمینار — جو ۱۲-۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق: ۲۱-۲۳/ فروری ۲۰۱۶ء کو المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں منعقد ہو رہا ہے — کی مناسبت سے ۱۶/ رسائل کی ترتیب کا منصوبہ بنایا گیا، جس میں رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر رحمۃ للعالمینی کو پیش کیا جائے اور برادرانِ وطن کے درمیان آپ ﷺ کا صحیح تعارف کرایا جائے، کوشش کی گئی ہے کہ یہ رسائل مختصر ہوں، زبان آسان ہو اور ہر بات معتبر حوالہ سے کہی جائے، انشاء اللہ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ تک کوشش کی جائے گی کہ انگریزی اور ہندوستان کی تمام علاقائی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو جائے اور اسے بڑی تعداد میں برادرانِ وطن تک پہنچایا جائے۔

اسی سلسلہ کا ایک حصہ یہ رسالہ ''پیغمبر اسلام ﷺ اور رشتہ داروں و پڑوسیوں کے حقوق'' ہے، جس کو جناب مولانا شکیل احمد رحمانی (ناظم: مدرسۃ الرشاد، بیگم پیٹ، حیدرآباد) نے مرتب کیا ہے — **فجزاہ اللہ خیر الجزاء** — دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اس کے مقصد کے اعتبار سے مفید بنائے اور رسول اللہ ﷺ کے تعارف کی جو ذمہ داری اس اُمت پر ہے، اس کا کوئی حصہ اس کوشش کے ذریعہ ادا ہو سکے، **ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم**۔

۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
۲۱/ فروری ۲۰۱۶ء

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیغمبر اسلام ﷺ کے فرمودات کی اساس اور بنیاد معاشرے میں رحمت و محبت کے فیضان عام پر ہے؛ تاکہ تمام انسانوں کے درمیان اُخوت، خلوص، ہمدردی اور یکجہتی کے روابط زیادہ سے زیادہ مستحکم ہوں اور امن وامان اور سلامتی حفاظت کی صورت حال پائیدار ہو، اس سلسلے میں اللہ اور اس کے رسول کے چند ارشادات ذکر کئے جاتے ہیں، قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے :

> ایک قوم کے لوگ دوسرے قوم کے لوگوں کی ہنسی نہ اُڑائیں، چڑانے کی غرض سے ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکاریں، عیب نہ لگائیں، (الحجرات:۱۱) بدگمانیوں سے بچیں کیوں کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں، (الحجرات:۱۲) اگر کوئی فاسق آدمی خبر لائے تو اسے صحیح سمجھنے سے پیشتر تحقیق کرلیا کریں، ایسا نہ ہو کہ خبر سنتے ہی تم نادانی سے دوسرے قوم پر جا پڑو، پھر کل اپنے کئے پر پچھتانے لگو۔ (الحجرات:٦)

آپ ﷺ نے فرمایا تمام مخلوق اللہ کا کنبہ اور اس کی عیال ہے، لہٰذا سب سے بڑا محبوب خدا کے نزدیک وہ شخص ہے جو اس کے عیال اور کنبوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے، (۱) ایک موقع سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم مومنوں کو باہم رحم محبت اور مہربانیوں میں ایک جسم کے اعضاء کی طرح دیکھو گے جب ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے پورا جسم اس کی تکلیف محسوس کرتا ہے، (۲) رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو آپسی برتاؤ کے سلسلے میں ہدایت دیتے ہوئے فرمایا، آپس میں بغض نہ رکھو، باہم حسد نہ کرو، آپس کے تعلقات نہ توڑو اور خدا کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ، (۳) ایک موقع پر آپ ﷺ نے باہم ناراضگی کی حد متعین کرتے ہوئے فرمایا: کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنے بھائی کے ساتھ تین روز سے زیادہ قطع تعلق کرلے۔ (۴)

---

(۱) کنز العمال، حدیث نمبر: ۱٦۷۰۔ (۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۵۸٦۔
(۳) صحیح بخاری، حدیث نمبر: ٦۰٦۴۔ (۴) صحیح بخاری، حدیث نمبر: ٦۰٦۵۔

قرابت داروں اور دیگر اہل تعلق کے خوش گوار تعلقات میں خلل ڈالنے والا ایک ایک رخنہ بند کیا گیا مثلاً کہیں کہا گیا: کامل ترین مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی شر انگیزی ایسے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں (۱) اور کامل ترین مومن وہ ہے جس سے پوری انسانیت مامون ومحفوظ رہے۔(۲)

قرآن کریم میں قرابت داروں اور پڑوسیوں کے حقوق کی تاکید قرآن کریم میں پڑوسیوں اور قرابت داروں کے حقوق اور ان کی اہمیت کو متعدد مواقع پر بیان کیا گیا ہے، ارشاد باری ہے :

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۔ (۳)

اے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک نہ ٹھہراؤ ، اور اپنے والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اوردوسرے اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں اور مسکینوں اورغریب غرباء کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اوردور والی پڑوسی کے ساتھ اور ہم مجلس کے ساتھ بھی، خواہ مجلس دائمی ہو جیسے سفرطویل کی رفاقت اور کسی مباح کام میں شرکت یا عارضی ہو جیسے سفر قصر یا اتفاقی جلسہ میں شرکت اور راہگیر کے ساتھ بھی۔

علامہ قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یہ آیت حقوق کے بیان میں اُمہات الاحکام کا درجہ رکھتی ہے؛ کیوں کہ یہ آیت حقوق اللہ وحقوق العباد کے بیان میں بہت جامع ہے۔(۴)

امام رازیؒ فرماتے ہیں :

قرابت کی دو قسمیں ہیں، قرابت ولادت اور قرابت رحم، پس قرابت ولادت تمام قرابتوں میں مقدم ہے پھر قرابت درجہ بدرجہ ہے۔(۵)

---

(۱) صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۱۹۷۔ (۲) مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۲۵۶۱۔ (۳) النساء: ۳۶۔
(۴) الجامع لأحکام القرآن: ۱۲۱/۵۔ (۵) التفسیر الکبیر: ۶۵۶/۴۔

مندرجہ بالا آیت میں بیان حقوق سے پہلے مضمون عبادت اور توحید کو ذکر کرنے میں بہت سی حکمتیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ کا خوف اور اس کے حقوق کا اہتمام نہ ہو تو اس سے دنیا میں کسی اور حق کے اہتمام کی کیا اُمید رکھی جاسکتی ہے؟ برادری سوسائٹی کی شرم یا حکومت کے قانون سے بچنے کے لئے ہزاروں راہیں، حیلے اور بہانے ڈھونڈے جاسکتے ہیں، وہ چیز جو انسان کو انسانی حقوق کے احترام پر حاضر و غائب میں مجبور کرنے والی ہے، وہ صرف خوف خدا اور تقویٰ ہے، اور یہ خوف وتقویٰ صرف توحید کے ذریعہ ہی حاصل ہوسکتا ہے؛ اس لئے مختلف تعلقات اور رشتہ داروں کے حقوں سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید وعبادت کی یاددہانی کرائی گئی، اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے متصل والدین کے حقوق کو بیان فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ حقیقت میں سارے احسانات وانعامات تو اللہ کی طرف سے ہیں؛ لیکن ظاہری اسباب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ احسانات انسان پر اس کے والدین کے ہیں؛ کیوں کہ وہی ان کے وجود کا ذریعہ ہیں اور استقرار حمل سے لے کر جوان ہونے تک جتنے کٹھن مراحل ہیں، ان سے ماں باپ گزرتے ہیں، پس اولاد کے بقاء وارتقاء میں ماں باپ کا کلیدی رول ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے ساتھ والدین کی رعایت کا بارہا ذکر فرمایا ہے ارشاد باری ہے: ''میرا شکرادا کرا اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کرو''۔(لقمان:۱۱۴)

فقیہ ابواللیثؒ فرماتے ہیں کہ اگر حق تعالیٰ شانہ والدین کے حق کا حکم نہ فرماتے تب بھی عقل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان کا حق بہت ضروری اور اہم ہے؛ کیوں کہ وہی ہمارے وجود کا ذریعہ ہیں، چہ جائے کہ اللہ جل شانہ نے اپنی سب کتابوں تورات، انجیل، زبور اور قرآن کریم میں ان کے حق ادا کرنے کا حکم فرمایا اور تمام انبیاء کرام کو ان کے حق کے بارے میں وحی بھیجی اور تاکید فرمائی، اپنی رضا کو والدین کی رضا کے ساتھ وابستہ کیا، اور ان کی ناراضگی پر اپنی ناراضگی مرتب فرمائی۔(۱)

اللہ عز وجل نے والدین کے معاملہ میں یہ نہیں فرمایا کہ ان کے حقوق ادا کرو، یا ان کی خدمت کرو؛ بلکہ لفظ احسان لایا گیا جو بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے، جس میں ان کی جسمانی خدمت، اطاعت، حسبِ ضرورت ان کی ضروریات میں مال خرچ کرنا، اپنے لب ولہجہ سے ان کی دل

(۱) احیاء العلوم: ۲/ ۲۱۴۔

آزاری اور بے ادبی نہ کرنا، ان کے دوستوں اور تعلق والوں سے حسن سلوک کرنا ان کو راحت وآرام پہنچانے اور خوش رکھنے کی حتی الامکان کوشش کرنا، ان کی موت کے بعد ان کے لئے دُعا مغفرت کرنا، ان کے عہد کو پورا کرنا، ان کے دوستوں کا اکرام کرنا، ان کی رشتہ داریوں کا پاس ولحاظ رکھنا، یہ ساری باتیں احسان کے مفہوم میں شامل ہیں۔(۱)

''ولا تقل لهما أف ولا تنهر هما'' سے منفی پہلوؤں پر بھی بندش لگائی گئی ہے اور بطور دلالت النص اس بات کی رہنمائی کی گئی ہے کہ جب ادنیٰ ایذاءرسانی نفرت اور کراہت کا اظہار بصراحت نص حرام قرار دیا گیا ہے تو اس سے بڑی ایذارسانی اور براسلوک بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا، اور جس طرح کوئی قصوروار اپنے بدخو آقا سے نرمی کے ساتھ بات کرتا ہے، ایسی ہی تم نرمی سے ماں باپ سے کلام کرو، اور جس طرح تمہاری صغرسنی کے زمانہ میں وہ تمہارا بول وبراز صاف کرتے تھے، اسی طرح ان کے ایام پیری میں بول وبراز صاف کرنے سے نفرت نہ کرو اور ان کو اُف بھی نہ کہو، حتیٰ کہ دل میں بھی ماں باپ سے نفرت اور بوجھ کا خیال نہ آنا چاہئے۔

بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا وقت پر نماز پڑھنا، پھر پوچھا گیا کہ اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا، پھر دریافت کیا گیا، کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔(۲)

امام قرطبیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

> اس حدیث میں نماز کے بعد دوسرا اہم ترین فریضہ والدین کی خدمت واطاعت کو قرار دیا گیا ہے، اور اسے جہاد سے بھی افضل بتایا گیا ہے، معلوم ہوا کہ حقوق اللہ میں سب سے افضل عمل نماز ہے، اور حقوق العباد میں سب سے افضل ترین عمل برالوالدین کا عمل ہے۔(۳)

ترمذی میں حضرت ابودرداءؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: باپ جنت میں داخل ہونے کا درمیانی دروازہ ہے، اگر تم چاہو تو اس کی نگہداشت کرو یا چاہو تو اسے ضائع کردو، (۴)

---

(۱) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۵۱۴۲۔
(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۵۹۷۰۔
(۳) الجامع لأحکام القرآن: ۱۰/۱۱۔
(۴) ترمذی، حدیث نمبر: ۱۹۰۰۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی ناک خاک آلود ہو، جس کے ماں باپ یا دونوں میں سے کوئی اس کے سامنے بوڑھے ہو گئے ہوں اور ان کی خدمت نہ کرنے کی وجہ سے وہ جنت میں داخل نہ ہو سکا، (۱) دوسری روایت میں ہے کہ بوڑھے ماں باپ اس کو جنت میں نہ لے جا سکے۔ (۲)

ابن ماجہ میں حضرت ابوامامہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے؟ فرمایا: وہ دونوں تیری جنت اور دوزخ ہیں۔ (۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے ماں باپ کے معاملہ میں صبح کو اللہ کا فرماں بردار ہوتا ہے، اس کے لئے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں، اور جو شخص والدین میں سے کسی ایک کے معاملہ میں صبح کو اللہ کا فرماں بردار ہوتا ہے تو اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ مفتوح ہوتا ہے اور جو شام کو اپنے ماں باپ کے معاملہ میں اللہ کا نافرمان ہوتا ہے، اس کے لئے دوزخ کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور ایک کے معاملہ میں نافرمان ہوتا ہے تو دوزخ کا ایک دروازہ کھل جاتا ہے، ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! اگرچہ ماں باپ نے اس کی حق تلفی کی ہو فرمایا، خواہ حق تلفی کی ہو، اس پر ظلم کیا ہو، خواہ اس کا حق مارا ہو۔ (۴)

یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو ماں باپ کا فرماں بردار اپنے والدین کی طرف رحم وشفقت کی نظر سے دیکھتا ہے، اللہ ہر بار نظر کرنے کے عوض اس کے لئے ایک مقبول حج کا ثواب لکھ دیتے ہیں، صحابہؓ نے عرض کیا: خواہ ہر روز سو بار دیکھے؟ فرمایا: ہاں اللہ اس سے بڑا اور پاک ہے۔ (۵)

حضرت حسنؒ سے کسی نے پوچھا کہ والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی کیا مقدار ہے؟ انھوں نے فرمایا: جو کچھ تیری ملکیت میں ہے، اس میں سے ان پر خرچ کر اور جو وہ حکم کریں، بجالاؤ، بجز اس کے کہ وہ کسی گناہ کا حکم کریں کہ اس میں اطاعت نہیں؛ کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق'' (۶) خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں، حضرت ابوبکرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمام گناہوں میں سے جس گناہ کو اللہ تعالیٰ

---

(۱) مسلم، باب من ادرک أبویہ، حدیث نمبر: ۶۵۱۰۔
(۲) الجامع لأحکامِ القرآن: ۱۰/۱۱۔
(۳) سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۳۶۶۲۔
(۴) تفسیر قرطبی: ۱۰/۱۱۔
(۵) کنز العمال، حدیث نمبر: ۴۵۵۳۵۔
(۶) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر: ۳۳۷۱۷۔

چاہتا ہے، قیامت پر اس کے عذاب یا مغفرت کو ٹال دیتا ہے، سوائے ماں باپ کی نافرمانی کے، ماں باپ کی نافرمانی کی سزا مرنے سے پہلے اسی زندگی میں فوراً دے دیتا ہے۔(۱)

اس ذیل میں یہ ارشاد نبوی ﷺ نافرمان اولاد کے لئے آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے: ''بروا آباء کم تبر أبناء کم عفوا تعف نساء کم''(۲) چند گناہوں کا بدلہ ہاتھ کے ہاتھ ہے، اگر تم فرمانبردار رہو گے تو کل تمہاری اولاد فرماں بردار رہے گی، اگر تم نافرمان نکلے تو تمہاری اولاد اسی سلوک کو روا رکھے گی جو تم نے اپنے والدین سے کیا تھا اور پاک دامن رہو گے تو تمہاری بیوی پاک دامن رہے گی، اور اگر تم نے فحش کاری کی جانب قدم بڑھایا تو بیوی سے بھی پاک دامنی کی اُمید نہ رکھو۔

رشتہ داروں سے حسن سلوک

قرابت ولاء کے بعد قرابت رحم کا درجہ ہے، قرابت رحم میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جسے علم فرائض کی اصطلاح میں عصبات اور ذوی الارحام کہا جاتا ہے، عصبات میں چار فریق شامل ہیں: (۱) فرع میت، (۲) اصل میت، (۳) فرع اصل قریب (۴) فرع اصل بعید، اور ذوی الارحام میں نواسے نواسیاں، ماموں خالہ پھوپھی بھانجہ بھانجی نانا، نانی وغیرہ شامل ہے، اسلام نے ان تمام اہل قرابت کے حقوق کی ادائیگی پر بہت زیادہ زور دیا ہے، اور توجہ دلائی ہے، اور اسے صلۂ رحمی کا عنوان دیا ہے، اور ان حقوق کی پاسداری پر ہی دینی یا دنیوی برکات وثمرات کو موقوف رکھا گیا ہے۔

موجودہ دور میں مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں، اور اللہ کی رحمت وعنایت سے محرومی کا جو منظر ہم نگاہ حسرت سے دیکھ رہے ہیں، بلاشبہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی ہماری بہت سی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے؛ لیکن درجہ ذیل احادیث کی روشنی میں یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ اس بربادی اور محرومی میں بڑا دخل ہمارے اس جرم کو بھی ہے کہ صلہ رحمی کی ہدایت کو ہماری غالب اکثریت نے بھلا دیا ہے، اور اس باب میں ہمارا طرز عمل غیر مسلموں سے کچھ مختلف نہیں ہے۔

ایک حدیث میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

> جو کوئی چاہے کہ رزق میں فراخی اور کشادگی ہو، اور دنیا میں اس کے آثار قدم دیر تک رہیں، یعنی اس کی عمر دراز ہو تو وہ اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک کرے۔(۳)

---

(۱) شعب الایمان، حدیث نمبر: ۷۵۰۶۔

(۲) المعجم الاوسط، حدیث نمبر: ۱۰۰۲۔ (۳) مسند احمد: ۲۶۶/۳۔

حدیث میں بتایا گیا کہ صلہ رحمی یعنی اہل قرابت کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک وہ مبارک عمل ہے، جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق میں وسعت اور عمر میں برکت اور زیادتی ہوتی ہے، صلہ رحمی میں یہ بات شامل ہے کہ آدمی اپنی کمائی سے اہل قرابت کی خدمت کرے، یا یہ کہ اپنے وقت اور اپنی کمائی کا کچھ حصہ ان کے کاموں میں لگائے، ان سے ملاقات اور ان کی خبر گیری و مزاج پرسی، زبانی تسلی و اظہار ہمدردی کا خاص اہتمام کرے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں: صلہ رحمی میں یہ بات شامل ہے کہ خوش گوار تعلقات میں خلل ڈالنے والے تمام اُمور کو بند کیا جائے، اور بوقت ضرورت مالی تعاون کیا جائے اور تمام پیش آمدہ مسائل میں ان کی مدد کی جائے۔(۱)

قرآن کریم میں تقریباً ۲۰ ؍ سے زائد مقامات پر قرابت داروں کے حقوق کی طرف توجہ دلائی گئی، سب سے جامع آیت جس کی جامعیت پر تمام اہل ایمان کا اتفاق، اور جس کی معنی خیزی اور جامعیت کی وجہ سے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے خطبۂ ثانی کے اخیر میں شامل فرمایا اور جس کی صدا ہر منبر و محراب سے گونجتی رہتی ہے، وہ سورۂ نحل کی آیت ہے، ارشاد ربانی ہے :

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ سب کے ساتھ انصاف اور حسن سلوک کا اور قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے :

وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۔ (۳)

جو تم میں (دینی) بزرگی اور دنیوی وسعت والے ہیں وہ اہل قرابت اور مساکین کو دینے اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھائیں اور چاہئے کہ وہ معاف کردیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے :

---

(۱) الجامع لأحکام القرآن: ۱۶۱/۱۔ (۲) النحل: ۹۰۔ (۳) النور: ۲۲۔

من كان يؤ من بالله واليوم الآخر فليصل رحمه ۔ (۱)
جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا، جب ان کی تخلیق سے فارغ ہوا تو رحم کھڑا ہوا اور عرض کیا: یہ قطع رحمی سے تیری پناہ مانگنے والے کی جگہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تجھ کو یہ پسند نہیں کہ جو تجھ کو جوڑے اسے میں جوڑوں، اور جو تجھ کو توڑے اس کو میں بھی توڑ دوں، رحم نے جواب دیا ہاں کیوں نہیں، فرمایا بس یہ تمہارے لئے ہے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر چاہو تو اللہ کا یہ فرمان پڑھو، (۲) :

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ، اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ۔ (۳)
سو اگر تم کنارہ کش ہو جاؤ تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ تم دنیا میں فساد مچا دو، آپس میں قطع قرابت کرو، یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے اپنی رحمت سے دور کر دیا، ان کو بہرا کر دیا، اور ان کی آنکھوں کو دیکھنے سے محروم کر دیا۔

ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ رحم (قرابت) کو زبان عطا فرمائیں گے وہ عرش معلیٰ کو پکڑ کر درخواست کرتا رہے گا، یا اللہ جس نے مجھ کو ملایا تو اس کو ملا، اور جس نے مجھے قطع کیا، تو اس کو قطع کر، (۴) حدیث قدسی ہے کہ رحم کا لفظ اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے نکالا گیا ہے جو اس کو ملائے گا، رحمٰن اس کو ملائے گا جو اس کو قطع کرے گا، رحمٰن اس کو قطع کرے گا، (۵) ایک حدیث میں ہے کہ اللہ اس قوم پر رحمت نازل نہیں فرماتا ہے جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا ہو، ایک حدیث میں ہے کہ پیر اور جمعرات کو اللہ تعالیٰ کے حضور بندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں؛ لیکن اللہ ان لوگوں کے اعمال زمین و آسمان کے درمیان معلق فرما دیتا ہے جو رشتہ ناطہ توڑنے والے ہوتے ہیں،

(۱) بخاری، باب اکرام الضیوف: ۸/ ۶۱۳۸۔ (۲) بخاری، حدیث نمبر: ۵۹۸۷۔
(۳) محمد: ۲۲، ۲۳۔ (۴) بخاری، باب من وصل وصلہ اللہ، حدیث نمبر: ۵۹۸۸۔
(۵) مجمع الزوائد: ۸/ ۲۷۴۔

بغض وکینہ رکھنے والے ہوتے ہیں،(۱) ایک جگہ ارشاد ہے کہ صلہ رحمی کے علاوہ کوئی نیکی ایسی نہیں جس کا بدلہ جلد ملتا ہو، اور قطع رحمی کے علاوہ کوئی گناہ ایسا نہیں جس کا وبال آخرت میں باقی رہنے کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی جلد مل جاتا ہے؛(۲) چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک مرتبہ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد ایک مجمع میں تشریف فرما تھے، فرمانے لگے: میں تم لوگوں کو قسم دیتا ہوں کہ اگر اس مجمع میں قطع رحمی کرنے والا ہو تو چلا جائے، ہم لوگ اللہ تعالیٰ سے ایک دُعا کرنا چاہتے ہیں اور آسمان کے دروازے قطع رحمی کرنے والے کے لئے بند ہو جاتے ہیں۔(۳)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جنت کی خوشبو اتنی دُور تک جاتی ہے کہ وہ راستہ پانچ سو برس میں طے ہو؛ لیکن والدین کی نافرمانی کرنے والا اور قطع رحمی کرنے والا جنت کی خوشبو بھی سونگھنے سے محروم رہے گا۔(۴)

میمون بن مہران فرماتے ہیں تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں کافر اور مسلمان کی کوئی تفریق نہیں ہے، سب کا حکم برابر ہے اول: جس سے معاہدہ کیا جائے اس کو پورا کیا جائے، خواہ معاہد مسلمان ہو یا کافر، دوسرے: وہ جس سے رشتہ داری ہو، اس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے خواہ وہ رشتے دار مسلمان ہو یا کافر، تیسرے: جو شخص امانت رکھوائے، اس کی امانت واپس کی جائے، چاہے امانت رکھنے والا مسلمان ہو یا کافر، اسی ذیل میں حضرت اسماء سے مروی ہے کہ جس زمانے میں میں حضور ﷺ کا قریش سے معاہدہ ہو رہا تھا، اس وقت میری کافر والدہ مکہ سے مدینہ طیبہ آئیں، میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ میری اعانت کی طالب بن کر آئی ہیں، کیا میں ان کی اعانت کروں؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں ان کی اعانت کرو۔(۵)

حقیقی صلہ رحمی کرنے والا

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمہ وصلھا۔ (۶)

---

(۱) احیاء العلوم: ۲/ ۲۰۶۔
(۲) شعب الایمان، حدیث نمبر: ۳۶۵۱۔
(۳) المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۸۷۹۳۔
(۴) احیاء العلوم: ۲/ ۲۰۶۔
(۵) بخاری، باب ہدیۃ المشرکین، حدیث نمبر: ۲۶۲۔
(۶) بخاری، باب لیس الواصل بالمکافی، حدیث نمبر: ۵۹۹۱۔

صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص نہیں جو بدلے میں صلہ رحمی کرے؛ بلکہ حقیقت میں صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے جب اس سے قطع تعلق کیا جائے، تب بھی وہ صلہ رحمی کرے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میرے بعض رشتے دار ایسے ہیں کہ میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ مجھ سے قطع تعلق کرتے ہیں، میں ان سے حسن سلوک کرتا ہوں اور وہ مجھ سے بدسلوکی کرتے ہیں، میں ان کے ساتھ صبر و بردباری کا برتاؤ کرتا ہوں، وہ مجھ سے بدسلوکی کرتے ہیں اور وہ میرے ساتھ جہالت سے پیش آتے ہیں، اس کی بات سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر تم واقعی ویسے ہو جیسا کہ بتا رہے ہو، تو گویا تم ان کو گرم راکھ کھلا رہے ہو یعنی ذلیل و رسوا کر رہے ہو اور جب تم اپنی اس حالت پر باقی رہو گے تو تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک مددگار فرشتہ مقرر رہے گا۔(۱)

اسی ذیل میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے:

أفضل الصدقة على ذى الرحم الكاشح قيل الكاشح العدو۔ (۲)

بہترین صدقہ اس قرابت دار کو دینا ہے جو آپ سے دشمنی رکھتا ہو۔

ایک حدیث میں آیا ہے: اپنے نسب کا علم حاصل کرو، جس کے ذریعہ تم اپنے رشتے داروں صلہ رحمی کرسکو۔(۳)

پڑوسیوں کے حقوق

اسلام نے گرد و پیش کے ماحول کو خوشگوار بنانے پڑوسیوں کے حقوق بھی متعین فرمایا ہے؛ کیوں کہ انسان کو اپنے گھر والوں کے بعد سب سے زیادہ واسطہ پڑوسی سے ہی پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں والدین اور رشتہ داروں کے بعد فوراً پڑوسیوں کے حقوق کا تذکرہ ملتا ہے؛ لیکن افسوس صد افسوس جن پڑوسیوں کے حقوق کے تئیں حضرت جبرئیل علیہ السلام اتنے تاکیدی احکام لے کر آئے ہوں کہ نبی ﷺ کو یہ اُمید ہونے لگی کہ وہ بھی دیگر وارثین کی طرح میراث کے

(۱) مسلم، باب صلة الرحم، حدیث نمبر: ۶۵۲۵۔ (۲) الاموال للقاسم بن سلام، حدیث نمبر: ۹۱۴۔
(۳) مجمع الزوئد: ۱/۴۵۶۔

حقدار قرار پا جائیں گے، آج آپ دیکھیں گے کہ ان کے درمیان ہمیشہ لڑائی، جھگڑا، اختلاف، حق تلفی اور قول وفعل کے ذریعہ ایذا رسانی طبیعت ثانی بن گئی ہے؛ حالاں کہ یہ کتاب وسنت کی خلاف ورزی، مسلمانوں کے باہمی انتشار، دلوں کی دوری اور ایک دوسرے کی عزت وناموس کو نقصان پہنچانے کا باعث ہے۔

اس پس منظر میں پیغمبر اسلام ﷺ نے پڑوسیوں کے حقوق کے تئیں کیا تاکیدی احکام دیئے ہیں؟ وہ سپردِ تحریر ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تین طرح کے پڑوسیوں کا تذکرہ فرمایا ہے، حدیث میں نبی ﷺ نے اس کی تشریح اس طرح فرمائی ہے کہ پڑوسی تین طرح کے ہیں، ایک وہ پڑوسی ہے جن کا تین حق ہے، ہمسائیگی کا حق، قرابت داری کا حق، اور مسلمان ہونے کا حق، پڑوسی کی دوسری قسم وہ ہے جن کا دو حق ہے، پڑوس کا حق، اور اسلام کا حق، تیسری قسم وہ ہے جس کا ایک ہی حق ہے اور وہ حق ہمسائیگی ہے یعنی غیر مسلم پڑوسی۔(۱)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ پڑوس کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے لگاؤ کہ محض پڑوسی ہونے کی وجہ سے مشرک کا حق بھی مسلمانوں پر قائم فرمادیا، (۲) اسی لئے ایک حدیث میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے دو پڑوسیوں کا معاملہ پیش کیا جائے گا۔(۳)

رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہمیشہ مجھے پڑوسی کی رعایت وامداد کی تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ شاید پڑوسی کو بھی رشتہ داروں کی طرح وراثت میں شریک کردیا جائے گا، (۴) ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ کسی محلہ کے لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل اور بہتر وہ شخص ہے جو اپنے پڑوسیوں کے حق میں بہتر ہو، (۵) مسند احمد کی ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ایک پڑوسی کو پیٹ بھر کر کھانا جائز نہیں جب کہ اس کا پڑوسی بھوکا ہو، ایک حدیث میں ارشاد ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لئے لازم ہے اپنے پڑوسی کو نہ ستائے، (۶) بعض روایت میں ہے کہ اپنے پڑوسی کا اکرام کرے، (۷)

(۱) الجامع لأحکام القرآن: ۲/۱۲۱۔ (۲) احیاء علوم الدین: ۲/۲۱۲۔
(۳) مجمع الزوائد: ۱/۶۳۲۔ (۴) بخاری، حدیث نمبر: ۶۰۱۴، مسلم، حدیث نمبر: ۲۶۲۴۔
(۵) ترمذی، حدیث نمبر: ۱۹۴۴۔ (۶) بخاری، باب الوصایا بالجار، حدیث نمبر: ۶۰۱۸۔
(۷) بخاری، باب اکرام الضیوف، حدیث نمبر: ۶۰۱۹۔

اور بعض روایت میں ہے کہ احسان کا معاملہ کرے، یعنی جس چیز کا وہ محتاج ہو اس میں اس کی اعانت کرے، اس سے برائی کو دفع کرے، امام غزالی فرماتے ہیں کہ پڑوسی کا صرف یہ حق نہیں کہ اس کو تکلیف نہ دی جائے؛ بلکہ اس کا حق یہ ہے کہ اس کی تکلیف کو برداشت کیا جائے؛ (۱) بلکہ ایک حدیث میں ہے کہ خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہے، خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہے جس کا، پڑوسی اس کی شر سے محفوظ نہ ہو، (۲) پڑوسی کا اطلاق چالیس گھر تک ہوتا ہے، مشہور راوی حدیث امام زہریؒ فرماتے ہیں: اس سے مراد چالیس مکان دائیں چالیس مکان بائیں اور چالیس آگے اور چالیس مکان پیچھے کی جانب۔ (۳)

ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک عورت کا حال بیان کیا گیا کہ وہ صوم صلاۃ کی پابند ہے؛ لیکن اس کی بدزبانی سے اس کے پڑوسی محفوظ نہیں ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''لا خیر منها هی فی النار'' (۴) اس میں کوئی بھلائی نہیں وہ تو جہنم میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ایک غلام نے ایک بکری ذبح کی، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: جب اس کی کھال نکال چکو تو سب سے پہلے میرے یہودی پڑوسی کو بھیج دینا، کئی دفعہ یہی لفظ فرمایا، غلام نے عرض کیا، آپ کتنی بار اس کو فرمائیں گے، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو فرماتے ہوے سنا، وہ فرماتے تھے کہ مجھے حضرت جبرئیل علیہ السلام بار بار پڑوسی کی تاکید فرماتے رہے، اس لئے میں بار بار کہہ رہا ہوں۔ (۵)

اسی طرح آپسی لین دین کے معاملہ میں خاص طور پر آپ ﷺ نے عورتوں کو ہدایت فرمائی کہ معمولی سے معمولی چیز کو حقیر نہ جانے؛ بلکہ خوش دلی اور شکر گذاری کے جذبہ کے ساتھ قبول کرلے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی کسی پڑوسن کی چیز کو حقیر نہ جانے، اگرچہ وہ بکری کی ایک کھر ہی کیوں نہ ہو، (۶) مذکورہ حدیث کی روشنی میں سمجھا جاسکتا ہے کہ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی نظر میں پڑوسیوں اور ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک کی کس قدر اہمیت ہے؛ لیکن افسوس کہ اس سلسلہ میں ہماری غفلت اور لاپرواہی کا حال بہت برا ہے، اس لئے اخیر میں حدیث پاک کی روشنی پڑوسیوں کے بعض متعین حقوق بیان کیا جارہا ہے۔

---

(۱) احیاء علوم الدین: ۲/ ۲۱۳۔
(۲) مسند احمد، حدیث نمبر: ۳۶۷۲۔
(۳) احیاء العلوم: ۲/ ۲۱۳۔
(۴) مسند احمد: ۲/ ۴۰۔
(۵) شعب الایمان: ۱۲/ ۱۰۸۔
(۶) بخاری، حدیث نمبر: ۶۰۱۷۔

حضرت معاویہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم جانتے ہو کہ پڑوسیوں کا کتنا حق ہے؟ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اس کے حق کو اس کے سوا کوئی ادا نہیں کرسکتا، مگر سوائے اس کے جس پر اللہ رحم کرے، دریافت کیا گیا اس کا کیا حق ہے؟ فرمایا: پڑوسی بیمار ہو تو اس کی عیادت اور خبر گیری کی جائے، اگر وہ انتقال کرجائے تو اس کے جنازہ کا ساتھ دو، یعنی تدفین میں ہاتھ بٹاؤ، اگر وہ ضرورت مند ہو اور تم میں استطاعت ہو تو قرض دو، اگر وہ برا کام کر بیٹھے تو اس کی پردہ پوشی کرو، اگر اسے کوئی نعمت یا مال ملے تو مبارک باد دو، اگر اس پر کوئی مصیبت آپڑے تو ہمدردی کا اظہار کرو، اپنے گھر کی عمارت اس طرح بلند نہ کرو کہ پڑوسی کے گھر کی ہوا رُک جائے، جب تمہارے گھر میں کوئی اچھا کھانا پکے تو کوشش کرو کہ تمہارے ہنڈیا کی مہک پڑوسی اور اس کے بال بچوں تک نہ پہنچے، یہ ان کے لئے تکلیف اور رنج کا باعث ہو گی، یا اپنے اوپر لازم کرلو کہ اس کھانے کا کچھ حصہ پڑوسی کے گھر بھی بھیجیں گے، اگر تو کوئی پھل خریدے تو اس کو بھی ہدیہ دے، اور اگر یہ نہ ہوسکے تو اس پھل کو اس طرح چھپا کر گھر میں لاؤ کہ وہ نہ دیکھے، اور اس کو تیری اولاد باہر لے کر نہ نکلے؛ تاکہ پڑوسی کے بچے اس کو دیکھ کر رنجیدہ نہ ہوں۔(۱)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، یارسول اللہ ﷺ میرے کئی پڑوسی ہیں، میں کس پڑوسی کے یہاں ہدیہ بھیجوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس کا دروازہ تمہارے دروازے کے قریب ہو۔(۲)

ہم نشیں کا حق

شریعت اسلام نے جس طرح نزدیک دُور کے پڑوسیوں کے حقوق واجب فرمائے، اسی طرح اس شخص کا حق صحبت لازم کردیا، جو تھوڑی دیر کے لئے کسی مجلس میں یا سفر حضر میں آپ کا ساتھی ہو، یا ریل، جہاز، بس وغیرہ میں آپ کے ہم پہلو بیٹھا ہو، جسے قرآن میں ''والصاحب بالجنب'' سے تعبیر کیا گیا ہے، بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ ''صاحب بالجنب'' میں ہر وہ شخص داخل ہے، جو کسی کام پیشہ، تجارت، ملازمت میں آپ کا شریک کار ہے، گھر میں آپ کی بیوی،

---

(۱) الزہد لہناد: ۲/ ۵۰۴۔

(۲) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۵۵۳۵۔

اسکول کالج میں پڑھنے والا آپ کا ہم سبق وہم جماعت، عام مجلس میں آپ کے دوست احباب، کسی دعوت میں شریک آپ کا ہم نشیں، ان سب کے ساتھ حسن سلوک ضروری ہے، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، رشتے دار ہوں یا بیگانے، جان پہچان ہو یا نہ ہو، کوئی مفاد وابستہ ہو یا نہ ہو، ان سب سے ایسا اچھا برتاؤ کیا جائے کہ وہ یاد رکھے کہ کسی اچھے انسان سے واسطہ پڑا تھا، آپ کی رفاقت اس کے لئے حسین لمحات اور خوشگوار یادوں میں ڈھل جائے، ایسے ساتھی کو لوگ بھی اچھے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، اور اللہ کے یہاں بھی معزز مکرم اور حسن رفاقت کی وجہ سے حسن صلہ کا مستحق قرار پاتا ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے سب سے بہتر وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔(۱)

ایک دوسری حدیث میں ہے :

ان کل صاحب یصحب آخر ، فانه مسئول عن صحابته ولو ساعة من نهار ۔ (۲)

قیامت کے دن تمام ساتھی اپنے دوسرے ساتھی کے تئیں جواب دہ ہیں اگر چہ وہ شریک سفر وحضر چند ساعت کا ہی ہم سفر کیوں نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ ہم کو رشتہ داروں، بالخصوص والدین، پڑوسیوں اور ساتھ میں اُٹھنے بیٹھنے والوں کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔

• • •

---

(۱) جامع ترمذی، حدیث نمبر: ۱۹۷۵۔

(۲) الجامع لأحکام القرآن: ۵/ ۱۲۳۔